ریاض الاحزان

شامِ غریباں سے واپسی مدینہ تک
کے حالات

مؤلفہ

آقائی سیّد محمّد حسن قزوینی

ناشر

ولی العصر ٹرسٹ

ریاض الاحزان

(واقعات شامِ غریباں تا واپسیٔ مدینہ)

مؤلف

آقای سیّد محمد حسن قزوینی

مترجم

علامہ اثیر جاڑوی

پیش کش

سیّد محمد شبّر عباس

ناشر ـــ ولی العصر ٹرسٹ رتّہ متّہ

ضلع جھنگ

دائمی حقوق بنام سیّد محمد شبّر عباس محفوظ ہیں

نام کتاب ــــــــــ ریاض الاحزان (جلد دوم)

مولّف ــــــــــ آقای سیّد محمد حسن قزوینی

سن اشاعت ــــــــــ ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۰ ہجری

بار اول ــــــــــ ایک ہزار

مطبع ــــــــــ

کتابت ــــــــــ ندیم اختر

ناشر ــــــــــ ولی العصر ٹرسٹ رتہ مٹہ

ہدیہ ــــــــــ

سٹاکسٹ

افتخار بُک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور

انتساب

مَیں اِس کتاب کو خاتونِ جنّت حضرت
فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالےٰ علیہا کی
خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہوں۔

عرضِ ناشر

ریاض الاحزان یعنی غموں کے باغ جیسے کتاب کے نام سے ظاہر ہے مصائب کی قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کے مولّف آقای سیّد محمد حسن قزوینی قدس سرہٗ نے کتاب کے اس حصہ میں شامِ غریباں سے لے کر واپسی مدینہ تک کے حالات نہایت تفصیل سے قلمبند فرمائے ہیں۔ خاص کر قافلہ اسیران شام کی کربلا سے دمشق تک چالیس منازل کا مکمل ذکر ہے۔ آقای قزوینی سیّد صدر الدین قزوینی مولّف ریاض القدس کے والد گرامی تھے۔ میری بہت کوشش کے باوجود اس کتاب کا حصہ اول پاکستان، ایران عراق و شام سے ہنوز دستیاب نہیں ہو سکا جب مل گیا انشاء اللہ حاضر خدمت کروں گا میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بوسیلہ چہاردہ معصومین میری اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کا جو اجر ہو اس سے میرے والدین مرحومین کے درجات بلند ہوں۔

خاکپائے آلِ محمد

شبیر عباس

سبب تالیف

از آقائی صدر الدین واعظ قزوینی فرزند مؤلف

یوں تو متقل سید الشہدا میں مروجہ کتب کی کمی نہ تھی۔ صحرائے تاریخ کے خارزار میں آبلہ پا ہو کر گل چینی کرنے والے علمائے مذہب حقہ نے اپنی زندگی کی قربانی دے کر مدینہ سے کربلا کربلا سے شام اور شام سے واپس مدینہ تک کے چھوٹے بڑے واقعات کو جمع فرمادیا تھا۔

لیکن تشنگان تحقیق اور متلاشیان تدفین کی نہ تو تشنگی میں کمی آتی تھی۔ اور نہ ہی شوق جستجو میں کوئی فرق آیا تھا۔ کیونکہ ہر مولف نے اپنے طور پر صرف انہی واقعات پر اکتفا کرلیا تھا۔ جو انہیں جسے ملے اور جہاں سے مل گئے۔ ان میں نہ تو کسی قسم کی ترتیب تھی۔ اور نہ تسلسل۔

میرے والد مرحوم نے زیر نظر کتاب میں ترتیبی کر کے یہ کوشش فرمائی ہے کہ واقعات سید الشہدار کو روانگی مدینہ سے قافلہ آل محمد کی مدینہ واپسی تک ایک ترتیب دی ہے۔ اور روایات کی چھان پھٹک کر کے واقعات میں تسلسل پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے

اگرچہ تاریخ کے صدیوں پر محیط بہت بڑے جنگل سے واقعات کی تلاش اور انہیں مرتب کرنا ایک مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے۔ پھر اموی اور عباسی دور جن میں آل محمدؐ پر مظالم کی ہر صورت کو آزمایا گیا۔ ایسی آٹھ صدیوں کی گرد کی تہ میں چھپے ہوئے واقعات کو ایک لڑی میں پرونا محال تھا۔ بلکہ آج بھی محال ہے۔ کیونکہ جب قاتل مورخ بن جائے۔

جب ظالم داستان سرا بن جائے تو حقائق کی تلاش ناممکن ہو جاتی ہے اور سالوں کی محنت کے باوجود بھی کربلا کا کوئی بھی واقعہ نگار یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے حرف بحرف صحیح ہے۔ اور اس کی ترتیب میں سرمو فرق نہیں کیونکہ یہ دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اموی اور عباسی دور کا مکمل مطالعہ کیا ہو اور ان ادوار کے ہر پہلو پر نظر بالغور رکھتا ہو۔ بایں ہمہ میرے والد مرحوم نے اپنی طرف سے ایک کوشش کی ہے اور میرے خیال میں وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔

ہزار کوشش کے باوجود پھر بھی بعض مقامات ایسے آ گئے ہیں جہاں ترتیب دھندلی دھندلی سی نظر آتی ہے۔

جب میں نے ان کا یہ مسودہ دیکھا تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس عظیم تحقیق کو امت مسلمہ کے عظیم تر مفاد کے پیش نظر عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تا کہ ایک تو میرے والد محترم کے اجر میں اضافہ ہو۔ صدقہ جاریہ رہ جائے اور دوسرا مصائب آل محمد پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں راہ تحقیق کھل جائے۔ اور ان کے لیے اس سلسلہ میں مشکل اگر ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم کم ضرور ہو جائیں۔

میری دعا ہے خداوند قدوس بطفیل آل محمد اس تالیف سے قارئین کو مستفید فرمائے اور ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائے۔ آمین

سید صدر الدین قزوینی
ولد سید محمد حسن قزوینی

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	۹	۱۶۔	لشکر یزید کے جانے کے بعد	۹۳
۲۔	شب عاشور	۱۲	۱۷۔	سرزمین کوفہ	۱۲۴
۳۔	فرزندان امیر مسلم	۱۷	۱۸۔	دفن شہداء	۱۳۳
۴۔	حارث کا انجام	۲۱	۱۹۔	تغسیل و تدفین امام	۱۴۰
۵۔	مشکور کی شہادت	۳۷	۲۰۔	اسیران آل محمدؐ کے استقبال کی کوفہ میں تیاریاں۔	۱۵۴
۶۔	قصر جمال	۴۰	۲۱۔	کوفہ میں ورود	۱۵۶
۷۔	جناب فاطمہ صغریٰ کو اطلاع شہادت	۵۱	۲۲۔	دربار کوفہ میں پیشی	۱۶۸
۸۔	دختر یہودی کو شفا	۵۳	۲۳۔	شہادت عبداللہ ابن عفیف	۱۸۱
۹۔	مدینہ سے ندائے ہاتف	۵۸	۲۴۔	مدینہ میں خبر شہادت	۱۸۹
۱۰۔	سر شبیر یں تنور میں	۶۰	۲۵۔	کوفہ میں چند قاتلین حسین کا انجام۔	۱۹۵
۱۱۔	سر مظلوم خانہ شمر میں	۶۲	۲۶۔	کوفہ سے سوئے شام	۲۲۱
۱۲۔	خانہ خولی میں	۶۵	۲۷	مختلف منازل	۲۲۵
۱۳۔	گیارہ محرم	۶۹	۲۸	واقعہ شیرین	۲۴۰
۱۴۔	کربلا میں گیارہ محرم	۷۸	۲۹	سرزمین شام	۲۹۰
۱۵۔	اسیران آل محمد اور لاشہ ہائے شہداء	۸۴			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۰۔	عداوت فرزند رسولؐ و یزید	۳۰۲	۴۶۔	آل محمد مدینہ رسول میں	۴۴۷
۳۱۔	اسیران آل محمد شام میں	۳۱۴	۴۷۔	جناب محمد ابن حنیفہ	۴۶۰
۳۲۔	سہل ابن سعد کا واقعہ	۳۲۰	۴۸۔	جناب رباب	۴۷۲
۳۳۔	باب الساعات	۳۲۹	۴۹۔	امام سجاد	۴۷۶
۳۴۔	یزید کو بشارت	۳۳۱	۵۰۔	یزید بنام عبداللہ ابن عباس	۴۸۶
۳۵۔	سرہائے شہداء اور دربار یزید	۳۴۰	۵۱۔	جناب مختار اور آل محمد	۵۰۵
۳۶۔	دربار یزید اور سر فرزند رسول	۳۵۱	۵۲۔	زید ابن علی	۵۰۶
۳۷۔	عبدالوہاب نصرانی	۳۶۰	۵۳۔	یحییٰ ابن زید	۵۲۱
۳۸۔	جناب سجاد دربار یزید میں	۳۶۶	۵۴۔	شہادت محمد و ابراہیم	۵۲۶
۳۹۔	نبی زادیاں اور دربار یزید	۳۸۰	۵۵۔	ہارون رشید اور اولاد زہرا	۵۲۹
۴۰۔	زندان شام	۴۰۸	۵۶۔	شہادت سعید ابن جبیر	۵۳۳
۴۱۔	سکینہ بنت الحسین	۴۱۸	۵۷	شہادت جناب قنبر	۵۴۳
۴۲۔	خطیب یزید اور خطیب آل محمدؐ	۴۲۳	۵۸	شہادت جناب کمیل	۵۴۵
۴۳۔	آل محمد خانہ یزید میں	۴۳۳	۵۹	اولاد زہرا دیواروں میں	۵۴۷
۴۴۔	رہائی	۴۳۸	۶۰	متوکل اور مزار شبیر	۵۵۰
۴۵۔	مزارات شہداء پر	۴۴۲	۶۱	محمد ثقفی کا انجام	۵۵۶

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اپنے دل کو اس اللہ کی جانب متوجہ کرنے چلا ہوں۔ جو کسی اعتبار سے عاجز نہیں ------ جو ہر ایک سے بے نیاز ہے ---- وہ اللہ جو معبود مطلق ہے ------ وہ اللہ جو ہر قاصد کا مقصود اور طالب کا مطلوب ہے۔ ایسا رحمان جو کبھی اکتا نہیں جاتا۔ ایسا رحیم جس کی نوازش کا کوئی وقت نہیں ------- ایسا احد جس کا کوئی عدد نہیں ------ ایسا لاانتہائی جس کی کوئی مدت نہیں ---- ایسا بیدار جسے کبھی اونگھ نہیں آئی ------- ایسا جبار جسے کبھی وہم تک نہیں ہوا ----- ایسا تقدیر کنندہ جو ہمیشہ سے بے تطہیر ہے ------ ایسا مدبر جو کسی معاون کا محتاج نہیں ------ ایسا بے مثل کہ اسکا کوئی ہمسر نہیں ------- ایسا باعزم کہ اس کے ارادہ میں تغیر نہیں ...... ایسا دائمی کہ اسے فنا نہیں ...... ایسا زندہ کہ اسے کبھی موت نہیں ...... ایسا قدیم کہ جس کا سلسلہ کہیں رکتا نہیں

ایسا کریم کہ جس کی سخاوت کی انتہا نہیں ـــــ ایسا حکیم کہ اسے کبھی فکر کی ضرورت نہیں ـــــ ایسا عالم کہ اسے کبھی نسیان نہیں" ـــــ ایسا دانا کہ محتاج ضمیر نہیں ـــــ ایسا مددگار کہ کسی وسیلہ کا محتاج نہیں ـــــ ایسا سلطان کہ کسی وزیر کا ضرورت مند نہیں ـــــ ایسا سمیع جو کسی آلہ کا پابند نہیں ـــــ جس کی تعریف سے الفاظ کوتاہ ـــــ جس کے ادراک سے طائر عقل و فکر حیران۔

اے اللہ تجھے پیشوائے انبیائے عظام ـــــ مقتدائے آئمہ کرام ـــــ نبی خاص و عام ـــــ سید البشر ـــــ شفیع روز محشر ـــــ عنوان عہد نامہ وفا ـــــ میزبان مہمان خانہ صدق و صفا ـــــ شمع تمام اصفیاء مصور گلشن طریقت ـــــ عقدہ کشائے گلستان حقیقت ـــــ ثمرہ شجرہ خلت ـــــ نور انور دولت مبلغ ملت ـــــ بلبل چمنستان رسالت ـــــ عندلیب بوستان شجاعت ـــــ دردریائے سخاوت ـــــ ناخدائے کشتی اوت ـــــ ماہ خطہ وفا ـــــ گوہر دردرج بطحا ـــــ اختر برج طہٰ ـــــ علت غائی ارض و سما ـــــ محمد مصطفیٰ ـــــ وہ شہنشاہ کہ۔

لعمرک کا حرف لام جس کے تاج شاہانہ کی رونق ہے۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا کا حرف ف جس کی فتح کی ضمانت ہے۔

انا ارسلناک کا حرف الف جس کے علم کا بانس ہے۔

طہٰ کا حرف ط جس کی حکومت کا منشور طہارت ہے۔

خلقہ کا حرف خ جس کی تخلیق پاکیزہ کا شاہد ہے۔
یٰسین کا حرف ی جس کی شمیم عنبر نسیم کی تمہید ہے۔
سبحان الذی اسری کا حرف س جس کے ایک سفر کی مختصر داستان ہے۔
فاوحی الی عبدہ ما اوحی کا حرف ح جس کے محرم راز ہونے کا اشارہ ہے۔
جس کی نگاہوں میں دنیا و آخرت، ملک و ملکوت غیب و شہادت اور تمام ممکنات محفوظ ہیں ـــــ اٹھارہ ہزار عالم کی ہر مخلوق جس کی خدمت کو اپنے لیے طرہ امتیاز سمجھتی ہے کا واسطہ۔
اے اللہ تجھے اپنے نبی مصطفےٰ کے خلیفہ اور اس کے گیارہ برحق اولیاء کا واسطہ وہ آئمہ جو روح غیب الغیب کا قالب ـــــ نقطہ دائرہ مطالب حامیان دین مبین ـــــ راہروان جادہ یقین ـــــ بے عیب و معصومین ـــــ انگشتر تخلیق کے یاقوت ـــــ شہبازان آشیانہ وحدت ـــــ سفیران ملکوت ـــــ وزرائے مملکت جبروت۔
میری اس سعی قلیل کو قبول فرما۔

شب عاشور

اس ذیل میں ہم وہ واقعات بیان کرنے چلے ہیں جن کا تعلق بعد از شہادت نواسہ رسول اور بعد از تاراجی خیام سے ہے۔ ان واقعات میں سے کچھ ایسے واقعات جو خطہ کربلا سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض واقعات بیرون کربلا سے ہیں خطہ کربلا کے واقعات میں سے شہادت جگر پارہ علی و بتول کے بعد خون کی بارش ہوئی اور ایسی بارش ہوئی جس کے نشانات کپڑوں، درختوں کے پتوں اور دیواروں پر مدت مدید تک رہے۔ یہ واقعہ ہے جسے شیخ مفید نے غیاث ابن ابراہیم کے ذریعہ امام صادق سے روایت کیا ہے امام صادق نے اپنے والد گرامی قدر کی وساطت سے امام سجاد سے نقل کیا ہے کہ۔

جناب ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ۔

یوم عاشور کی عصر کو میری طبیعت کسی غیر شعوری غم سے مغموم ہوئی چنانچہ میں اسی عالم پریشانی میں سو گئی۔ جب سے آنحضورؐ نے دار فانی سے کوچ فرمایا تھا اس دن سے کبھی مجھے عالم خواب میں نہیں ملے تھے۔ مگر اس دن جونہی میری آنکھ لگی عالم خواب میں میں نے آنحضورؐ کو دیکھا ـــــــ آپ کے بال پریشان

تھے۔ سر میں خاک تھی۔ گریبان چاک تھا۔ آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

میں نے آگے بڑھ کے عرض کیا۔ اللہ آپ کو نہ رلائے آپ کیوں رو رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا:۔

ام سلمہ! کیا تو میری وہ دی ہوئی مٹی بھول گئی ہے؟ میں نے تجھے بتایا تھا کہ میرے علیؑ زہراؑ اور حسنؑ کے بعد اس مٹی کا خیال رکھنا جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا میرا حسین شہید ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی میری ظالم امت نے میرے پارہ جگر کو بڑے ظلم سے شہید کر دیا ہے۔ میرے سر میں خاک کربلا ہے میں وہیں سے آرہا ہوں۔

یہ سنکر میں گھبرا گئی اسی عالم پریشانی میں اٹھی۔ دوڑ کر اندر گئی۔ شیشی اٹھائی دیکھا تو شیشی سے جیسے خون ابل رہا ہو۔

اس کے بعد جناب ام المومنین ام سلمہ نے شیشی سے خون لیا اپنے چہرہ اور سر کو خضاب کیا۔ وامحمداہ۔ واحسیناہ کے بین کرتی ہوئی باہر آئیں۔ صف ماتم بچھائی۔ جیسے جیسے ہاشمی مستورات سنتی گئیں جمع ہوتی گئیں۔ پھر غیر ہاشمی مستورات نے بھی آنا شروع کر دیا۔ ہر ایک کو بی بی وہ شیشی دکھا دکھا کر بتاتی رہیں کہ راکب دوش نبی شہید ہو گیا ہے۔ کئی مستورات نے گریبان چاک کر ڈالے سروں میں خاک ڈالی۔ ماتم کرتی ہوئی مزار رسول پر آئیں۔

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم روضہ رسول پر گئے اور جا کر بوسہ دیا تو دیکھا روضہ رسول لرز رہا تھا ہم میں سے کوئی بھی مستور اپنے قدموں پر سنبھل نہ سکتی تھی۔

منتخب طریحی میں یہی واقعہ ذرا مفصل ہے مناسب ہوگا اگر اسے بھی ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔ اگرچہ کچھ نہ کچھ تکرار تو ہوگا۔ لیکن اس واقعہ میں کچھ نئے نکات بھی ہیں۔

جناب ام سلمہ سے منقول ہے کہ ایک دن نبی اکرم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ اپنی چشم تصور سے آج بھی دیکھ رہی ہوں کہ آپ نے اپنا دایاں پاؤں بائیں ٹانگ پر رکھا ہوا ہے۔ کہ اتنے میں حسین آگیا جو اس وقت تین برس اور کئی ماہ کا تھا۔ جب آپ نے شہزادہ کو دیکھا تو فرمایا:-

مرحبا بقرۃ عینی۔ میری آنکھوں کا نور خوش آمدی

مرحبا بثمرۃ فؤادی۔ میرا پارہ دل مرحبا

شہزادہ آیا آنحضور کے سینہ پر بیٹھ گیا کافی وقت گذر گیا۔ میں گھبرا گئی کہ کہیں آپ تھک نہ گئے ہوں۔

میں نے چاہا کہ شہزادے کو اٹھالوں۔

آنحضورؐ نے جب میرا ارادہ بھانپا تو مجھے فرمایا رہنے دے ام سلمہ میرا حسینؑ جب چاہے گا خود اتر جائے گا۔

ام سلمہ تجھے معلوم ہونا چاہیے۔ اگر کسی نے میرے حسین کے ایک بال کو تکلیف دی وہ یہ سمجھے کہ اس نے میرے پورے وجود کو بتلائے تکلیف ہی کیا ہے۔

چنانچہ میں باہر چلی آئی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر گذری تھی کہ میں نے ان کے گریہ کی آواز سنی۔ میں دوڑ کر اندر گئی اور حیران تھی کہ بڑی مسرت

سے آپ شہزادے کو پیار کر رہے تھے اور کیا ہوا ہے کہ آپ گریہ فرمانے لگے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اللہ آپ کی آنکھ میں آنسو نہ دکھائے خیریت تو ہے؟

میں نے قریب جا کر دیکھا تو آپ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی اسے دیکھ دیکھ کر آپ بے ساختہ روئے جا رہے تھے۔ مجھے فرمایا۔ ام سلمہ کیا تو یہ دیکھ نہیں رہی کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ آقا! یہ کیا ہے اور اس کو دیکھ کر رونے کا کیا سبب ہے؟۔

آپ نے فرمایا۔

یہ خاک کربلا ہے جو ابھی جبریل مجھے دے گیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ میرا حسین اسی کربلا میں شہید ہوگا اور یہ مٹی مقتل و مدفن حسینؑ کی ہے۔

ام سلمہ یہ خاک اپنے پاس محفوظ رکھے جب یہ مٹی خون ہو جائے سمجھ لینا میرا حسین شہید ہو گیا ہے۔

البتہ یہ اس وقت ہوگا جب میں بھی نہ رہوں گا۔ اس کی ماں بھی نہ ہوگی، اسکا بابا علیؑ اور بھائی حسنؑ بھی نہیں ہوگا۔

میں نے وہ مٹی لے لی اسے دیکھا پھر سونگھا مشک کی طرح خوشبو مہک رہی تھی۔ میں نے ایک شیشی میں رکھ لی زمانہ گزر گیا۔ جب فرزند رسول نے مدینہ سے تیاری کی اور میں نے پوچھا۔

بیٹے کہاں جاؤ گے۔

نواسہ رسول نے بتایا۔

میں عراق جاؤں گا۔

عراق کا نام سنکر میں لرز گئی۔ مجھے وہ خاک یاد آ گئی جو آنحضورؐ نے دی تھی۔

چنانچہ میں روزانہ اس مٹی کو دیکھنے لگی۔ ایک دن میں نے جب شیشی کو دیکھا تو اس میں خون تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں یہ دیکھ کر رونے لگی۔ اس دن نہ تو میں نے کھانا کھایا اور نہ ہی میری آنکھ لگی۔ جب رات کا کافی حصہ گزر گیا تو مجھے اونگھ آئی۔ میں نے عالم خواب میں آنحضورؐ کو دیکھا۔

آپ کا گریبان چاک تھا۔ آنسو ٹپ ٹپ کر گر رہے تھے۔ بال پریشان تھے اور سر میں خاک پڑی تھی۔ آستیں چڑھی ہوئی تھیں۔

میں آپ کے چہرہ مبارک سے خاک جھاڑنے لگی۔ اور آپ کے آنسو صاف کرنے لگی۔

اور عرض کیا۔

میری جان قربان ہو۔ آقا!

کیا بات ہے خیریت تو ہے یہ مٹی کہاں سے آئی ہے۔ آپ اس قدر بے ساختہ رو کیوں رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

ام سلمہ تو نے مٹی دیکھ لی ہے۔ جو خون بن گئی ہے۔ میں نے تجھے بتایا تھا جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی سمجھ لینا میرا حسینؑ اس دن شہید ہو گیا ہے میری

امت نے میرے حسینؑ کو تین دن کا بھوکا اور پیاسہ میدان کربلا میں شہید کر دیا ہے۔ اس وقت میں کربلا سے آرہا ہوں اپنے حسینؑ اور اس کے احباب اور اقرباء کی قبریں بنا تا رہا ہوں۔

بی بی فرماتی ہے میں اس وقت گھبرا گئی۔ میرا دل میرے قابو میں نہ تھا۔ بے ساختہ میری زبان سے واحسیناہ۔ وامحمداہ کی فریادیں نکل گئیں۔ جوں جوں مدینہ کی عورتیں میرا نوحہ سنتی گئیں۔ میرے گھر میں جمع ہوتی گئیں۔

ہر ہاشمیہ اور غیر ہاشمیہ مجھ سے پوچھنے لگی۔

ام سلمہ کیا بات ہے

جب میں نے انہیں اپنا خواب بتایا تو تمام مستورات میرے ساتھ مل کر نوحہ و بکا کرنے لگیں۔

ہم تمام مل کر روضہ رسول پر گئیں۔ تمام مستورات مدینہ گواہ ہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا روضہ رسول لرز رہا تھا۔ ہم میں سے کوئی مستور اپنے پاؤں پر سنبھل کر کھڑی نہ ہو سکتی تھی۔

عصر عاشور کے ان واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیت المقدس مدینہ منورہ اور اطراف کوفہ میں زمین سے خون ابل دیکھا گیا۔ جو پتھر بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلتا تھا۔

علامہ بہائیؒ نے کشکول میں لکھا ہے کہ مسجد کوفہ میں عقیق نما ایک نگینہ ملا جس پر یہ دو شعر لکھے ہوئے تھے۔

انا در من السماء ثم وني	میں آسمان کا موتی ہوں مجھے
یوم تزویج والد السبطین	والد حسین کی شادی کے دن
کنت اصفیٰ من اللجین	نثار کیا گیا تھا۔ میں چاندی
صبغتنی دماء نحر الحسین	سے زیادہ چمک دار تھا لیکن
	قتل شبیر کے خون نے میرا
	رنگ بدل ڈالا ہے

علامہ جزائری نے زہر الربیع میں لکھا ہے کہ نہر تستر کھودتے ہوئے مزدوروں کو ایک چھوٹا سا پتھر ملا ہے۔ جس پر خونی رنگ میں لکھا ہوا تھا۔

جس دن سے نواسہ رسول شہید ہوا ہے۔ اس کا خون پتھروں تک پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔

شب شام غریباں کے واقعات میں سے ایک واقعہ وہ بھی ہے کہ جو طرماح ابن عدی نے بیان کیا ہے کہ

میں شہدائے کربلا میں زخموں سے چور پڑا تھا۔ یہ ایسا ہولناک منظر تھا کہ کوئی صحت مند بھی اس منظر کو دیکھ کر سو نہیں سکتا تھا۔ میں تو زخمی تھا۔ اس عالم میں میں نے بیس سوار دیکھے جو سب کے سب انتہائی غمزدہ حالت میں تھے۔ میں یہی سمجھا کہ شاید ابن زیاد ہے جو فرزند رسول کے پامال سم اسپاں جسم کو مزید پامال کرنے کے لیے پھر آگیا ہے۔

جب یہ لوگ مظلوم کربلا کے لاشہ کے قریب آئے تو آکر بیٹھ گئے۔ زخموں سے چور لاشہ کو سہارا دے کر بٹھایا۔ ان میں سے ایک محترم شخص نے سوئے کوفہ ہاتھ دراز کیا میں نے دیکھا تو اس کے ہاتھ پر سر مظلوم نہرا آگیا۔ اس نے سر کو جسم سے

ملایا۔ میں نے دیکھا یسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے میرا مظلوم امام نہ تو زخمی ہے اور نہ ذبح شدہ۔

پھر اسی شخص نے فرمایا۔

یا ولدی قتلوک	بیٹے ان لوگوں نے تجھے اس ظلم سے شہید کیا ہے۔
اتراہم ما عرفوک	بیٹے کیا ان لوگوں نے تجھے پہچانا نہیں تھا؟
ومن شرب الماء منعوک	بیٹے ان لوگوں نے تجھے پانی تک نہ پینے دیا؟
ما استد جراتہم علی اللہ	بیٹے یہ لوگ اللہ کے سامنے کتنے بے باک ہیں۔

پھر اپنے ساتھ والوں سے متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

یا ابی آدم۔ یا ابی اسماعیل۔ یا اخی موسیٰ۔ یا اخی عیسیٰ۔ اما تردن ما صنعوا بولدی۔ لا انا لھما اللہ شفاعتی۔

بابا آدم۔ اے بابا اسماعیل۔ اے بھائی موسیٰ۔ اے بھائی عیسیٰ آپ تو دیکھ رہے ہے کہ میرے بیٹے سے ان لوگوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ اللہ انہیں میری شفاعت سے محروم رکھے۔

ان سب نے آمین کہا۔

اور تمام گریہ وزاری کرنے لگے اپنے سر میں خاک کربلا ڈالنے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا تمام روتے روتے غش کر گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ غائب ہو گئے اور

جسم مظلوم بلاسر ویسے ہو گیا جیسے پہلے تھا۔ فرزندان امیر مسلم

شب شام غریباں کے واقعات سے جناب مسلم کے دو بچوں کا ابن زیاد کی قید میں آنا بھی ہے۔

بحار۔ روضۃ الشہدا۔ امالی۔ اور منتخب میں اس واقعہ میں قدرے اختلاف ہے۔ جس چیز میں اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔

بعض مورخین کے نزدیک یہ دو نوں شہزادے یوم عاشور اس وقت خیام سے سوئے صحرا نکلے جب خیام میں غارت گری ہوئی اور خیام اہل بیت کو نذر آتش کیا گیا۔

صاحب روضۃ الشہدا نے صراحت سے لکھا ہے کہ دو نوں شہزادے جناب مسلم کے ساتھ آئے تھے دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ۔ دونوں شہزادے جناب مسلم کے فرزند تھے یا جناب جعفر طیار کی اولاد سے تھے۔

اس میں تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ دونوں شہزادے خواہ جناب جعفر کی اولاد سے تھے یا جناب مسلم کی اولاد سے تھے حضرت علیؑ کے نواسے تھے اگر جناب جعفر کی اولاد سے تھے تو پھر جناب زینب کبری کے فرزند تھے۔ اور اگر جناب مسلم کے فرزند تھے تو جناب رقیہ کی زینت آغوش تھے۔

اس میں تمام مورخین متفق ہیں کہ دونوں کا سن سات اور نو برس کا تھا۔

اس میں بھی مورخین کا اتفاق ہے کہ دونوں کے نام ابراہیم اور محمد تھے

اس میں بھی اتفاق مورخین ہے کہ دونوں ابن زیاد کی قید میں ایک برس رہے۔

اس پر بھی مورخین متفق ہیں کہ داروغہ زندان کا نام مشکور تھا۔

اس میں بھی اتفاق مورخین ہے کہ دونوں کا قاتل حارث تھا۔
اور اس نکتہ پر بھی اتفاق ہے کہ حارث کا انجام انعام کی بجائے قتل تھا۔

البتہ حارث کے قاتل اور اس کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے ابن زیاد کا غلام بتایا ہے۔ جس کا نام نادر تھا۔ اور بعض نے ابن زیاد کا دوست بتایا ہے جو شام کا رہنے والا تھا۔ محب اہل بیت تھا۔ اس کا نام مقاتل تھا اور ابن زیاد کو اس کے محب اہل بیت ہونے کا علم تھا لیکن دوستی کی وجہ سے ابن زیاد نے اسے برداشت کیا ہوا تھا۔

ان اختلافی اور متفق نکات کے بعد ہم پورا واقعہ تمام کتب تاریخ سے تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ ہمارے قارئین خود فرمائیں گے۔

جب ان دونوں شہزادوں کو ابن زیاد کے سامنے پیش کر کے بتایا گیا کہ یہ دونوں آل محمدؐ سے ہیں تو اس نے داروغہ زندان مشکور کو بلا کر دونوں شہزادے اس کے سپرد کیے اور اسے ہدایت دی۔

من طیب الطعام فلا تطعمھا	انہیں کبھی اچھا کھانا نہ دینا
ومن الماء البارد فلا تسقھما	کبھی ٹھنڈا پانی نہ دینا
وضیق علیھما سجنھما۔	جتنا ہو سکے زندان میں سختی سے پیش آنا۔

مشکور دونوں شہزادوں کو لے کر چلا گیا اور انہیں علیحدہ علیحدہ زندان میں بند کر دیا۔ دونوں شہزادے دن روزہ سے گزارتے تھے۔ رات کے وقت جو کی

ایک ایک خشک روٹی اور ایک ایک پیالہ گرم پانی کا ملتا تھا۔ اسی حالت میں ایک برس گذر گیا۔ ایک دن محمد نے داروغہ سے کہا۔ اگر آپ مہربانی کر سکیں تو میں ایک درخواست کرتا ہوں۔

داروغہ بڑے ترش لہجہ میں کہا۔

بتاؤ کیا بات ہے؟

شہزادے نے کہا۔

ہم ابن زیاد کے قیدی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے ہمارا یہاں کوئی نہیں، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم بے گناہ ہیں۔ آپ جتنی چاہیں مجھ پر سختی کر لیں۔ میرے حصہ کی روٹی اور پانی آپ خود رکھ لیں۔ مجھے صرف اپنے کم سن بھائی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے بیٹھنے دیں۔ اگر آپ کو فکر ہو کہ ہم آپ کے خلاف یا ابن زیاد کے خلاف کوئی بات کریں گے تو آپ ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں جتنی دیر آپ چاہیں گے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہیں گے۔ اگر آپ کہیں گے تو ہم ایک دوسرے سے کوئی بات بھی نہیں کریں گے، ہمیں صرف ایک دوسرے کو دیکھ لینے دیں۔ ہمیں تو ایک دوسرے کی شکلیں بھی بھول گئی ہیں۔

شہزادے کی یہ باتیں سنکر مشکور نرم پڑ گیا۔

مشکور نے پوچھا۔ تم کون ہو؟

اور تمہارا جرم کیا ہے؟

شہزادے نے کہا۔ خدا کے لیے ایسا کر ایک مرتبہ مجھے میرا بھائی دکھا دے پھر میں سب کچھ بتا دوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھائی کو دیکھنے سے پہلے تجھے بتاؤں اور پھر تو مجھے بھائی کے دیکھنے کی مہلت بھی نہ دے۔

مشکور نے دوسرے زندان کا دروازہ کھولا۔ کمسن ابراہیم دوڑ کر بھائی کے گلے مل گیا۔ دونوں بھائی کافی دیر تک ایک دوسرے کے گلے مل کر روتے رہے آخر مشکور نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ کمسن ابراہیم نے بڑے بھائی محمد سے کہا۔

بھیا قید رہی ہے جو گزار رہے ہیں۔ بھوک اور پیاس سے اب یہ حالت ہے کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ موت کا ایک دن مقرر ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ جسمانی تشدد کرے گا۔ وہ بھی برداشت کر لیں گے۔ اسے یہ بتا تو دیں کہ ہم کون ہیں۔ تاکہ کل بروز محشر جب ہمارے نانا کے سامنے پیش ہو تو کوئی عذر تو نہ کر سکے

مشکور دونوں کی یہ بات خاموشی سے سن رہا تھا۔

محمد نے کہا۔ کیا آپ خاتم الانبیاء محمدؐ کو پہچانتے ہیں؟

مشکور نے کہا۔ انہیں میں کیسے نہ پہچانوں گا وہ میرے نبی ہیں میں انہی کا کلمہ پڑھ کر مسلمان کہلاتا ہوں۔

محمد نے کہا۔ کیا آپ داماد مصطفیٰؐ علیؑ مرتضیٰ کو بھی پہچانتے ہیں۔

مشکور نے کہا۔ علیؑ تو میرے آقا و مولا ہیں۔

اب چھوٹے ابراہیم نے کہا۔

کیا آپ سفیر حسینؑ مسلم کو بھی پہچانتے ہیں؟

مشکور کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور کہنے لگا۔

میرے بچو کچھ بتاؤ بھی سہی آپ ان کے نام کیوں لے رہے ہیں میں مسلم کو کیسے نہیں پہچانتا ابھی تک میں تنہائی میں بیٹھ کر مسلم کی مظلومانہ شہادت

پر آنسو بہاتا ہوں۔

کمسن ابراہیم نے کہا۔ بندہ خدا کاش تجھے معلوم ہوتا کہ جس مسلم کی مظلومیت پر تو روتا ہے ہم اسی مسلم کے بیٹے ہیں اور ایک سال سے تیری قید میں ہیں۔ اگر ہم سے نہیں تو کسی اور سے ہی پوچھ لیتا کہ ہم کون ہیں اور کیوں قید ہیں۔

جونہی مشکور نے سنا۔ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ دونوں شہزادوں کے پاؤں پکڑ لیے۔ زمین پر لیٹ گیا۔

دونوں کے پاؤں چومنے لگا۔ اپنے رخسارے دونوں کے قدموں پر ملنے لگا اور کہنے لگا۔

میرے آقازادے! اپنے بابا کی مظلومیت کے صدقے مجھے معاف کر دو مجھ بدنصیب کو معلوم نہ تھا کہ میں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لیے جہنم کی آگ میں دہکا رہا ہوں۔

آؤ یہ درِ زندان کھلا ہے۔ کھانا کھاؤ میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو قادسیہ کا راستہ دکھا دوں۔ یہ میری انگوٹھی ہے تو قادسیہ میں میرا بھائی رہتا ہے یہ اسے دے دینا قادسیہ سے آگے وہ تمہیں مدینہ تک پہنچانے کا انتظام بھی کر دے گا۔

دونوں شہزادے رات کی تاریکی میں چلنے لگے۔ نہ کوئی راستہ تھا نہ شہزادے راستہ سے واقف تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد راستہ سے بھٹک گئے۔ جب چلتے چلتے تھک گئے اور رات بھی ختم ہو گئی صبح کے اجالا میں دیکھا معلوم ہوا کہ ہم تو کوفہ ہی کے ارد گرد بھٹکتے رہے ہیں۔ قریب ہی ایک پانی کا گڑھا تھا اس کے اردگرد کھجوروں کا جھنڈ تھا۔ اپنے کو چھپانے کی خاطر ایک درخت پر چڑھ گئے۔ صبح سے لیکر

عصر تک اسی جگہ بیٹھے رہے پیادہ اور سوار ادھر ادھر دوڑتے اور پھرتے ہوئے دیکھتے رہے۔

عصر کے وقت قریبی مکان سے ایک عورت اس گڑھے سے پانی بھرنے آئی۔ اتفاقاً عورت نے پانی میں شہزادوں کے عکس دیکھ لیے جب نظر اوپر اٹھا کر دیکھا تو دو چاند ڈرے اور سہمے ہوئے کانپتے نظر آئے۔

عورت نے کہا۔ بچو تم کون ہو؟

اور یہاں کیوں بیٹھے ہو؟

محمد نے کہا۔ ہم مسافر ہیں۔ یتیم ہیں۔ راستہ بھٹک گئے ہیں کوئی واقف نہ تھا ڈر کے مارے یہاں چھپ گئے ہیں۔

عورت نے کہا۔

تمہاری شکل و صورت تو ایسے لگتی ہے جیسے تم ہاشمی ہو۔ کہیں مسلم کے فرزند تو نہیں ہو؟

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔

اگر تو پہچان ہی گئی ہے تو ہم بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلم کے بیٹے ہیں۔

عورت نے کہا۔

میرے آقازادے آؤ درخت سے اتر آؤ۔ میری مالکہ محبِ اہل بیت ہے آؤ میں تمہیں اس کے پاس لے جاتی ہوں۔ وہ تمہارا احترام بھی کرے گی اور ممکن ہے کوئی صورت پیدا کر کے تمہیں مدینہ پہنچانے کا انتظام بھی کر لے۔

دونوں ڈرتے ڈرتے درخت سے اترے۔ اس عورت کے ساتھ آئے۔ جونہی اس عورت کی نظر شہزادوں پہ پڑی۔ قدموں میں گر گئی۔ قدم چومے، ہاتھ چومے۔ اندر

لے گئی۔ اور کہنے لگی۔

میرے آقازادے۔

میرا شوہر بڑا خبیث ہے اور دشمن اہل بیت ہے۔ میں کوشش تو کروں گی کہ تم اس کی نظروں میں نہ آؤ۔ لیکن اگر میں کامیاب نہ ہو سکی تو اپنے نانا اور بابا کو میرا شکوہ نہ کرنا۔

رات ہو گئی۔ اتنا وقت نہ مل سکا کہ یہ خوش نصیب عورت بچوں کو نہلاتی انہی میلے کپڑوں اور خاک آلود جسموں کے ساتھ شہزادے بہت کم کھانا کھا کر سو گئے رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ حارث گھر آیا۔ بیوی نے پوچھا سارا دن کہاں گزارا ہے۔

اس ظالم نے کہا۔

رات داروغہ زندان نے مسلم کے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے ابن زیاد نے دونوں کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا ہے۔ انہیں تلاش کرتے کرتے گھوڑا بھی مر گیا اور میرا بھی برا حال ہو گیا ہے۔ اگر وہ مل جاتے تو کم از کم دو ہزار تو مل جاتے۔

عورت نے کہا۔

ظالم تجھے شرم کیوں نہیں آتی۔ آخر آل محمد نے تیرا بگاڑا کیا ہے۔ جن سے تمہیں خطرہ تھا انہیں تو تم نے بے دردی سے قتل کر ڈالا ہے۔ اب بھلا یہ کمسن بچے تمہارا کیا بگاڑ لیں گے۔ ان سے تمہیں کونسا خطرہ ہے۔ آخر تجھے مرنا ہے قیامت کے دن نبی مصطفیٰ اگر پوچھ لیں کہ میری آل سے کیا سلوک کیا تھا تو ... کیا جواب دو گے۔ کچھ ترس کر۔ دنیا کے عوض کیوں دین فروخت کر رہا ہے۔ اگر تجھے یہ دو ہزار

مل بھی جائیں تو تو کب تک کھائے گا۔

اس ظالم نے کہا۔ کچھ نصیحتیں صبح تک کے لیے بچا رکھ۔ اب تنگ نہ کر مجھے کھانا دے میں سونا چاہتا ہوں۔ بہت زیادہ تھکا ہوا ہوں۔ صبح پھر ان کی تلاش میں جانا ہے۔

یہ خوش بخت اٹھی کھانا لائی۔ اس نے زہر مار کیا اور سو گیا۔ ابھی نیند نہیں آئی تھی کہ کمرہ کے اندر سے بولنے کی آواز آئی۔ اس نے کان لگائے اٹھ کر بیٹھ گیا ہوا یوں کہ دونوں شہزادے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر سو گئے نصف شب گذرنے کے بعد بڑے شہزادے کی آنکھ کھل گئی اس نے چھوٹے بھائی کو جگایا اور کہنے لگا بھیا میرا خیال ہے کہ ہماری زندگی کی یہ آخری رات ہے آتو مجھے گلے لگائے میں تجھے گلے لگا لوں پھر قیامت کو ملاقات ہوگی۔ چھوٹے نے پوچھا بھیا کیا بات ہے۔ محمد نے بتایا کہ ابھی ابھی خواب میں میں نے اپنے جد امجد سرور انبیاء اور نانا علیؑ مرتضیٰ کو دیکھا ہے ان کے ساتھ ہمارا بابا مسلم بھی تھا سرور انبیاء نے بابا سے شکوہ کیا کہ خود تو آ گئے مگر ان بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے بابا نے عرض کیا۔ قبلہ صبح صبح یہ دونوں آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے

چھوٹے ابراہیم نے کہا۔ بھیا یہی خواب تو میں نے بھی دیکھا ہے ان دونوں کی یہی گفتگو اس ظالم نے سنی۔

عورت سے پوچھا کمرے کے اندر کون ہے؟

عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اس نے غلام اور کنیز سے پوچھا انہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ یہ اٹھا کمرہ کے دروازہ پر آیا۔ دیکھا تو تالا پڑا ہوا تھا۔ اس نے بیوی سے چابی مانگی اس مخدرہ

نے چابی نہ دی۔

اس ظالم نے تالا توڑا۔ اندر اندھیرے میں ہاتھ مارتا ہوا آگے بڑھا اچانک اس کا ایک ہاتھ ایک شہزادے کے سر پر آلگا شہزادے نے سہم کر پوچھا کون ہے؟

اس نے کہا میں تو گھر کا مالک ہوں۔

تم بتاؤ کون ہو؟

شہزادے نے کہا۔ ہم یتیم اور مسافر ہیں۔

حارث نے کہا۔ میں پوچھ رہا ہوں تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔

شہزادے نے کہا۔ اگر ہم سچ سچ بتادیں تو کیا ہمیں امان ہے؟

حارث نے کہا۔ ہاں بتاؤ امان ہے؟

شہزادے نے کہا۔ اللہ اور اس کا رسول ضامن ہیں؟

حارث نے کہا۔ اللہ اور رسول ضامن ہیں۔

شہزادے نے کہا۔ کیا اللہ اور رسول ہمارے اس معاہدہ کے گواہ ہیں؟

حارث نے کہا۔ اللہ اور رسول اس معاہدہ کے گواہ ہیں۔

شہزادے نے کہا۔

ہم مسلم کے فرزند ہیں۔

اس ظالم نے کہا۔

موت سے بھاگ کے موت کے منہ میں آگئے، ہو پھر حارث نے بڑے شہزادے کو اس زور سے طمانچہ مارا کہ شہزادہ منہ کے بل زمین پہ گر گیا دو دانت ٹوٹ گئے رخسار اور منہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔

پھر اس ظالم نے دوسرا طمانچہ چھوٹے کو مارا۔ دونوں شہزادے زمین پر تڑپنے لگے

اس ظالم نے دونوں کے خاک آلودہ بالوں میں ہاتھ ڈالا دونوں کو جھٹکے سے کھڑا کیا رسی تلاش کی۔ دونوں کے ہاتھ پشت پیچھے باندھے زمین پر اوندھا لٹا کر رسی کے ایک سرے سے پاؤں بھی باندھ دیئے پھر دونوں کے خاک آلودہ بالوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر چھوڑ دیا پوری رات دونوں شہزادے کمسن اسی حالت میں زمین پر پڑے رہے۔

حارث کی بیوی اس کے قدموں سے لپٹ لپٹ کر اور پاؤں چوم چوم کر منتیں کرتی رہی لیکن اس ظالم نے ایک نہ سنی۔ اور بستر پر دراز ہو کر بڑے مزے سے ساری رات سوتا رہا۔

صبح کو اٹھا دونوں شہزادوں کو اسی حالت میں رسن بستہ دریا پر لایا۔ بیوی نے روکنے کی کوشش کی اسے تلوار کی ایک ضرب سے زخمی کر کے ایک طرف گرا دیا غلام اس کے قریب آیا اور اس نے کہا۔

میرے مالک ہر ظلم کی ایک حد ہوتی ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے ان بچوں کا قصور کیا ہے کہ ان کی وجہ سے تو نے اپنا گھر اجاڑ دیا ہے۔ بھلا یہ کمسن بھی اس قابل ہیں کہ انہیں قتل کرے

اس ظالم نے غلام کو قتل کر دیا۔ اتنے میں اس کا نوجوان بیٹا اس کے سامنے آیا اور اس نے کہا۔

کہیں آپ کا دماغ تو نہیں چل سکا۔ صرف دو ہزار کے لالچ میں تو نے اس غلام کو قتل کر دیا جسے میں اپنے بھائی جیسا سمجھتا تھا اور میری ماں کو بھی زخمی کر دیا ہے۔ میں ان بچوں کو قتل نہیں ہونے دوں گا۔ انہیں چھوڑ دے دونوں بچے رحم طلب نگاہوں سے اس جوان کی طرف دیکھنے لگے۔ اپنی زخمی میزبان اور ایک

ترس کھانے والے غلام کی حالت پہلے دیکھ چکے تھے۔

اس جوان سے کہنے لگے۔

اے بندہ خدا! اللہ تیرا بھلا کرے، اپنی جوانی پر ترس کھا، ہماری سفارش نہ کر۔ ہمارا اپنا مقدر۔ ہماری وجہ سے تیری شریف ماں بھی زخمی ہو چکی ہے اور یہ غلام بھی شہید ہو گیا ہے۔

تو درمیان سے ہٹ جا ہمارے تو مقدر میں اس دنیا کی سختیاں ہیں، ہم جھیل لیں گے۔

جب دونوں شہزادوں نے حارث کے بیٹے سے یہ بات کہی تو اس کی ہمدردی اور بڑھی اور اس نے رسی پہ ہاتھ رکھ کے کہا اب انہیں چھوڑ دے۔ اس نے ہاتھ کو مضبوط کر لیا۔

اب بیٹا رسی کو اپنی طرف کھینچنے لگا اور باپ اپنی طرف چونکہ اسی دونوں شہزادوں کے گلے میں بھی تھی اس لیے اس مقابلہ میں رسی کی گرہ تنگ ہو گئی۔ کمسن ابراہیم کا گلا گھٹنے لگا۔

محمد نے جب اپنے بھائی کو دیکھا تو اس نے حارث کے بیٹے سے رو کے یہ کہا۔

اللہ کے نام پر آپ رسی کو چھوڑ دیں ادھر ذرا میرے بھائی کا گلا تو دیکھیں جونہی اس جوان نے دیکھا فوراً رسی چھوڑ دی اور باپ کے ہاتھ سے تلوار لینے کی خاطر جھپٹا۔

جب حارث نے دیکھا کہ تلوار چھیننا چاہتا ہے اس نے بڑھ کر بیٹے پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ یہ بیچارہ زمین پر تڑپنے لگا۔

جب دونوں شہزادوں نے اپنے تین مددگاروں کی یہ حالت دیکھی تو زندگی سے مایوس ہو گئے۔

دریا پر تو لا ہی چکا تھا۔ اب اس ظالم نے دونوں کا کام جلد از جلد ختم کرنا چاہا۔

محمد نے پوچھا۔ کیا تو ہمیں بات کرنے کی اجازت دے گا؟

حارث نے کہا۔ بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔

محمد نے کہا۔ ایسا کر اگر تجھے دو ہزار ہی لینا ہے تو پھر ہمیں بازار میں لے جا ہمیں اپنا غلام بنا کے فروخت کر دے۔ تجھے دو ہزار سے زیادہ مل جائیں گے

حارث نے کہا۔ جو مزہ ان پیسوں میں ہوگا جو تمہارے قتل سے ملیں گے وہ فروخت کے عوض آئے ہوئے پیسوں میں کب ہوگا۔

محمد نے کہا۔ پھر ایسا کر ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جاوہ تجھے تیرا انعام دے دے گا۔

حارث نے کہا میں تمہارے سر لے کے جانا چاہتا ہوں۔

محمد نے کہا۔ اچھا ایسا کر ہم آج صبح کی نماز نہیں پڑھ سکے ہمیں دو رکعت نماز پڑھ لینے دے۔

حارث نے کہا۔ اگر نماز تمہیں فائدہ دیتی ہے تو پڑھ لو۔

اس جگہ تاریخ خاموش ہے کہ شہزادوں نے وضو سے نماز پڑھی ہے یا تیمم کیا یا ویسے پڑھی ہے۔

اور تاریخ میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ بوقت نماز شہزادوں کے ہاتھ کھلے تھے یا پابند رسن تھے۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے ایک ہی دعا مانگی

یا احکم الحاکمین — اے احکم الحاکمین اللہ ہمارے
احکم بینہ وبیننا — اور اس کے مابین بالحق فیصلہ
بالحق۔ — فرماتا۔

جب دعا ختم ہوئی تو یہ پہلے بڑے شہزادے کی طرف بڑھا چھوٹا بھیا بھیا کہہ کر بڑے کے اوپر گر گیا پھر اس نے کمسن ابراہیم کو کھینچ کر ایک طرف دھکیل دیا اور بڑے شہزادے کی گردن پر وار کیا جسم تڑپنے لگا۔ سر کو اس نے اٹھایا اور توبڑے میں رکھ دیا۔ اتنے میں چھوٹا ابراہیم بھائی کے لاشہ پر اوندھا گر گیا۔ اپنے منہ کو بھائی کے خون سے رنگا پھر سر کو رنگا۔ ابھی چوم رہا تھا کہ اس ظالم نے بالوں میں ہاتھ ڈال کر شہزادہ کو کھڑا کیا اور تلوار کا وار کر کے شہزادہ کا سر جدا کر لیا۔ دونوں بے سر جسموں کو دریا کے سپرد کیا دونوں سر توبڑے میں ڈالے اور ابن زیاد کے دربار میں آیا۔ ایک ایک کر کے دونوں سر اپنے ہاتھوں پر رکھ کے ابن زیاد کو بطور تحفہ پیش کیے

ابن زیاد نے پوچھا یہ کیا ہے؟

حارث نے کہا آپ کے دشمنوں کے سر ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ کون سے دشمنوں کے؟

حارث نے کہا۔ فرزندان مسلم کے۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں نے تو ان شہزادوں کو پہلے بھی دیکھا تھا لیکن ان کے رخسار سیاہ نہیں تھے۔

اب ان کے رخسار سیاہ کیوں ہیں؟

حارث نے کہا یہ باتیں آپ مجھ سے نہ پوچھیں اپنا وعدہ پورا کریں اور مجھے انعام دیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں نے یہ کب کہا تھا کہ۔ ان کے سروں پر انعام دوں گا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ انہیں گرفتار کر لانے والے کو انعام دوں گا۔ میں نے یزید کو ان کی اطلاع دی ہے اگر وہ مجھے لکھ دے کہ انہیں میرے پاس بھیج دے یا انہیں رہا کر دے تو بتا اب میں کیا کروں گا۔

اچھا یہ بتا کہ یہ دونوں تجھے کہاں سے ملے تھے۔

حارث نے کہا۔ میرے گھر میں مہمان تھے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تجھے عرب کی مہمان نوازی نے بھی نہیں روکا کہ مہمانوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔

حارث نے کہا۔ جب بات انعام و اکرام کی ہو تو پھر ہماری مہمان نوازی کی غیرت کیا ہوتی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ یہ بتا کہ ان بچوں نے تجھے کیا کہا تھا۔

حارث نے کہا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں بازار میں فروخت کر دے تجھے پیسے مل جائیں گے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو نے کیا کہا تھا؛

حارث نے کہا۔

میں نے انہیں کہا جو لطف تمہیں قتل کر کے انعام لینے میں آئے گا وہ بیچ کر قیمت لینے میں کب آئے گا۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ انہوں نے پھر کیا کہا تھا۔

جو حارث پر لعن طعن کر رہے تھے اس کے منہ پر تھوک رہے تھے اور اس کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

ان تمام لوگوں نے جب عورت کو زخمی دیکھا تو ان سب نے بھی عورت سے واقعہ پوچھا۔

عورت نے بچوں کی میزبانی سے لے کر آخر تک واقعہ سنایا اور بتایا کہ میں اپنے بیٹے۔ غلام اور عترت نبی کے ان دونوں کمسن مہمانوں کی غربت پہ رو رہی ہوں سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

غلام اور پسر حارث کے جنازے اٹھائے انہیں دفن کیا۔ جونہی بچوں کے سر نادر یا مقاتل نے سپرد دریا کیے دونوں سر بریدہ لاشیں پانی سے برآمد ہوئیں اور سر اپنے جسم کے ساتھ ملحق ہو گئے پھر دونوں لاشیں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر زیر آب چلی گئیں۔

حارث نے نادر یا مقاتل سے کہا۔

ایسا کر مجھے قتل نہ کر چھوڑ دے میں چھپ جاؤں گا۔ میں تجھے دس ہزار دینار دیتا ہوں۔

نادر یا مقاتل نے کہا۔ ارے ظالم تو تو دس ہزار دینار کی بات کرتا ہے اگر پورے عالم کی حکومت بھی دے دے تو میں تیرے قتل کے عوض قبول نہ کروں گا۔

چنانچہ نادر یا مقاتل نے پہلے اس سفاک کے پاؤں کاٹے۔ پھر ہاتھ کاٹے آخر میں سر کاٹ لیا۔ اس کے لاشہ کو دریا میں پھینکا دریا نے باہر ڈال دیا۔ پھر پھینکا دریا نے پھر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب تیسری مرتبہ بھی پانی نے اس کا نجس

لاشہ قبول نہ کیا تو پھر اسی جگہ کنار دریا ایک گڑھا کھودا اور اس میں اس کا لاشہ دفن کرنے کی کوشش کی لیکن زمین نے بھی اگل دیا۔ تین مرتبہ زمین میں دفن کرنے کی کوشش کی گئی لیکن زمین نے بھی پانی کی طرح ہر مرتبہ باہر پھینک دیا۔ بالآخر آگ جلائی گئی اور اس ظالم کا لاشہ آگ کے سپرد کر دیا گیا۔

یوں یہ واصل جہنم ہوا۔

داروغہ زندان مشکور کا انجام:۔

جب ابن زیاد کو پتہ چلا کہ داروغہ نے بچوں کو خود چھوڑ دیا تھا تو اس نے مشکور کو بلایا اور پوچھا۔

فرزندان مسلم کے ساتھ کیا کیا ہے؟

مشکور نے کہا۔ میں نے کل رات انہیں رہا کر دیا تھا۔

ابن زیاد نے کہا۔

تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟

مشکور نے کہا۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر۔

ابن زیاد نے کہا۔

کیا تجھے میری سزا کا خوف نہیں تھا۔

مشکور نے کہا۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ آپ جیسے سے نہیں ڈرتے ہیں۔

یہ سنکر یہ لعین غصہ میں بھر گیا اور کہا۔ میں تجھے تیرے کیے کا مزہ بھی ابھی چکھاتا ہوں۔

مشکور نے کہا۔ میں نے سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے تیرے جو جی میں آئے کر ڈال

ابن زیاد نے حکم دیا کہ۔

پہلے اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ پھر اسے پانچ سو کوڑا مارا جائے اور آخر میں اس کا سر کاٹ لیا جائے۔

مشکور نے کہا۔ محبت آل محمد کے مقابلہ میں یہ سزا بہت کم ہے۔

جلاد اس خوش نصیب کو لے گیا۔ سولی پر چڑھایا۔

جب جلاد نے پہلا کوڑا لگایا۔

تو مشکور نے کہا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب جلاد نے دوسرا کوڑا لگایا تو مشکور نے کہا۔

اللھم افرغ علی صبرًا	اے اللہ مجھے صبر عنایت فرما

جب جلاد نے تیسرا کوڑا لگایا تو مشکور نے کہا۔

اللھم اغفرلی۔	اے اللہ مجھے معاف فرما۔

جب جلاد نے چوتھا کوڑا لگایا تو مشکور نے کہا۔

الھی انت تعلم انھم یقتلوننی علی محبۃ ذوی القربی۔	اے اللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں صرف محبت آل محمد میں قتل کیا جا رہا ہوں۔

جب جلاد نے پانچواں کوڑا لگایا تو مشکور نے کہا۔

اللھم اوصلنی الی جناب رسولك واھلبیتہ۔	اے اللہ مجھے اپنے رسول اور اس کے اہل بیت کی بارگاہ میں پہنچ دے۔

جب جلاد نے چھٹا کوڑا لگایا تو مشکور نے کہا۔

ویل لکم ۔ تمہارے لیے جہنم کی وادی ویل ہے۔

اس کے بعد خاموش ہو گیا۔ جب پانچ سو کوڑا مکمل ہوا تو مشکور نے آنکھیں کھولیں۔ کسی نے پوچھا۔

مشکور پانی پیو گے۔؟

مشکور نے کہا۔ میں نے نبی کونین کے ہاتھ سے جام کوثر پی لیا ہے۔ اب پانی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔

واقعہ جمال ملعون

شب شام غریباں کے واقعات میں سے ایک واقعہ جمال ملعون کا بھی ہے یہ واقعہ چار معتبر ذرائع سے مروی ہے۔ کم و بیش ہر روایت میں نام مختلف ہے۔ لیکن واقعہ کے جزئیات میں اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔

۱۔ سلیمان حریری نے اپنے ایک طویل مرثیہ میں جناب جابر ابن عبداللہ انصاری کی روایت کے مطابق پورا واقعہ جمال تمام تر تفصیلات کے ساتھ نظم کیا ہے

۲۔ منتخب طریحی میں بھی یہی واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں بھی یہی واقعہ روایت کیا ہے۔

۴۔ زہرۃ الریاض میں بھی یہی واقعہ منقول ہے۔

مناسب ہوگا اگر ہم نظم کو چھوڑ کر باقی تینوں واقعات آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ نظم کو اس لیے چھوڑ رہے کہ نظم میں جناب جابر کی روایت کو لیا گیا ہے۔ اور بقیہ تین روایات میں ایک روایت جناب جابر سے ہے۔ لہذا نظم میں بتایا گیا واقعہ از خود سامنے آجائے گا۔

سرکار علامہ طریحی کی روایت

سعید ابن منیب سے مروی ہے کہ ۶۲ھ کے ذی الحجہ میں میں حج کے لیے گیا پہلے مدینہ میں جناب سجاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد عرض کیا قبلہ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ حج کر جائیں یا نہ جائیں آپ نے فرمایا ضرور جاؤ۔

چنانچہ میں مکہ میں آیا۔ دوران طواف ایک شخص کو دیکھا۔

جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ شب تاریک کی مانند سیاہ تھا۔ غلاف کعبہ کو پکڑ کر کہہ رہا تھا۔

اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔

لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر پوری کائنات بھی میری سفارش کرے پھر بھی تو مجھے نہیں کرے گا۔

کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے۔

سعید کہتا ہے کہ میں بھی اور تمام طواف کرنے والے دیگر حجاج کرام بھی اس شخص کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو گیا
ہم نے کہا۔ اللہ تجھے رسوا کرے۔ غلاف کعبہ کو ہاتھ میں لے کر یہ کیا کہہ رہا ہے۔
اس نے کہا۔ لوگو! تم بھی سچے ہو لیکن اپنے گناہ کو میں ہی اچھی طرح جانتا ہوں
ہم نے کہا ذرا بتا تو سہی کہ ہم بھی سنیں۔
اس نے کہا۔ میں امام حسین کا جمال تھا۔ آپ کے پاس ایک بڑا قیمتی ازار بند تھا جو حجاز کا معروف ترین تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ یہی میرا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ لیکن مجھ بد نصیب میں اپنے مولا سے مانگنے کی ہمت نہ ہوئی حالانکہ اگر میں مانگ لیتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور عنایت فرما دیتے۔ مگر میری بد بختی اب کیا ہو سکتا ہے
ہم کربلا پہنچ گئے۔
جب شب عاشور نے آپ نے اعلان فرمایا کہ۔
یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں تم میں سے کسی کو بھی کچھ نہ کہیں گے جس کا جی چاہے چلا جائے میں یہاں غنیمت لوٹنے نہیں آیا ہمیں تو قربانی دینا ہے جس میں قربانی دینے کا حوصلہ ہو رہ جائے۔
اس اعلان کے بعد میں بھی ان سیاہ بختوں سے تھا جو آپ کو چھوڑ کر شب عاشور چلے گئے تھے۔ میں زیادہ دور نہیں گیا کربلا کے قریب ہی رہا جب یوم عاشور گزر گیا میں نے سیاہ آندھی بھی چلتے دیکھی۔ خون کی بارش بھی ہوتے دیکھی ارض وسما کے مابین قتل الحسین کی آواز بھی سنی۔ جب شب شام غریباں آئی میں اپنے اسی خیال میں کہ اب موقعہ ہے وہ ازار بند لے آؤں۔ چونکہ وہ ازار بند فرزند رسول کو بہت عزیز تھا اس لیے یقیناً ان کے پاس ہی ہو گا۔ میں جب میدان جنگ میں

آیا تو میں نے آلِ محمد کے لاشے اور ان پر برستی ہوئی مظلومیت بھی دیکھی تمام لاشے بے سر تھے۔ تلاشِ بسیار کے بعد مجھے فرزندِ رسول کا لاشہ ملا جو بلا سر بحالتِ سجدہ تھا۔ میں نے اپنے ان منحوس ہاتھوں کے ساتھ بڑی بے دردی سے لاشہ کو سیدھا کیا۔

دیکھا تو ازار بند موجود تھا۔ لیکن اس میں بے شمار گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک ایک گرہ کو کھولنا شروع کیا۔ جب ایک گرہ بچ رہی اور میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو مظلوم کا دایاں ہاتھ گرہ پر آگیا میں نے ہاتھ ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن ہاتھ نہ ہٹا۔ میرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ میں اٹھا میدان میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس سے ہاتھ ہٹا سکوں۔ مجھے ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک ٹکڑا ملا وہ لے کر میں لاشہ مظلوم پر آیا۔ اور ہاتھ پے در پے وار کرنے لگا میں نہیں جانتا تھا کہ میں نے کتنے وار کیے۔ آخر کلائی سے ہاتھ جدا کر لیا۔ اسے ایک طرف رکھا اور گرہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مظلوم کا بایاں ہاتھ گرہ پر آگیا اب میرے پاس وہی ہتھیار تھا۔ میں نے اس سے ضربات لگانا شروع کیں۔ بالآخر بایاں ہاتھ بھی کلائی سے جدا کر لیا۔ جونہی ہاتھ کٹا زمین کربلا میں زلزلہ سا آگیا ایسا زلزلہ آیا کہ میں سنبھل نہ سکا۔ ڈر کے مارے اٹھا گر گیا۔ پھر اٹھا پھر گر گیا۔ پھر یکایک روشنی نمودار ہوئی اور میں نے بین و نوحہ کی آواز سنی۔

واانباہ۔ وامقتولاہ۔

واذبیحاہ۔

واحسیناہ۔

واغریباہ۔

بنی قتلوك وما عرفوك — بیٹے یہ ظالم جب تجھے قتل کر رہے تھے تو کیا تجھے پہچانتے نہ تھے۔

ومن شرب الماء منعوك — بیٹے ان ظالموں نے تجھے دم آخر پانی تک نہ دیا۔

یہ سنکر میں دوڑا اور میں نے اپنے کو لاشوں میں چھپا دیا۔ لاشہ حسین میری نگاہوں میں تھا۔ میں نے دیکھا تین مرد اور ایک سیاہ برقعہ میں ملبوس مستور آئے۔ میں نے جب بغور دیکھا تو ایک سرور انبیاءؐ دوسرے حضرت علیؑ اور تیسرے امام حسنؑ تھے۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ مستور مادر حسین ہے۔

جناب سرور کونین نے پکار کے کہا۔

این انت یا بنی — بیٹے کہاں ہو۔

قد اءلک جدك وابوك وامك واخوك۔ — تجھ پر تیرا نانا تیرا باپ تیری ماں اور تیرا بھائی قربان جائیں۔

میں نے دیکھا امام حسین مع سر کے اٹھ بیٹھے۔

اور عرض کیا۔

لبیك لبیك یا جداہ یا رسول اللہ۔ لبیك لبیك یا ابتاہ یا امیر المؤمنین۔ لبیك لبیك یا اماہ یا بنت رسول اللہ۔ لبیك لبیك یا اخاہ یا حسن المسموم۔ علیکم منی السلام۔

میں دیکھ رہا تھا چاروں غریب کربلا کے قریب آئے۔ امام حسینؑ نے رو کے عرض کیا۔

یاجداہ قتلوا واللہ رجالنا — نانا بخدا میرے تمام مرد انہوں نے شہید کر دیئے ہیں۔

یاجداہ سبوا واللہ نسائنا — نانا ان لوگوں نے آپ کی بہو بیٹیوں کے سروں سے چادریں تک اتار لی ہیں۔

یاجداہ نھبوا واللہ رحالنا — نانا آپ کی امت نے میرے خیام لوٹ لیے ہیں۔

یاجداہ ذبحوا واللہ اطفالنا — نانا آپ کی امت نے میرے بچے ذبح کر ڈالے ہیں۔

یاجداہ یعزواللہ علیک ان تری مالنا۔ — نانا کاش آپ ہماری حالت دیکھتے آپ کے لیے برداشت مشکل ہوتی

فقالت الزھراؑ یا ابتاہ ھل تری ماصنعت امتک بذریتی — بابا آپ دیکھ رہے ہیں آپ کی امت نے میری اولاد سے کیا سلوک کیا ہے؟

بابا کیا مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنے بیٹے کے خون سے اپنے سر اور چہرہ کو خضاب کر لوں؟ تاکہ کل بروز قیامت میں اپنی پیشانی پر بیٹے کا خون لے کر دربار خالق میں پیش ہو سکوں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بیٹی ضرور خضاب کر لو ہم بھی خضاب کریں گے۔ پھر آنحضورؐ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے خون مظلوم لے کر اپنے سینہ اور ہاتھوں پر کہنیوں تک ملا اور آنحضورؐ نے فرمایا۔

حسین بیٹے تیرے نانا کے لیے تجھے مقطوع الراس دیکھنا بہت مشکل ہے۔ بیٹے

تیری وہ پیشانی زخمی ہے جسے میں چوما کرتا تھا بیٹے تیرا وہ جسم خاک آلود ہے جسے میں اٹھایا کرتا تھا۔ بیٹے تیرے یہ دونوں ہاتھ کس نے کاٹے ہیں۔ امام حسین نے تمام واقعہ سنایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ نانا۔ میں نے کئی مرتبہ ارادہ بھی کیا کہ میرے جمال کو میرا ازار بند پسند ہے اسے دیدوں لیکن میں اس انتظار میں رہا کہ وہ مانگے گا تو دے دوں گا۔ ویسے مجھے معلوم تھا کہ یہ بدنصیبی اس کے مقدر میں ہے ابھی آپ کے آنے سے پہلے ہی اس نے میرے ہاتھ کاٹے ہیں اور اب ان لاشوں میں چھپا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا آنحضورؐ وہاں سے اٹھے اور چل کر سیدھے میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔

اے ظالم تجھے حسین سے کوئی انتقام لینا تھا یا مجھ سے ؟

میرے حسین نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ ؟ کیا تو میرے حسین کے دسترخوان پر نہیں کھاتا تھا ؟

کیا تجھے وہ کافی نہ تھا جو میرے حسینؑ سے میری امت نے کیا تھا۔

اے جمال اللہ تیرا چہرہ سیاہ کرے۔ اور تیرے ہاتھ شل کرے۔ اس کے بعد سے میری یہ حالت ہے۔ اب خود بتاؤ کہ میری مغفرت کی کوئی گنجائش باقی ہے۔ سعید کہتا ہے کہ بیت اللہ میں موجود ہر شخص نے اس خبیث پر لعنت کی۔

روایت جابر ابن عبداللہ انصاری

بحار میں علامہ مجلسی نے تاج الملوک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ نقی حجازی نے بتایا ہے کہ میں اپنے ایک کام سے مدینہ گیا۔ ہر دن مدینہ میں نے جناب جابر انصاری کو ایسے بے ساختہ روتے دیکھا جیسے پسر مردہ عورت رو رہی ہو۔ میں نے پوچھا۔

اے صحابی رسول خیریت تو ہے۔ کوئی حادثہ ہوا ہے۔ یا کسی قرض خواہ نے تنگ کیا ہے۔

جابر نے کہا۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آنکھوں سے معذور ہوں۔ ابھی ابھی میں مزار رسول کی زیارت سے فارغ ہو کر آرہا تھا کہ مجھے میرے غلام نے بتایا کہ

میرے آقا۔ میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جسے دیکھ کر میرے تو ہوش اڑ گئے ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا کیوں اس میں کون سی خاص بات تھی۔
اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس شخص کا چہرہ ایسے ہے جیسے تارکول لگا دیا گیا ہو

اس کے بال اس طرح جھلسے ہوئے ہیں جیسے سر پہ آگ رکھ دی گئی ہو۔ اس کی آنکھیں دحشت ناک حد تک ابلی ہوئی اور سرخ ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سے اس طرح کٹے ہوئے ہیں جیسے آری سے کاٹے گئے ہیں۔ اور وہ بھیک مانگ رہا ہے میں نے اسے کہا جا اسے بلا کے لا۔ جب یہ اسے بلا لایا تو میں اسے بازار سے باہر لایا۔

اور پوچھا۔ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟

اس نے کہا۔ کوفہ کا رہنے والا ہوں۔

میں نے کہا۔ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے اور اس حالت میں کب سے ہے؟ مجھ سے ڈر نامت میں جابر ابن عبد اللہ انصاری ہوں۔

اس نے کہا۔

اے صحابی رسول میں تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ آپ جابر انصاری ہیں لیکن آپ نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ ہی میں اس قابل ہوں کہ مجھے کوئی پہچانے مجھے تو اپنے گھر والوں نے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔

میں نے کہا۔ اگر میں تجھے پہچانتا تو ہر گز نہ پوچھتا۔

اس نے بتایا کہ۔ میں بریدہ ابن وائل جمال حسینؑ ہوں۔

اس کے بعد اس نے تمام وہ واقعہ سنایا جو سابقاً پیش کیا جا چکا ہے۔

ہاں۔ اس واقعہ میں صرف دو مقامات ذرا مختلف ہیں

اولاً۔ سابقہ واقعہ میں آنحضور کی تشریف آوری کے بعد امام حسینؑ کا از خود اٹھ کے بیٹھ جانا ہے جب کہ

بحار کے اس واقعہ میں یوں ہے کہ۔

نبی کریم نے سوئے کوفہ ہاتھ دراز کیا اور سر امام حسین آپ کے ہاتھ پر آیا۔ آپ نے اپنے مظلوم بیٹے کا سر زخمی جسم پر رکھا تو امام حسین اٹھ کر بیٹھ گئے۔

۲۔ اور دوسرا اختلافی مقام یہ ہے کہ سابقہ واقعہ سعید ابن مسیب میں جناب زہرا صرف خون حسین سے خضاب کرنے کا اذن مانگتی ہیں۔ جب کہ اس روایت لیں۔

امام حسین نے اپنے قاتل کا نام شمر بتایا ہے۔

بی بی نے اذن خضاب لینے سے قبل یہ بین بھی کیا ہے۔

یا نور عینی جسمك	میرے نور چشم بیٹے تیرا جسم
اراہ ملقی علی التراب	میں خاک و خون میں غلطاں دیکھ رہی ہوں۔
و راسك علی السمہری یعلی۔	تیرا سر بلند نیزے پر آویزاں ہے۔
لا غسلاً و کفناً	ابھی تک تجھے نہ کسی نے غسل دیا ہے اور نہ کفن
تری قبرك عن قبورنا نأی۔	تیری تو قبر بھی ہماری قبروں سے دور ہے۔

مترجم:۔

نہ تو روایات میں یہ لفظی اختلاف اہم ہے اور نہ ہی سعید ابن مسیب اور جناب جابر کی روایت میں کوئی تضاد ہے۔ سعید نے جمال کو مکہ میں دیکھا ہے اور جناب جابر کی ملاقات مدینہ میں ہوئی ہے۔ یہ

ممکن ہے کہ جناب جابر کو بریدہ ابن وائل مدینہ میں ملا ہو اور وہ ایام حج نہ ہوں اور سعید کو مکہ میں ملا ہو اور وہ ایام حج ہوں۔ روایت سعید میں صرف جمال ہے۔ اور روایت جابر میں جمال نے اپنا نام بریدہ ابن وائل بتایا ہے۔

چونکہ نفس واقعہ ایک ہے اس لیے دونوں روایات میں قدرے لفظی اختلاف اصل واقعہ کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ عین ممکن ہے کہ جمال چونکہ بہت زیادہ پریشان اور پشیمان تھا اس لیے نقل واقعہ میں اس سے کچھ چیزیں رہ گئی ہوں۔

دختر شبیر کو مدینہ میں اطلاع

اسی شب شام غریبان کے واقعات میں سے ایک واقعہ جناب فاطمہ صغراؑ کو مدینہ میں اطلاع بھی ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار میں اپنے سلسلہ سند سے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ

ایک کوا میدان کربلا میں آیا اس نے عصر عاشور کے وقت اپنے پروں کو خون فرزند رسول سے سرخ کیا اور اڑ کر مدینہ آیا۔ جناب فاطمہ صغریٰ بنت حسینؑ کے کمرہ کی چھت کی منڈیر پر بیٹھا۔ جب بنت حسینؑ نے کوے کے خون آلودہ پروں کو دیکھا تو شہزادی بے چین ہو کر رونے لگی اور حسب ذیل اشعار پڑھے۔

نعب الغراب فقلت ویلک من تنعاہ یا غراب

کوا جب چلایا تو میں نے کہا اے کوے بھلا تو بتا تو سہی کہ کسی کی خبر موت لایا ہے۔

قال الامام نقلت من قال الموفق للصواب

کوے نے کہا امام کی خبر شہادت ہے۔ میں نے پوچھا کون امام۔ کہنے لگا صراط مستقیم کا ہادی امام۔

ان الحسینؑ بکربلاء بین الاسنة والضراب
کربلا میں فرزند رسول حسینؑ نیزوں اور تلواروں سے شہید ہو گیا ہے

فابکی الحسینؑ بعبرة ترجی الالہ مع الثواب
حسین پر آنسو بہا جس سے اللہ کے ہاں سے ثواب بھی ملے گا۔

قلت الحسینؑ فقال حق لقد سکن التراب
میں نے پوچھا کیا فرزند زہرا حسینؑ کی خبر شہادت سچ ہے کہنے لگا واقعاً
وہی خاک آلود ہے۔

محمد ابن علی کا بیان ہے کہ اس پرندے کے پروں پر خون اور خون سے مخصوص خوشبو سونگھ کر جناب فاطمہ صغریٰ بنت حسینؑ نے اہل مدینہ کو بتا دیا کہ فرزند رسول شہید کر دیئے گئے ہیں۔

جب اہل مدینہ کے گورنر تک یہ اطلاع گئی تو اس نے پہلا جو تبصرہ کیا وہ یہ تھا کہ۔

دختر حسینؑ بھی ہاشمیہ ہے اور ہاشمی جادو کے تماشے دکھا رہی ہے۔

دخترِ یہودی کی شفایابی

عصرِ عاشور کے واقعات میں سے منتخب التواریخ میں یہ واقعہ بھی ہے کہ۔ شہادت فرزندِ رسول کے بعد پرندوں کا ایک غول سرزمین کربلا سے گزرا۔ دوسرے پرندے تو اپنی پرواز میں مصروف رہے ایک پرندہ میدان کربلا میں اترا۔ ہر طرف لاشے ہی لاشے تھے ایک طرف دھواں تھا۔ خالقِ عالم کے اشارہ اور ہدایت سے اس پرندے نے ان لاشوں میں فرزند رسول کا لاشہ دیکھا۔ قریب آیا۔ اپنے پروں کو خون شبیر سے رنگین کیا اور اڑ کر چلا گیا۔

ایک جگہ جہاں بہت سارے پرندے جمع تھے، یہ بھی آکر بشکل غمگین بیٹھ گیا اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ دوسرے تمام پرندے اس کی شکل و صورت دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے اس حال اور گریہ کی وجہ پوچھی اس پرندے نے انہیں بتایا کہ آپ تو اپنی خوشیوں اور مسرتوں میں مصروف ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ خانۂ زہرا پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ ذرا میدان کربلا میں جا کر دیکھو بنی ہاشم کے بے گور و کفن لاشے۔ جنہیں زندگی میں تیروں۔ نیزوں۔ تلوار اور پتھروں سے چور چور کیا گیا۔ اور بعد از شہادت ان کے جسم ہائے نازنین پر گھوڑے دوڑا کر انہیں پامال بنائے

اسپاں کر دیا گیا ہے۔

بنات زہرا کے خیام جلا دیئے گئے ہیں ان کے سروں سے چادریں، کانوں سے گوشوارے اور ہاتھوں سے کنگن تک اتار لیے گئے ہیں۔ اس وقت ذریت رسول کے لاشے پارہ پارہ ہو کر میدان میں بکھرے ہوئے ہیں اور زہرازادیاں آگ کے شعلوں سے اپنے کم سن بچوں کو بچانے کی خاطر حیران و سراسیمہ صحرا میں گھری ہیں۔

اس پرندہ کی زبانی جب دیگر پرندوں نے یہ داستان غم سنی تو تمام پرندوں نے دانہ پانی چھوڑ دیا اور سب کے سب اڑ کر میدان کربلا میں آئے۔ وہاں لاشوں کے انبار میں جگر پارہ ہائے علی و بتول کو دیکھا۔ تمام پرندوں نے اپنے پر فرزند رسول کے خون سے سرخ کیے اور مختلف اطراف میں خبر شہادت پہنچانے کی خاطر اڑ گئے۔ انہی میں سے ایک پرندہ مدینہ میں آیا۔

پہلے روضہ رسول کا طواف کیا۔ اسے دیکھ کر اطراف مدینہ کے تمام پرندے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اس پرندہ سے خبر شہادت سنکر تمام نے نبی اکرم کے مزار کا طواف کیا۔ اور پھر سب کے سب مزار خاتم الانبیاء پر بیٹھ گئے اور اپنی زبان سے آنحضور کو پرسہ دینے لگے۔ پھر وہی پرندہ وہاں سے اڑ کر دختر شبیر کی منتظیہ پر آکر بیٹھا بنت حسین کو اپنے بابا کی خبر شہادت دینے کے بعد بیرون مدینہ ایک باغ میں شب بسری کے لیے ایک درخت پر بیٹھ گیا۔

یہ باغ ایک یہودی کا تھا۔ اور یہودی کی ایک مریض اور لاعلاج بیٹی اس باغ میں رہتی تھی۔ اس بچی کی آنکھوں میں نور نہیں تھا۔ پاؤں میں چلنے کی ہاتھوں میں ہلنے کی طاقت نہیں تھی۔ تمام جسم مبروص تھا۔ یہودی دن میں بیرون باغ اپنے

کام کاج میں مصروف رہتا تھا اور رات کو اپنی بچی کے پاس آجاتا تھا۔ اس رات اتفاقاً یہودی کسی کام کی وجہ سے بچی کے پاس باغ میں نہ آسکا۔

جب بچی تنہائی سے اکتا گئی اور باپ کی آمد سے بھی مایوس ہو گئی تو گھسٹتے گھسٹتے کمرے سے باہر آئی۔ بچی کے کانوں پر کسی پرندے کی انتہائی دردرسیدہ آواز آئی۔ لڑکی لاشعوری طور پر اس آواز کو سننے لگی۔ بالآخر بڑی مشکل سے اس درخت تک پہنچ گئی جس پر وہ پرندہ بیٹھا تھا۔ لڑکی وہیں لیٹ گئی۔ پرندے کے پروں سے خون ٹپ ٹپ ٹپک رہا تھا۔ اتفاقاً ایک قطرہ اس لڑکی کی آنکھ میں آگرا۔ جونہی وہ قطرہ گرا۔ لڑکی کی آنکھ روشن ہو گئی پہلے تو وہ حیران وار ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میری آنکھ میں بینائی آگئی ہے۔ پھر اس نے آنکھ پر انگلی رکھی جونہی انگلی خون مظلوم سے مس ہوئی۔ پورے ہاتھ کی قوت بحال ہو گئی۔ اب تو اس لڑکی نے اوپر دیکھنا شروع کیا۔

اتنے میں خون کا دوسرا قطرہ ٹپکا لڑکا نے اسے دوسری آنکھ میں گرایا۔ وہ آنکھ بھی روشن ہو گئی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ یہ سب اسی خون کی برکت ہے۔ چنانچہ پھر تو لڑکی نے ہر گرنے والے خون کے قطرہ کو اپنے جسم کے مفلوج حصوں پر لینا شروع کر دیا۔

اور خون کی برکت سے مرض دفع ہونا شروع ہو گیا۔ کچھ وقت کے بعد لڑکی بالکل تندرست ہو کر اپنے قدموں پر اٹھ کھڑی ہوئی اور باغ کی سیر کرنے لگی۔ صبح نمودار ہو گئی۔ وہ یہودی آیا۔ سیدھا لڑکی کے کمرہ میں گیا۔ وہاں لڑکی نہ تھی۔ ایک لڑکی کو باغ کی سیر میں مصروف دیکھ کر اس کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہاں میری ایک بیمار اور معذور بچی رہتی تھی لیکن اب نظر نہیں آرہی۔

لڑکی نے جونہی اپنے باپ کی پریشانی دیکھی۔ بابا۔ بابا۔ کر کے باپ کے گلے لگی اور بتایا کہ۔

ابا جان!۔

میں ہی آپ کی وہ خوش نصیب بیٹی ہوں۔ اب میں تندرست ہوں۔ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔

یہودی پہلے تو ماننے پر تیار نہ ہوا۔ لیکن جب بچی نے ایک ایک کر کے اپنا ماضی دہرایا تو یہودی کو یقین کرنا پڑا کہ واقعاً یہی میری لڑکی ہی ہے۔

یہودی نے پوچھا۔

بیٹی یہ ہوا کیسے؟

میں نے تو تیرے علاج پر تمام گھر لٹا دیا تھا۔ اور ہر معالج نے تجھے لاعلاج کر دیا تھا۔

اب ایک رات میں تو تندرست کیسے ہو گئی۔ اور لاعلاج مرض کیسے چلا گیا

لڑکی نے شب گذشتہ کا تمام واقعہ سنایا۔

پھر دونوں باپ بیٹی اس درخت کے نیچے آئے جس پر بیٹھ کر وہ پرندہ آہ و بکا کر رہا تھا۔

یہودی نے اس پرندے کو مخاطب کر کے کہا۔

بالذی خلقك یہا الطیران تکلمنی بقدرۃ اللہ۔

اے پرندے تجھے اپنے خالق کی قسم مجھ سے قدرت الہیہ کے ذریعہ بات کر۔

ذات احدیث نے اس پرندہ کو قوت گویائی سے نوازا۔ پرندہ فصیح

عربی میں گویا ہوا۔ اور اول سے لے کر آخر تک شہادت غریب زہرا کا واقعہ سنا کر بتایا کہ یہ اتفاق ہے کہ میں نے تیرے باغ میں رات گزاری۔ جب یہودی نے نے یہ واقعہ سنا تو دل میں کہا۔

اگر دین محمدؐ حق نہ ہوتا۔ تو اس کے نواسہ کا خون اتنا عظیم المرتبت نہ ہوتا۔ اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس کی بیٹی نے بھی کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد وہ اپنی بیٹی کو لے کر داخل شہر ہوا تمام اہل مدینہ کے سامنے اپنی لڑکی کو پیش کیا اور خون شبیر کا معجزہ دکھایا۔ اس یہودی کے قبیلہ سے پانچ سو یہودیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

مدینہ سے ندائے ہاتف

شب شام غریباں کے واقعات میں ایک وہ آواز بھی ہے جسے تمام اہل مدینہ نے سنا لیکن انہیں آواز دینے والا کوئی نظر نہ آیا۔ کامل الزیارۃ میں امام صادق سے مروی ہے کہ جب ذریت رسول میدان کربلا میں ذبح ہو گئی۔ اور شہزادیاں بے مقنع و چادر ہو کر صحرائے کربلا میں تنہا رہ گئیں تو تمام اہل مدینہ نے ایک آواز سنی۔

آج سے اس امت پہ مصائب کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب کبھی یہ امت خوشی کا منہ نہ دیکھے گی ان میں باہمی تلوار چلتی رہے گی۔ ایک گروہ ظالم یزید کا طرف دار ہو گا اور دوسرا گروہ مظلوم حسین کا طرف دار ہو گا مظلوم کا گروہ ظالم سے اظہار بیزاری کرے گا اور مظلوم کی یاد منائے گا جب کہ ظالم کا گروہ یاد مظلوم منانے سے روکے گا۔ اور یہ سلسلہ تا قیام قائم یوں ہی چلتا رہے گا۔

یہ صدا سن کر تمام اہل مدینہ گھبرا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے؛ بعد میں جب شہادت غریب زہرا کی اطلاع مدینہ میں پہنچی تو لوگوں کو پتہ چلا کہ جس رات ہاتف غیبی نے نزول مصائب کی آواز دی تھی اسی دن کو نواسہ رسول شہید ہوا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا۔ قبلہ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا اور ظالم کے طرف دار کب تک ظالم اور مظلوم کو ماننے والے کب تک مظلوم رہیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ ابھی وہ وقت بہت دور ہے۔ اس کی کچھ علامات ہیں جب وہ علامات مکمل ہوں گی تو ہمارا قائم قیام کرے گا۔ اس کی علامات میں باقاعدہ شہادت محسن۔ شہادت رسول کونین۔ اور شہادت آئمہ اہل بیت کا مقدمہ چلے گا ظالم کو اس دنیا ہی میں اپنے ظلم کی سزا ملے گی۔

اسی شب جناب ابن عباس نے آنحضورؐ کو عالم خواب میں اس طرح دیکھا کہ آپ کے سر میں مٹی۔ آنکھوں میں آنسو۔ گریبان چاک اور آستینیں چڑھی ہوئی تھیں آپ کے ہاتھوں میں تیروں سے چھلنی خون آلود قمیص تھی اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

لاتحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون۔ — اللہ کو ظالموں کے عمل سے غافل مت سمجھا کرو۔

سرِ شبیر اور تندور

اسی شب شامِ غریباں کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ غریب زہرا کا سر تندور میں یا زیر طشت شمر کے گھر یا خولی کے گھر رکھا گیا۔

ارشاد مفید۔ لہوف ابن طاؤس۔ محمد ابن ابی طالب۔ ابو مخنف، ابن شہر آشوب اور دیگر قابل اعتماد مورخین نے خولی کے گھر تندور میں لکھا ہے۔ اور واقدی کی روایت سے صاحب البحر المذاب نے شمر کے گھر زیر طشت لکھا ہے۔ واقعات دونوں مختلف ہیں۔

(مترجم:- چونکہ قاتل ہی مورخ تھے، اس لیے ممکن ہے روایات دونوں صحیح ہوں اور تاریخوں میں فرق ہو یعنی شب شامِ غریباں خولی لایا ہو اور اسی نے اپنے گھر تندور میں رکھا ہو۔ اور شام کی طرف روانگی کے وقت شمر لایا ہو اور اس نے اپنے گھر زیر طشت رکھا ہو۔

جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ سر مظلوم کو تندور اور زیر طشت ہر دو جگہ رکھا گیا ہے۔ تاریخ کا اختلاف اتنا اہم نہیں ہے۔ دونوں روایات پڑھی جا سکتی ہیں اور کسی روایت کو یقین کے ساتھ جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ ہم قارئین کی سہولت کے لیے

دونوں واقعات درج کیے دیتے ہیں۔

البتہ اس میں ایک سوال یہ ہوگا کہ جب سرہائے شہدا اسیران آل محمدؑ کے ساتھ کوفہ میں لائے گئے تو اس وقت بھی مقتل کی تمام کتب کے مطابق سرِ شبیر ہی تمام سروں سے آگے تھا۔ اگر سرِ مظلوم کربلا دس محرم ہی کو کوفہ پہنچ گیا تھا تو پھر سرہائے شہداء کے ساتھ کیسے آیا۔

اس سوال کا آسان سا جواب یہ ہے کہ عمر سعد نے یوم عاشور ہی سرِ مظلوم کربلا کوفہ بھیج دیا تھا پھر جب ابن زیاد کو اسیران آل محمد کی اطلاع ملی تو اس نے سرِ امام حسین دیگر شہدا کے ساتھ لانے کی خاطر کوفہ سے ایک منزل دور بھیج دیا تھا اور یوں سرِ مظلوم کربلا کوفہ میں دو مرتبہ آیا۔ ایک مرتبہ تنہا اور دوسری مرتبہ اپنے تمام انصار و اقرباء کے ساتھ۔ (مترجم)۔

قارئین کی خاطر ہم دونوں روایات پیش کیے دیتے ہیں۔

سرِ مظلوم خانہ شمر میں زیرِ طشت

واقدی سے مروی ہے کہ جب شمر میدان کربلا سے سرِ مظلوم کو کوفہ لایا تو اس نے سر کو توبرے میں ڈال رکھا تھا۔ جب کوفہ پہنچا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ دارالامارہ کے دروازے بند تھے۔ اور ابن زیاد کو جگا کر اسے سر پیش کرنے کی کوئی صورت نہ تھی چنانچہ یہ سرِ مظلوم کو گھر لے آیا۔ توبرے کو زمین پر رکھ دیا اور طشت اٹھا کر توبرے پر اوندھا ڈال دیا۔ کھانا کھا کے سو رہا رات کے کسی وقت اس کی بیوی کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ طشت کے نیچے سے گریہ کی آواز آ رہی ہے۔ اور نور کی ایک کرن زیرِ طشت سے نکل کر آسمان تک پہنچ رہی ہے۔

یہ حیرت اور استعجاب میں ڈوب کر طشت کے قریب آئی تو صدائے گریہ صاف سنائی دینے لگی۔ واپس آئی شمر کو جگایا اور اسے پورا واقعہ سنا کر پوچھا۔ یہ زیرِ طشت کیا ہے۔

شمر نے کہا۔ سونے دے۔ ایک باغی کا سر ہے جسے یزید کے پاس لے جا رہا ہوں۔ بہت بڑا انعام ملے گا۔

اس نے پوچھا۔ اس کا نام کیا تھا؟

شمر نے کہا۔ حسینؑ ابن علیؑ۔

یہ سن کر عورت نے ہائے حسین کہا اور غش کھا کر گر گئی۔ جب افاقہ ہوا تو کہنے لگی اے مجوسیوں سے بدتر انسان تجھے نہ خوفِ خدا ہوا اور نہ رسول کونین سے حیا آئی فرزندِ رسول کو باغی کہتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی۔ پھر یہ بی بی واپس آئی، سر کو طشت سے نکالا۔ جھولی میں رکھا۔ پڑوسی عورتوں کو بلایا اور کہنے لگی۔ اے جگر پارہ زہرا سلام اللہ آپ کے قاتل پر لعنت کرے۔ روتے روتے نیند نے آلیا۔ عالم خواب میں دیکھا گویا اس کے گھر کی دیوار میں دروازہ بن گیا ہے اس دروازہ سے دو مستورات سیاہ کپڑوں میں ملبوس اندر آئیں۔ ایک نے بڑھ کر اس کی جھولی سے سر اٹھایا سر کو سینے سے لگایا۔ بوسہ لیا۔ اور بیٹھ کر بین کرنے لگیں۔ اس نے ان کے ساتھ والی کنیزوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ایک ام المومنین خدیجہ الکبریٰ اور دوسری اس شہید کی ماں دخترِ رسول ہے۔

ان کے بعد بہت سے مرد اس گھر میں داخل ہوئے اس نے ان کے متعلق پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ۔ درمیان میں سرکارِ رسالت ہیں۔ ان کے دائیں جانب جناب حمزہ ہیں بائیں علی ابن ابی طالب ہیں اور عقب میں جعفر طیار۔ اور دیگر صحابہ ہیں تمام نے سر کو باری باری اٹھایا۔ سینہ سے لگایا۔ بوسے لیے اور کافی دیر تک نوحہ و بکا کرتے رہے۔

جناب ام المومنین خدیجہ الکبریٰ زوجہ شمر کے پاس آئیں اور فرمایا۔

تو نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم تیرے ممنون ہیں۔ جو چاہے ہم سے مانگ لے اگر جنت میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اٹھ اور تیار ہو جا ہم تیرے منتظر ہیں۔

زوجہ شمر نیند سے بے دار ہوئی دیکھا تو سر اس کے سینہ پر تھا۔ اتنے میں شمر آیا

اور اس نے سر کا مطالبہ کیا کہ اب صبح ہو گئی ہے۔ دارالامارہ کا دروازہ کھل گیا ہو گا۔ ابن زیاد کے سپرد کروں۔

اس مخدرہ نے کہا۔ تو یہودی ہے اب میرا تجھ سے نباہ نہیں ہو سکے گا۔ پہلے مجھے طلاق دے پھر دوسری بات ہو گی اس نے اسی وقت اسے طلاق دے دی۔ اور سر کا مطالبہ کیا۔

اس نے کہا۔ اب تیرا اور میرا کیا تعلق رہا ہے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے اس وقت تو میں اس سر کو اپنے سینہ سے جدا نہیں کروں گی جب جان نکل گئی۔ تو میں بے بس ہوں گی۔

شمر نے سختی سے مطالبہ کیا۔ لیکن اس نے ہر مرتبہ انکار کیا تو غصہ میں آ کر شمر نے اس مخدرہ پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے یہ موقع پر شہید ہو گئی۔

خانہ خولی میں زیرِ طشت

اس سلسلہ میں بھی دو روایات ہیں۔
ایک کے مطابق خولی کی دو بیویاں تھیں ایک بنی مضر سے مضریہ کہلاتی تھی اور دوسری بنی تغلب سے تغلبیہ کہلاتی تھی۔
ایک روایت کے مطابق اس کی ایک بیوی حضرمیہ تھی اور دوسری اسدیہ تھی اس قبائلی اختلاف سے ہٹ کر یہ مسلم ہے کہ ایک محبہ اہل بیت تھی۔ جس کا نام نوار تھا اور دوسری کے متعلق روایات خاموش ہیں۔ اس طرح دونوں روایات کی تفصیل میں بھی قدرے اختلاف ہے۔

ہم دونوں روایات پیش کیے دیتے ہیں۔
بحار کے مطابق عمر سعد نے عصر عاشور کو سر مظلوم خولی کے حوالہ کیا تاکہ اسے ابھی ابھی کوفہ لے جائے۔ خولی سر لے کر کوفہ آیا۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ دارالامارہ کے دروازے بند تھے۔ چنانچہ یہ سر لے کر گھر آیا۔ اس کی بیوی نوار نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟
خولی نے کہا۔ یوں سمجھ لے کہ ڈھیروں سونا اور چاندی لایا ہوں۔ یہ سر حسینؑ ہے۔

نوار نے کہا۔ ظالم! اور لوگ سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو فرزند رسول کا سر لایا ہے۔ اب کے بعد تو اور میں ایک چھت کے نیچے زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہ کہہ کر یہ مومنہ باہر آئی۔

خولی نے اپنی دوسری بیوی کو بلایا۔

نوار کے بیان کے مطابق میں دیکھتی رہی کہ اس سر سے نور کی ایک کرن پھوٹ کر آسمان تک جا رہی تھی۔ اور سفید رنگ پرندے سر حسینؑ کا طواف کر کے نوحہ و بکا کر رہے تھے سر سے تلاوت قرآن کی آواز آ رہی تھی۔ ساری رات سر تلاوت قرآنی میں مصروف رہا۔

صبح جو آخری آیت میں نے سنی یہ تھی۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔

روضۃ الشہدا نے ابوحنیفہ دینوری کی تاریخ سے نقل کی ہے کہ

عمر سعد نے سر مظلوم خولی کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ ابھی ابن زیاد تک پہنچانا ہے۔ خولی کو راستہ میں غروب ہو گیا اس کا گھر بیرون کوفہ ہی تھا۔ اس خیال سے کہ اب دارالامارہ کے دروازے بند ہو گئے ہوں گے یہ اپنے گھر چلا آیا۔ اس کی بیوی انصاریہ تھی جو محبہ اہل بیت تھی۔ خولی کو علم تھا۔ خولی نے اس ڈر سے کہ کہیں میری بیوی سر کو دیکھ نہ لے سر کو چھپانے کی خاطر خاموشی سے تندور میں رکھ دیا۔ بیوی سے کھانا مانگا۔

بیوی نے پوچھا۔

اتنے دنوں سے کہاں تھا۔

خولی نے کہا۔ ایک باغی نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اسی سے جنگ تھی۔ آج جنگ فتح ہوگئی ہے باغی مارا گیا ہے۔ اور ہم فارغ ہو کر گھر آگئے ہیں۔

یہ سنکر زوجہ خولی خاموش ہوگئی۔ اسے کھانا دیا۔ یہ کھانا کھا کر سو رہا۔ یہ مومنہ نماز شب پڑھتی تھی۔ جب نماز شب کے لیے اٹھی تو دیکھا گھر میں روشنی ہی روشنی ہے جب ادھر ادھر دیکھا تو اسے نظر آیا جیسے تندور میں آگ جل رہی ہو۔ دل میں کہنے لگی میں نے تو تندور جلایا ہی نہیں تھا۔ پھر یہاں آگ کیسے آگئی ہے۔ ڈرتے ڈرتے تندور کی طرف بڑھی۔ جب قریب جا کر دیکھا تو تندور میں آگ نہیں تھی۔ بلکہ بے تحاشہ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جب جھانک کر تندور میں دیکھا تو ایک خاک و خون آلود سر رکھا ہوا تھا۔ پیچھے ہٹی تاکہ خولی سے پوچھے کہ اتنے میں چار مستورات گھر میں آئیں اور ایک نے بڑھ کر سر کو تندور سے اٹھایا۔ زوجہ خولی نے ساتھ والی کنیزوں میں سے ایک سے ان کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک ام المومنین خدیجہ اس مظلوم کی نانی ہے دوسری ام السادات فاطمۃ الزہراؑ اس مظلوم کی ماں ہے۔ ایک مریم ام عیسیٰ ہے اور چوتھی آسیہ زن فرعون ہے۔

جس نے سر کو تندور سے اٹھایا ہے وہی دختر رسول اور اس شہید کی محرومۃ المسرۃ ماں ہے۔ بی بی نے سر کو اٹھایا سینے سے لگایا۔ بوسے لیے پھر تمام بی بیوں نے باری باری سر کو اپنے ہاتھوں کو رکھ کر سینہ سے لگایا اور بوسے لے لے کر نوحہ و بکا کرنے لگیں۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

کافی دیر تک رونے اور گریہ و بکا کرنے کے بعد وہ مستورات غائب ہوگئیں۔ میں اٹھی سر کو تندور سے نکالا۔ اسے مشک و زعفران سے غسل دیا داڑھی کے بالوں میں کنگھی کی پاکیزہ جگہ پر رکھ کر یہ مخدومہ خولی کے قریب آئی اسے جگایا اور کہا۔

اے ملعون تو تو کہہ رہا تھا کہ کسی باغی کا سر ہے۔ ظالم تو نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ یہ تو فرزند رسول کا سر ہے۔ ذرا اٹھ کے دیکھ تو سہی پورے گھر میں زلزلہ ہے ملائکہ جماعت در جماعت آسمان سے اتر رہے ہیں آدم سے خاتم تک تمام انبیاء آرہے ہیں۔ اور تجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ آج کے بعد میں تجھ سے بری ہوں تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں۔ مجھے طلاق لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ تو اسلام چھوڑ چکا ہے اور کسی غیر مسلم سے نکاح نہیں رہ سکتا۔

پھر یہ مومنہ چادر لینے کی خاطر اٹھی۔ خولی نے پوچھا۔ کہاں جاتی ہے؟

اس مومنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ چادر لی اور باہر نکلنے لگی۔

خولی نے کہا۔ دیکھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انہیں کہاں چھوڑتی ہو۔

اس مومنہ نے کہا۔ ظالم تجھے اپنے بچے اتنے پیارے ہیں اور تجھے ان کی یتیمی پر افسوس ہو رہا ہے اور ذریت رسول کے بچوں کو یتیم کر کے تو انعام لے رہا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ یہ کہہ کر یہ مومنہ گھر سے باہر نکلی پھر کوئی پتہ نہ چل سکا کہ اسے آسمان نے اٹھا لیا ہے یا زمین نے نگل لیا ہے۔

گیارہ محرم کے واقعات

سر مظلوم زہراؑ ابن زیاد کے پاس گیارہ محرم کو اس وقت لایا گیا۔ جب وہ دستر خوان پر بیٹھا تھا۔

ابن زیاد کا سر مختار کو اسی دارالامارہ میں اس وقت پیش کیا گیا جب مختار دستر خوان پر بیٹھا تھا۔

مختار کا سر مصعب ابن زبیر کو اسی دارلامارہ میں دستر خوان پر پیش کیا گیا۔

مصعب ابن زبیر کا سر عبدالملک ابن مروان کو اسی دالامارہ میں دستر خوان پر پیش کیا گیا۔

ابن زیاد کا سر مدینہ میں جناب سجاد کو ایسے وقت پیش کیا گیا جب آپ دستر خوان پر بیٹھے تھے جب آپ نے دستر خوان پر ابن زیاد اور عمر سعد کے دونوں نجس سر دیکھے تو۔

سجدہ میں گر گئے اور عرض کیا۔

الحمد للہ الذی اجاب	اس اللہ کی حمد ہے جس نے
دعوتی وبلغنی ثاری من	میری دعا قبول فرما کر میرے

قتلۃ ابی۔ باپ کے قاتلوں سے میرا انتقام لیا۔

اس کے بعد آپ نے مختار کے حق میں ڈھیروں دعائیں فرمائیں۔

ابن شہر آشوب کے مطابق سر لانے والا سنان ابن انس تھا۔ ابن شہر آشوب کی اس روایت کی بنیاد پہ ضعیف روایت ہو سکتی ہے کہ قاتل غریب زہرا سنان تھا۔ جب کہ معروف اور صحیح قول یہ ہے کہ قاتل مظلوم شمر اور ابن زیاد کے پاس سر لانے والا خولی ہی تھا۔

اکثر مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سر مظلوم دیگر شہداء اور قافلہ اسیران آل محمد کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن یہ کوئی اختلاف والی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم سابقاً بتا چکے ہیں کہ سر مظلوم دو مرتبہ کوفہ میں لایا گیا تھا۔ پہلی مرتبہ عصر عاشور کو کربلا سے چلا۔ رات خولی یا شمر کے گھر میں تندور میں یا زیر طشت رہا اور گیارہ محرم کی صبح کو ابن زیاد کو پیش کیا گیا۔

اور دوسری مرتبہ ابن زیاد کے حکم سے سر مظلوم کو کوفہ سے ایک منزل باہر بھیجا گیا تاکہ دیگر سر ہائے شہداء اور اسیران آل محمد کے ساتھ کوفہ میں لایا جائے۔ اسی دوسری مرتبہ ہی سر مظلوم کو نجف سے ایک میل باہر مسجد حنانہ میں رکھا گیا تھا۔

بہر صورت اس اختلاف سے قطع نظر ارشاد شیخ مفید کے مطابق حمید ابن قاسم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ سر مظلوم زہرا ابن زیاد کو چاندی کے طشت میں رکھ کے تحفہ پیش کیا گیا۔ اس نے طشت کے اوپر سے رومال ہٹایا اور دیکھ کر ہنسنے لگا کافی دیر تک اظہار مسرت کرنے کے بعد اس نے اپنی چھڑی دندان مبارک پر رکھی۔ اور کہنے لگا۔

اے حسین تیرے دانت بڑے ہی حسین تھے ۔

زید ابن ارقم بنی خزرج سے تھا۔ انصاری تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے آنحضورؐ کے حضورؐ بنی خزرج کے منافقین کو ظاہر کیا تھا۔

یہ ان سابقین سے تھا جنہوں نے حضرت علیؑ کو چھوڑنے کے بعد آپ کی طرف رجوع کیا تھا۔

اس نے ابن زیاد سے فرمایا۔ ابن زیاد اپنی چھڑی ہٹالے۔ میں نے کتنی مرتبہ نبی کریمؐ کو دیکھا ہے کہ وہ ان دندان مبارک کے بوسے لیتے تھے ۔

ابن زیاد نے کہا۔

آپ کی عقل بڑھاپے کی بدولت ناکارہ ہو گئی ہے ۔

جناب زید یہ سنکر روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر چلے گئے ۔

امالی شیخ کے مطابق جب ابن زیاد نے چھڑی سے دندان مبارک مظلوم کربلا سے بے ادبی شروع کی تو جناب زید نے کہا۔

چھڑی یہاں سے اٹھا لے۔ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اتنی مرتبہ نبی الانبیاءؐ کو ان دانتوں کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔ جنہیں میں شمار نہیں کر سکتا ۔

پھر آپ رونے لگ گئے ۔

ابن زیاد نے کہا۔

اللہ تیری آنکھوں کے آنسو خشک کرے کیا تو اللہ کی عنایت کردہ فتح پر روتا ہے۔ بخدا اگر بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل ناکارہ نہ ہو گئی ہوتی تو میں اسی وقت تیری گردن مار دینے کا حکم دیتا ۔

اس کے بعد جناب زید اپنی جگہ سے اٹھے اور روتے ہوئے گھر چلے گئے اور یہ کہتے گئے۔

اے لوگو!

ذریت رسول تمہارے پاس قرآن کی طرح نبی کریم کی امانت تھی

اب خود دیکھ لو کہ تم نے امانت نبوی کا تحفظ کیسے کیا ہے؟

بحار میں علامہ مجلسی نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ میں اس وقت دربار ابن زیاد میں بیٹھا تھا جب سر غریب زہرا اسے پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے چھڑی سے دندان مبارک کی بے ادبی کرتے ہوئے کہا۔

بڑے حسین دانت تھے تیرے اے حسین! میں نے کہا ابن زیاد، تو برا تو مان جائے گا لیکن تجھے بتا دوں کہ۔

جہاں تو نے چھڑی رکھی ہوئی ہے اسی جگہ پر میں نے کئی مرتبہ لبہائے رسول دیکھے تھے۔

سعید ابن معاذ اور عمرو ابن سہیل نے یوں بیان کیا ہے کہ جب سر غریب کربلا ابن زیاد کو پیش کیا گیا تو یہ خبیث کبھی مظلوم کربلا کی ناک پر کبھی آنکھ پر اور کبھی بوسہ گاہ نبوی پر چھڑی مارنے لگا۔

صحابی رسول جناب زید ابن ارقم نے یہ دیکھ کر کہا۔ چھڑی اٹھا لے میں نے بے شمار مرتبہ تیری چھڑی کی جگہ پر لبہائے رسول دیکھے تھے۔ اس کے بعد جناب زید دھاڑیں مار کے رونے لگے۔

ابن زیاد نے کہا۔ جتنا چاہے رو لے۔ ویسے اگر بڑھاپے نے تیری عقل کو ناکارہ نہ کر دیا ہوتا۔ تو میں اسی جگہ تیرا سر اڑا دینے کا حکم دیتا۔

جناب زید اٹھے اور جاتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو!

ذریت رسول قرآن کی طرح تمہارے پاس نبوی امانت تھی اب دیکھ لو جو تحفظ تم نے اس امانت کا کیا ہے۔

اے عربو!

تم نے شریفوں کو چھوڑ کر غلاموں کو اپنا حکمران بنالیا ہے۔ اب ان کے ظلم سے تم خود بھی پناہ مانگو گے۔ اب یہ لوگ تمہارے اخیار کو قتل اور تمہارے اشرار کو اپنا غلام بنالیں گے۔ یوں سمجھو فرزند زہرا کی شہادت کے بعد ہمیشہ کے لیے غلامی کی ذلت تمہارا مقدر بن چکی ہے، تم جس قدر غلامی سے پیچھا چھڑاؤ گے اسی قدر اس میں الجھتے چلے جاؤ گے۔

بحار میں ابوالقاسم ابن محمد سے مروی ہے کہ میں نے ایسا دردناک منظر کبھی نہیں دیکھا جیسا کہ اس وقت دیکھا جب سر مظلوم ابن زیاد کو پیش کیا گیا اور اس نے چھڑی سے سر حسین کی بے ادبی کی۔

امالی شیخ کے مطابق سر مظلوم پیش کرنے والوں نے تو ابن زیاد کو چاندی کے طشت میں پیش کیا تھا۔ لیکن پھر اس خبیث نے حکم دیا۔ چونکہ حسین کا نانا سونے کو ہمارے لیے حرام کہتا تھا اس لیے مناسب ہوگا۔ اگر سر حسین سونے کے طشت میں رکھا جائے۔ چنانچہ سر غریب سونے کے طشت میں رکھا گیا۔ بعد میں اس ملعون نے وہ بے ادبی شروع کی جسے انس ابن مالک اور زید ابن ارقم صحابی رسول برداشت نہ کر سکے۔

بے ادبی کے علاوہ اس نے چھڑی آپ کی خون آلودہ ریش مبارک پر رکھی

اور کہنے لگا۔

حسین تو بہت جلد بوڑھا ہو گیا ہے۔

حسین تو بہت ہی حسین تھا۔ اس جملہ پر انس ابن مالک صحابی رسول نے کہا۔

اے ابن زیاد تجھے کیا معلوم ہے کہ شکل و صورت میں حسین سے زیادہ کوئی بھی شبیہ رسول نہ تھا۔

روضۃ الشہداء میں ہے کہ اس ظالم نے کافی دیر تک سر مظلوم کی بے ادبی کرنے کے بعد سر مظلوم کو اٹھایا اور اپنے نجس ہاتھوں پر رکھا۔ لیکن جونہی سر اس کے ہاتھوں پر آیا اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ دل دھڑکنے لگا۔ چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ فوراً اس نے سر مظلوم کو اپنے دائیں زانو پر رکھ لیا مظلوم کربلا کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا جو اس کے کپڑے پر گرا۔ کپڑے سے پار ہو کر اس کی ران میں آیا۔ اور ران کو چیر کر فرش زمین پر جا گرا۔ اس کی ران میں آگ لگ گئی۔ زخم ہو گیا۔ اس نے سر کو زمین پر دے مارا اور خود چلا کر اٹھا ہر چند علاج کرتا تھا لیکن تا زندگی یہ زخم رہا۔ اس سے اتنی بدبو آتی تھی کہ مشک و عنبر رکھ کر محفل میں بیٹھتا تھا۔ جب ابراہیم ابن مالک اشتر کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی تو اس کی لاش کو اسی زخم سے پہچانا گیا تھا۔

یہ بات باعث تعجب نہیں ہے بارش کا قطرہ اگر صدف کے منہ میں گرے تو موتی بن جاتا ہے۔ اور اگر سانپ کے منہ میں آئے تو زہر بن جاتا ہے۔ قرآن کریم اگر باالصرت کے دل میں آئے تو زنگ کفر دور ہو جاتا ہے اور اگر حرامزادے کے دل میں آئے تو کفر کی تہیں اور گہری ہو جاتی ہیں۔ یہی صورت اس مقدس خون

شبیر اور آپ چشم کی تھی۔

اگر دختر یہودی پر گرا تو اس کے لیے شفا بن گیا اور جب حرامزادے پر گرا تو اس کے لیے دائمی عذاب بن گیا۔

قدرت نے قدم قدم پر اس خبیث کو درس عبرت دیا لیکن اس کی بدبختی میں شقاوت میں اضافہ کے سوا کچھ بھی نہ ہوا۔

منتخب میں بعض حاضرین دربار سے مروی ہے کہ جب یہ خبیث سر مظلوم سے گستاخی کر رہا تھا اس وقت دارالامارہ کے ایک گوشہ سے آگ کے شعلے لپکے جب اس نے دیکھا کہ شعلوں کا رخ میری طرف ہے تو وہاں سے اٹھ کر بھاگ گیا۔ پورا دربار تتر بتر ہو گیا۔

اس وقت سر مظلوم سے آواز آئی۔

کہاں تک اور کب تک اس آگ سے بھاگے گا۔ فی الحال تجھے جلانے کے لیے نہیں بلکہ تجھے عبرت حاصل کرنے کے لیے ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ۔

سر مظلوم سے یہ آواز سنکر تمام اہل دربار بے ساختہ سجدہ ریز ہو کر اپنے جرم کی معافی مانگنے لگ گئے۔ جب آگ بلند ہو گئی تو سر حسینؑ سے آنے والی آواز بند ہو گئی۔

التبر المذاب میں شعبی سے مروی ہے کہ ابن زیاد کے پاس اس وقت قیس ابن عباد بیٹھا تھا یہ ملعون سر فرزند رسول سے بے ادبی کر رہا تھا۔ ابن زیاد نے قیس سے سوال کیا۔

قیس بھلا۔ تیرا حسینؓ اور میرے متعلق کیا خیال ہے؟

قیس نے کہا۔

یہ سوال ایسا نہیں ہے جو کسی سے پوچھا جائے۔ یہ واضح سی بات ہے کہ۔

قیامت کے دن ایک طرف حسینؓ، حسینؓ کا باپ۔ حسین کا نانا۔ اور حسینؓ کی ماں حسینؓ کے ساتھی ہوں گے اور دوسری طرف تیرا باپ تیرا نانا اور تیری ماں تیرے ساتھی ہوں گے۔

ابن زیاد غصے سے بپھر گیا۔

اور قیس کو دربار سے نکل جانے کو کہا۔

بعض علماء نے اس واقعہ کو ابوبرزہ اسلمی سے منسوب کیا ہے۔ ممکن ہے دونوں صحیح ہوں۔ اور دونوں سے اس نے علیحدہ علیحدہ سوال کیا ہو۔ کیونکہ جب انسان کو اس کا ضمیر کسی کام پر ملامت کرتا ہے تو پھر وہ اطمینان خاطر کے لیے ایک ہی سوال متعدد افراد سے کرتا ہے۔

جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ممکن ہے کوئی قسمت کا مارا ہی جواب دے دے جو اسے مطمئن کر سکے۔

ان دونوں واقعات میں صرف اس قدر فرق ہے کہ ابوبرزہ کو دربار سے نکل جانے کے حکم کے علاوہ ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ اگر تو ہمیشہ سے ہمارا ساتھی نہ ہوتا تو تجھے اسی وقت قتل کرا دیتا۔

جب جی بھر کے سر مظلوم سے گستاخی اور بے ادبی کر چکا تو اس نے سر خولی کے سپرد کیا اور اسے کہا کہ میرے مطالبہ تک اسے اپنے پاس

محفوظ رکھو۔

اس کے بعد اس نے یزید کو فتح کی مبارک بادی کا خط لکھا اور اسی خط میں مزید احکام کا مطالبہ کیا کہ اب سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ کو۔ کوفہ میں قید رکھنا ہے۔ یا آزاد کر کے مدینہ بھیجنا ہے یا شام بھیجنا ہے۔ جواب تک میں انتظار کروں گا اور اسیران آلِ محمدؐ زندان کوفہ ہی میں رہیں گے۔

گیارہ محرم کو کربلا میں کیا ہوا

جب گیارہ محرم کی صبح ہوئی تو عمر سعد نے حکم دیا کہ تمام مقتولین آل محمدؐ کے سر لے آؤ۔ تمام لوگ میدان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے ایک ایک لاشہ پہ کئی کئی خبیث بھوکے کتوں کی طرح پل پڑے اور سر کاٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ابن سعد کے خیمہ کے سامنے سروں کا انبار لگ گیا۔

دوسری طرف جب بے مقنع و چادر بیبیاں ذہرا نے یہ ہولناک منظر دیکھا کہ شہید ہونے کے بعد ہر شہید تیسری مرتبہ ذبح کیا جا رہا ہے۔ تو کوئی بی بی اپنے بیٹے کو۔ کوئی اپنے شوہر کو کوئی اپنے باپ کو اور کوئی اپنے بھائی کو رونے لگی۔

جب تمام سر جمع ہو گئے تو اس خبیث الدارین نے ان سروں کو صاف کرنے کا حکم دیا۔ اس صفائی میں خاک و خون سے صفائی بھی تھی اور جلدی میں جدا کیے گئے سروں میں کمی بیشی اور تراش خراش بھی تھی۔

جب تمام سر صاف ہو گئے تو اس نے ان سروں کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کا حکم دیا۔

لیکن سرداران قبائل نے کہا۔
کہ سر یوں نہیں جائیں گے۔
ابن زیاد کو کیسے پتہ چلے گا کہ کس قبیلہ نے کتنی جانثاری کی ہے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ سروں کو قبائل پر تقسیم کیا جائے تاکہ ابن زیاد کے تقرب میں ہر قبیلہ اپنے مرتبہ اور محنت کے مطابق پیش ہو سکے۔
عمر سعد نے اس تجویز کو قبول کیا۔ اور سروں کو حسب ذیل طریقہ سے کربلا میں شریک قبائل پر تقسیم کیا۔
محمد ابن ابوطالب کے مطابق ۷۸ سر تھے۔
بنی کندہ کے حصہ میں تیرہ سر آئے ان کا سردار قیس ابن اشعث تھا۔
بنی ہوازن کے حصہ میں بارہ سر آئے۔ ابن شہر آشوب کے مطابق بنی ہوازن کو بیس سر ملے ان کا سالار شمر تھا۔
بنی تمیم کے حصہ میں سترہ سر آئے۔ ابن شہر آشوب کے مطابق بنی تمیم کو انیس سر ملے۔
بنی اسد کے حصہ میں سولہ سر آئے۔ ابن شہر آشوب کے مطابق بنی اسد کو نو سر ملے۔
بنی مذحج کو سات سر ملے۔
دیگر تمام شرکائے جنگ کو تیرہ سر ملے۔
ابن شہر آشوب کے مطابق دیگر شرکائے جنگ کے حصہ میں نو سر آئے۔
ابن شہر آشوب نے بنی مذحج کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔
مذکورہ حساب سے سروں کی کل تعداد ستر بنتی ہے، جب کہ محمد ابن ابوطالب

کی روایت کے مطابق کل سر اٹھتر تھے۔

بہرصورت دونوں اعداد زیارت ناحیہ میں نام بردہ شہداء کی تعداد سے کریں زیارت ناحیہ میں جن شہداء کے نام لیے گئے ہیں ان کی تعداد بیاسی ہے۔ بعض متعبر مورخین نے شہداء کی تعداد اٹھاسی بتائی ہے۔

ویسے صحیح یہ ہے کہ تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ اور اس کی مکمل تحقیق ہم نے جلد اول میں کر دی ہے لہذا یہاں تکرار نہیں کرتے۔

(مترجم: ۔۔ شہدا کی تعداد اور سروں کی تعداد میں مطابقت ضروری نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کافی سے زیادہ شہداء کے سر اتارے ہی نہ گئے ہوں جیسا کہ نادر شاہ کے واقعہ میں ملتا ہے کہ اس نے جب سنا کہ جناب حر کے سر پر جناب سید الشہداء کا رومال بندھا ہوا ہے لہذا اس نے مزار جناب حر کھلوایا تو اس اطلاع کی تصدیق ہو گئی پھر رومال کو کھولا تو خون بہنے لگا۔

میری ذاتی تحقیق کے مطابق اموی حکومت کا بالذات مقصد بنی ہاشم سے عداوت بنی ہاشم ہی کی تشہیر اور بنی ہاشم کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا اس حقیقت سے عمر سعد سمیت تمام سالاران لشکر آگاہ تھے، اس لیے بنی ہاشم کے سر جسموں سے جدا کیے گئے اور انہی کو ابن زیاد یزید کے تقرب کا وسیلہ بنایا گیا۔ ہاشمی خواہ کمسن تھے یا جوان اور بزرگ ان میں سے کسی کا سر جسم کے ساتھ نہیں رہنے دیا گیا۔ دیگر سروں کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور اگر بنی ہاشم کے علاوہ سر جدا کیے بھی گئے تو ان شہداء کے جن کے متعلق انہیں علم تھا کہ قبائل عرب میں سے

کمزور اور غیر اہم قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنا بریں یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ کوفہ اور شام میں تمام شہداء کے سر لائے گئے)

اس مقام پہ ہمارے سامنے یہ تحقیق اہم ہے کہ۔

تمام شہداء کے سر عصر عاشور کو کوفہ روانہ کر دیئے گئے تھے یا عصر عاشور کو صرف سید الشہداء کا سر کوفہ بھیجا گیا اور باقی شہداء کے سر گیارہ محرم کو کوفہ بھیجے گئے۔

اس سلسلہ میں ہمیں دو نظریات ملتے ہیں۔

بعض مورخین کے بقول عمر سعد گیارہ محرم کو سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

شیخ مفید ابن طاؤس اور محمد ابن ابو طالب کے مطابق سرہائے شہداء اور اسیران آل محمد کو تو گیارہ محرم کے دن کوفہ بھیجا گیا۔ لیکن ابن سعد بارہ محرم کو سوئے کوفہ روانہ ہوا۔

ان دونوں اقوال کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان میں تضاد نہیں ہے اور وہ یوں کہ سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ کو گیارہ محرم کو کوفہ بھیج کر عمر سعد اپنے نجس مقتولین کو دفن کرنے کی خاطر رہ گیا ہو اور بارہ کو کربلا سے فارغ ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ پیچھے سے جا ملا ہو اور کوفہ میں وارد ان کے ساتھ ہوا ہو مؤلف:

اب سوال یہ ہے کہ صرف ایک دن میں عمر سعد کا اپنے مقتولین کو جمع کر کے انہیں دفن کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ہماری تحقیق کے مطابق کم از کم فوج یزید کے مقتولین کی تعداد تین ہزار تھی۔

اس لحاظ سے مورخین نے یزیدی لشکر کی کل تعداد چھبیس ہزار بتائی ہے وہ بھی غلط ہی ہے۔

مورخین نے صراحت سے لکھا ہے کہ لشکر فرزند رسول سے اگر ایک شہید ہو جاتا تھا تو اس کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن لشکر یزید سے سو کے مر جانے سے بھی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اگر فوج یزید کے کل چھبیس ہزار میں سے بیس ہزار مقتول ہوں تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ لشکر یزید میں کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کل لشکر سے جب چار حصے نابود ہو جائیں اور پانچواں حصہ باقی رہ جائے تو کون علقمند کہے گا کہ اس لشکر میں کمی محسوس نہیں ہو رہی ہاں اگر ان روایات کو قبول کر لیا جائے جن میں لشکر یزید کی تعداد لاکھوں میں بتائی گئی ہے تو پھر ہزاروں کے مرنے سے لاکھوں کی تعداد میں کمی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور لاکھوں کی موجودگی میں بیس ہزار کا دفن آدھے دن میں ناممکن ہوگا۔

بہر صورت یہی گیارہ محرم کا ہی دن تھا جس میں یزیدی مسلمانوں کے نجس جسم سپرد خاک کیے گئے اور آل محمدؐ کے پاکیزہ جسموں کو تپنے کے لیے ریگ صحرا پہ چھوڑ دیا گیا زہرزادیوں کو جس طرح بے پالان کے اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ اور جس طرح یزیدی مسلمانوں نے وقت سواری بنات زہرا کے گرد دائرہ تنگ کیا۔ یا۔ جب ثانیہ زہراؑ نے عمر سعد سے فرمایا۔ ظالم! بہت ہو چکا ہے اب اپنے کمینوں سے کہہ دے کہ ہمارا تماشہ نہ دیکھیں اور نہ ہی ہم سے تعاون کریں، ہم ایک دوسرے کو اونٹ پر سوار کرا لیں گے۔ پھر جس طرح ثانیہ زہراؑ نے ایک ایک بی بی کو سوار کیا۔ ان کی چھوٹی میں بچے دیئے۔ آخر میں جناب سجاد بی بی کو سوار کراتے ہوئے تین مرتبہ زمین بوس ہوئے اور جناب فضہ نے آکر ثانیہ زہراؑ کو سوار کرا کے خود بمشکل سوار ہوئیں یا جب

جناب سجاد بیماری۔ غم۔ تکلیف۔ اور کوڑوں کی سختی سے کمزوری کے باعث اونٹ پر بیٹھ نہ سکتے تھے اور آپ کے پاؤں اونٹ کے نیچے کس کر باندھ دیئے گئے اور ایک رسی گلے میں ڈال کر اونٹ کی گردن سے باندھ دی گئی یہ وہ حالات ہیں جنہیں قلم لکھنے سے قطعاً قاصر و عاجز ہے۔

کیسے لکھا جائے کہ پروردہ امن شہزادیاں جو مدینہ سے کربلا تک قمر بنی ہاشم ہمشکل نبی اور گرد جوانان بنی ہاشم کے سایہ میں محملوں پر سوار ہوتی تھیں۔ آج وہ کس طرح عمر سعد اور شمر جیسے ملاعین کی نگرانی میں رسن بستہ بے پالان کے اونٹوں پر سوار ہوئیں۔

اسیران آلِ محمد اور لاشہ ہائے شہداء

جب یہ ملاعین نبی زادیوں کو رسن بستہ بے پالان کے اونٹوں پر بٹھا کر سوئے کوفہ روانہ ہوئے تو ابن سعد اور شمر کے حکم سے مستورات کو مقتل سے گزارا گیا تاکہ ہر ماں اپنے بیٹے۔ ہر بہن اپنے بھائی۔ ہر بیٹی اپنے باپ اور ہر بیوی اپنے شوہر کے بے غسل و کفن بے سر پامال لاشہ کو دیکھے اور اس کے دل کی سوزش میں مزید اضافہ ہو۔

(یہ لوگ اگر مقتولین بدری کا انتقام لے رہے تھے تو کاش انسانیت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے نبی کریم نے کب مقتولین بدر کی بہنوں۔ بیٹیوں۔ بیویوں۔ اور ماؤں کو رسن بستہ کر کے مقتولین بدر کے لاشوں پر سے گزارا تھا۔؟

مترجم۔

جب بے مقنع و چادر بے سہارا زہرا زادیوں کی سواریاں مقتل سے گذریں اور ہر ماں نے اپنے بیٹے کو، ہر بہن نے اپنے بھائی کو۔ ہر بیوی نے اپنے شوہر کو اور ہر بیٹی نے اپنے باپ کو گرم ریگ صحرا پر بے گور و کفن دیکھا تو بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔

ام کلثوم زینب بنت علی سے برداشت نہ ہو سکا اس مخدرہ نے جب اپنے بھائی کو گرم ریت پر دیکھا تو اپنے کو اونٹ سے گرادیا۔ (میرا دل نہیں مانتا کہ ثانیہ زہرا کو اونٹ سے گرتے دیکھ کر بقیہ بی بیاں اونٹوں پر سوار رہ سکی ہوں ہمشکل نبی کی ماں بھی تھی۔ شیر خوار اصغر کی ماں بھی تھی۔ نوشہ قاسم کی ماں بھی تھی۔)

(مترجم)

منتخب التواریخ کے مطابق جب ام کلثوم زینب نے اپنے بھائی کا تقسیم شدہ بے سر لاشہ گرم ریت پر دیکھا تو اپنے کو اونٹ سے گرادیا۔ بھائی کے لاشہ کو رسن بستہ ہاتھوں سے گلے لگایا اور مدینہ کی طرف منہ کرکے عرض کیا۔

یارسول اللہ انظر الی جسد ولدك ملقی علی الارض بغیر غسل کفنه رمله السافی علیه۔ وغسله دمه الجاری من وریدیه یا جداه صلت علیك ملیك السماء وهذا حسین مرمل بالدماء۔

اے رسول نانا ذرا آکر اپنے بیٹے کا بے سر لاشہ ریگ کربلا پر پڑا ہوا دیکھئے جو بے گور و کفن ہے۔ ریگ صحرا اڑ کے کفن بن رہی ہے۔ اور اس کا غسل اس کی شہ رگ سے بہنے والے تازہ خون سے ہو رہا ہے۔ نانا آپ کی نماز جنازہ تو ملائکہ اسماء نے پڑھی تھی۔ اور آپ کا یہ حسینؑ ہے جو خاک و خون میں غلطان ہے۔

پھر بی بی نے یہ مرثیہ پڑھا۔

بنت الرسول انظری	اے دخترِ رسول آ اور بے گور و
جسما بلا کفن ۔	کفن بیٹے کا لاشہ دیکھ اس بیٹے
حفت به من	کا لاشہ جس کے گرد دیگر مومنین
ذوالایمان ابدان ۔	کے لاشے بکھرے پڑے ہیں
قومی الیه دعی	اے ماں ذرا آکے اپنے بیٹے
صدع اعظمه فصدرہٗ	کی شکستہ پسلیاں تو جمع کرے
لخیل الجرد	وہ بیٹا جس کا سینہ گھوڑوں کا
میدان ۔	میدان بنا رہا ہے ۔
قبرا و اجرك عند	اے ذرا آکے اپنے نازوں کے
الله رضوان یاکربلا	پالے حسین کے لیے ایک قبر تو
فیك آل المصطفیٰ	بنا دے اللہ آپ کو اجر دے گا
دفنوا ولیهتك	اے زمین کربلا تیرے فخر کے
الفخر ما عتمك	لیے تا قیامت یہی کافی ہے کہ
اکیان ۔	آلِ مصطفیٰ کے پاکیزہ نفوس تیری
	گود میں ہیں ۔

مؤلف :۔

اس مخدرہ عالم کی عظمت شان اور جلالت قدر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آخری الوداع کے وقت جب جناب سجاد عالم غش میں تھے تو امام مظلوم نے اسرار امامت اسی مخدرہ کے سپرد کر کے اسے امینہ اسرار امامت بنا دیا تھا ۔

کامل الزیارہ کے مطابق یہ وہ مخدرہ عالم ہے جس نے انتہائی کٹھن حالات میں مصائب میں حوصلہ کیا اور امام وقت کو اس طرح تسلیاں دیں جس طرح امام تسلی دیتے ہیں۔

قدامہ ابن زائدہ نے اپنے باپ زائدہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سجاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔

تو آپ نے پوچھا۔

اے زائدہ میں نے سنا ہے کہ تو کربلا مظلوم کربلا کی زیارت کو جاتا ہے۔

زائدہ نے عرض کیا۔

قبلہ آپ نے سچ سنا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

تجھے معلوم ہے کہ حکومت وقت اسے اچھا نہیں سمجھتی اور تیرے تعلقات موجودہ حکمرانوں سے اچھے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرزند رسول سے محبت کی وجہ سے حکمرانوں سے تیرے تعلقات بگڑ نہ جائیں۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ! اس سلسلہ میں میں نے کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ کون راضی ہے اور کون ناراض میرا مقصد صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہوتا ہے اگر کسی کو میرے اس مقصد سے اختلاف ہو اور وہ مجھ سے

ناراض ہو جائے تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں ہو گی۔ میں اس موت کو خوشی سے قبول کر لوں گا جس میں مجھے یقین ہو کہ اس جرم میں دی جا رہی ہے جس کا انجام اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی تھا۔

آپ نے فرمایا۔

اے زائدہ واقعاً اس طرح ہے ؟

میں نے عرض کیا۔

حضور! واقعاً اسی طرح ہے۔

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا اور میں نے بھی تینوں مرتبہ وہی عرض کیا۔

پھر آپ نے فرمایا۔

اے زائدہ اگر ایسی بات ہے تو پھر میں تجھے ایک ایسی بات سناؤں جو مجھے میری عالمہ اسرار امامت اور عالمہ غیر معلمہ پھوپھی ام کلثوم زینب نے سنائی تھی۔

جب ہمارا قافلہ میدان کربلا سے چلا۔ اور ہمیں مقتل سے گزارا گیا۔ تو میں ذریت نبی کے بے گور و کفن لاشوں کو ریگ صحرا پر دیکھ کر گھبرا گیا۔ میری پریشانی کو میری پھوپھی سمجھ گئی۔ اور مجھ سے فرمایا۔ اے حجت خدا! کیا بات ہے میں تجھے پریشانی دیکھ رہی ہوں۔

میں نے عرض کیا۔

پھوپھی جان! کیا اس بیٹے سے یہ بات پوچھنے کی ضرورت ہے۔ جس کے

باپ کا لاشہ اس کے سامنے بے گور و کفن ہو اور وہ دفنا نہ سکے۔ یا اس بھائی سے پوچھنے کی ضرورت ہے جس کے سامنے اس کے جوان اور کم سن بھائیوں کے لاشے بے غسل پڑے ہوں اور وہ انہیں غسل تک نہ دے سکے۔

پھوپھی نے فرمایا۔

نہیں بیٹے اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس قربانی کے بغیر نانا کا دین محفوظ نہیں تھا۔ اور ہم سے یہ عہد ہمارے نانا نے لیا تھا۔ ہمارے نانا سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا آپ کے بابا اور اس کے شہید ساتھیوں نے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کیا ہے اور ہم اپنا عہد نبھا رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا پھوپھی اماں وہ عہد کیا ہے۔

مجھے پھوپھی نے بتایا۔ بیٹے تا حال میں اس دنیا میں نہیں آئی تھی۔ اور مجھے ام الیمن نے بتایا ہے کہ ایک دن نبی کونین ہمارے گھر اپنی بیٹی کے پاس آئے اور اسے کچھ کھلانے کی فرمائش کی۔ اتنے میں میرے بابا علیؑ اور حسنینؑ بھی آگئے۔ میری ماں نے آنحضور کے لیئے کھجوروں کا حلوہ تیار کیا۔ جسے سب نے مل کر کھایا آپ بہت خوش تھے۔ اس خوشی میں آپ نے سجدہ شکر کیا۔ ابھی سجدہ ہی میں تھے کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی کافی دیر تک آپ سجدہ میں پڑے روتے رہے۔

جب سر بلند کیا تو آپ کو روتا دیکھ کر بابا علیؑ۔ ماں زہراؑ اور حسنینؑ نے بھی رونا شروع کیا اور آنحضور سے گریہ کا سبب پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔

آج جب میں نے آپ کو جمع دیکھا اور تمام کو خوش و خرم دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اور اسی مسرت میں سجدہ شکر ادا کیا۔ دوران سجدہ جبرئیل نے آکر

بتایا کہ۔

اے محمد!

اللہ کی طرف سے تحفہ درود وسلام کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ۔ آج آپ اپنے اہل بیت کو دیکھ کر بہت خوش ہیں۔ اللہ بھی آپ کی اس خوشی میں شریک ہے۔ لیکن آپ کو بتایا جا رہا ہے کہ جب کبھی دین کو قربانی کی ضرورت ہوئی تو میرے علم الٰہی کے مطابق تیرے یہی اہل بیت ہی دین پر قربانی دیں گے اور میں اس کے عوض ان کے چاہنے والوں کو ان کی سفارش پر جنت دوں گا۔

اے میرے حبیب!

تیرا بھائی اور تیرا غمگسار تیرے بعد معتوب امت ہوگا۔ اس سے منبر چھین لیا جائے گا اور اسے مہر بلب کر کے بٹھا دیا جائے گا۔

پھر کائنات عالم کے ہاتھوں ایک تیرہ بخت کی سازش سے ایک روسیاہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرے گا۔

تیری یہ عزیز بیٹی تیرے بعد تیری امت کے ہاتھوں بہت تکالیف برداشت کرے گی۔

اسکی میراث غصب ہوگی اس کے در کو جلایا جائے گا۔ اس کا پہلو زخمی اور شکستہ ہوگا۔ اس کا محسن شہید ہوگا۔ دایاں ہاتھ میری عبادت کے قابل نہ رہے گا۔

تیرا بڑا بیٹا زہر دغا سے شہید ہوگا اس کے جنازہ پر تیر بازی ہوگی۔ اسے تیرے مزار کا طواف بھی کوئی نہ کرنے دے گا۔

تیرا یہ چھوٹا حسینؑ تین دن کا بھوکا اور پیاسا میدان کربلا میں ہی شہید ہوگا۔

اس کے بھائی بیٹے۔ اور یار و انصار کی لاشیں اس کے سامنے ہوں گی۔ تین دن تک ان کے لاشے بے گور و کفن رہیں گے۔

تیری ذریت کی مستورات کو رسن بستہ بے پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے شہر بشہر تشہیر کرایا جائے گا ان کی سواریوں کے آگے ان کے اعزا و اقربا کے سر نوک نیزہ پر ہوں گے۔

پھر اللہ تیری امت سے ایک قوم کو مبعوث کرے گا جنہیں یہ کافر نہیں پہچانتے ہوں گے۔ وہ لوگ تیری ذریت کے خون سے بری ہوں گے۔ وہ ان بے گور و کفن لاشوں کو دفن کریں گے۔

سید الشہدار کے مزار پر علامت نصب کریں گے جو تا قیامت اہل حق کی ہدایت کی علامت رہے گی۔

تیری امت سے ایک گروہ ان مقتولین کے غم میں تا قیامت آنسو بہائے گا ان کی تعزیہ داری کرے گا۔ اللہ آسمان میں ایسے ملائکہ پیدا کرے گا جو ان عزاداروں اور سید الشہدار کے زائروں کے لیے تا قیامت استغفار کرتے رہیں گے۔

کچھ لوگ تیری ہی امت سے ایسے بھی ہوں گے جو مزار سید الشہدار کو نابود کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ان کی کوشش رائیگاں جائے گی۔

سجاد بیٹے جب میں نے اس دنیا میں آکر ہوش سنبھالا تو مجھے ام ایمن نے یہ حدیث سنائی پھر میں ہمیشہ اس انتظار میں رہی کہ کبھی موقعہ ملا تو بابا سے اس کی تصدیق کروں گی۔ پہلے تو مجھے موقعہ نہ ملا البتہ جب ۲۱ ماہ رمضان کی شب جو میرے بابا کی آخری رات تھی میں اور بابا تنہا تھے۔ بابا کا سر میری گود میں تھا میں نے عرض کیا۔ بابا جان! میں نے ایک حدیث ام ایمن سے سنی ہے

چاہتی ہوں آپ کی زبان سن لوں ۔

آپ نے فرمایا ۔

میری بیٹی ام المین نے جو کچھ بتایا ہے سچ ہے ۔ اب علی میں اتنی تاب کہاں رہی ہے کہ تجھے کربلا کے واقعات سنائے تو تیرا کوفہ میں آنا تجھے سنائے کہ تو کیسے آئے گی اور ابن زیاد و یزید کے سامنے کھڑے ہو کر تجھے کس طرح سوال و جواب کرنا ہوں گے ۔

بیٹی نہ خود رو اور نہ مجھے رلا ۔ بس جو کچھ ام المین نے تجھے بتایا ہے وہ سچ ہے ۔

لشکر یزید کے جانے کے بعد کربلا میں کیا ہوا؟

جب آل محمد کی مستورات اسیر ہو کر اور یزیدی مسلمان بنات زہرا کو رسن بستہ کر کے کوفہ کی طرف چلے گئے تو بحار کے مطابق بنی اسد کا ایک کاشت کار یہ روایت کرتا ہے کہ۔

میں نے میدان کربلا میں انتہائی حیرت انگیز واقعات دیکھے اکثر واقعات تو ایسے ہیں جنہیں میں بیان ہی نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک دو ایسے واقعات ہیں جنہیں میں سنائے دیتا ہوں۔

یزیدی فوج کے جانے کے بعد میدان کربلا میں سوائے آل رسول کے اور کوئی لاشہ تو باہر تھا نہیں کیونکہ یزیدیوں نے اپنے تمام مقتولین دفن کر دیئے تھے۔

ایسی ہوا میدان کربلا سے چلتی تھی کہ اس ہوا سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ وقت شب آسمان سے تارے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر میدان کربلا میں

گرتے تھے۔

ہر دن کے وقت غروب قبلہ کی طرف سے ایک شیر آتا تھا اور صبح کو واپس سوئے قبلہ چلا جاتا تھا۔

میں نے یہی سوچا کہ چونکہ مقتولین باغی تھے اس لیے شیر گوشت کھانے آتا ہے۔ لیکن جب میں ہوا سے مشک و عنبر کی خوشبو اور وقت شب تارے ٹوٹتے دیکھتا تو پھر سوچتا کہ اگر یہ واقعاً باغی ہوتے تو آج تک کبھی ایسے مقتول نہیں دیکھے جیسے یہ ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایسا سلوک ہرگز نہ ہوتا۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ آج رات شب بیداری کر کے پہلے تو اس شیر کا معاملہ دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے۔ کیا ان مقتولین کا گوشت کھاتا ہے یا کچھ اور کرتا ہے۔ جب کہ یہ بھی مجھے معلوم تھا کہ شیر کبھی باسی گوشت نہیں کھاتا۔ انہی خیالات میں سورج غروب ہو گیا اور میں نے شیر کو حسب عادت آتے دیکھا۔ جب شیر لاشوں میں آیا تو میں دیکھ رہا تھا کہ ایک ایک لاشہ پہ جا کر اسے سونگھتا تھا۔ پھر آگے بڑھ جاتا تھا۔

بالآخر ایک ایسے جسم پر آ کر رک گیا۔ جو اس طرح چمک رہا تھا جیسے ماہ دو ہفتہ شیر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھا اب اس کا گوشت کھائے گا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ شیر اس کے خون سے اپنا سر اور منہ سرخ کرنے لگا۔ اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔ یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اور میں نے کہا۔ اللہ اکبر یہ کیسا شیر ہے اور یہ کیسے مقتولین ہیں۔ اب میری آنکھوں سے نیند از خود اڑ چکی تھی۔ جب تاریکی اچھی طرح چھا گئی تو میدان کربلا میں ہر طرف سے بتیاں روشن ہو کر آنے لگیں۔

ساتھ ہی نوحہ و بکا کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ بے شمار عورتیں ہیں جو۔ واحسیناہ والاماہ کہہ کر رو رہی ہیں۔

میں ایک عورت کے قریب گیا اور اس سے اس گریہ کی وجہ پوچھی اور یہ بھی پوچھا آپ کون ہیں۔

اس نے جواب دیا ہم قوم جن سے ہیں اور ہمیں اللہ کی طرف سے اس مظلوم پر رونے کا حکم ملا ہے۔

میں نے پوچھا۔ کیا یہی فرزند رسول مظلوم ہے جس کے پاس شیر بیٹھا ہوا ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں یہی فرزند نبیؐ ہے۔

کیا اس شیر کو بھی پہچانتا ہے۔؟

میں نے کہا نہیں۔

اس نے کہا۔ یہ ملائکہ کروبین سے ایک ملک ہے۔

مؤلف:۔

اس جگہ ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ۔ ملک کی روح کسی شیر کے جسم میں کیونکر آسکتی ہے۔؟

جب کہ ملک ایک پاکیزہ روح ہے اور شیر ایک درندہ ہے؟

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روح ملک شیر میں آسکتی ہے تو پھر یہ سوال ہوگا کہ شیر کا وہ کونسا جسم تھا کیا کسی مردہ شیر کے جسم میں روح ملک آئی تھی یا شیر کا برزخی جسم تھا؟

شیر کا کوئی سا جسم فرض کر لیا جائے پھر ایک سوال ہوگا کہ اگر وہ فی الواقع

ملک ہی تھا تو پھر اس کی نشست و برخواست اور طور و اطوار تغیر جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جواب:۔

اول تو ہم نقضی جواب دیں گے کہ ہمارے پاس احادیث و روایات کا ایسا وافر ذخیرہ موجود ہے۔

جس میں بتایا گیا کہ ملائکہ مختلف اشکال بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور مختلف اشکال بدل بدل کر آتے رہے ہیں۔

مثلاً جبرئیل دحیہ کلبی کی شکل میں وغیرہ وغیرہ۔ ہاں جو حیوانات نجس العین ہیں مثلاً کتا اور خنزیر ان کی شکل ملائکہ تبدیل نہیں کرتے۔

دوسرا جواب حلی پیش کرتے ہیں۔ البتہ اس کے لیے آپ کو تمہید کی ضرورت ہو گی اور ہم مختصر پیش کیے دیتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں نفس انسانی کے متعلق دیکھنا ہو گا کہ۔

نفس انسان کو جسم انسان سے کونسا رابطہ ہے؟

کیا نفس انسانی اور جسم انسان میں وہی تعلق ہے جو عرقِ گل کو گل سے ہوتا ہے۔؟

یا نفس انسان کو جسم انسان سے وہ رابطہ ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے؟

اور نفس انسان جسم انسان پر اس طرح غالب اور متصرف ہوتا ہے جس طرح سوار سواری پر غالب اور حسب منشا متصرف ہوتا ہے۔

یا ان دونوں اقسام میں سے کوئی بھی قسم نہیں ہے۔ اور ہمیں نفس اور جسم میں باہمی ربط کا کوئی علم نہیں ہے۔

بلکہ ہمیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ نفس کو جسم میں تصرف حاصل ہے اور جیسے چاہیے جسم سے استعمال کر سکتا ہے۔

ان تین نظریات میں سے ہر نظریہ کے قائل اور معتقد موجود ہیں۔ ویسے اگر ان تین نظریات میں سے کسی ایک نظریہ کا انکار کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف پہلا نظریہ ہے۔

جہاں تک دوسرے نظریے کا تعلق ہے تو ان میں سے جس بھی نظریہ کو اپنا لیا جائے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور شیر کے جسم عنصری میں کسی ملک کا تصرف ان دونوں وجوہ میں سے کسی ایک صورت سے ہو سکتا ہے۔

جسم عنصری میں اس قسم کے تصرفات نہ صرف ملائکہ کر سکتے ہیں بلکہ تمام آئمہ اطہار میں بھی یہ قدرت ہے کہ وہ بھی جس طرح چاہیں اجسام عنصریہ میں تصرف کریں۔ کیونکہ جس طرح انکا اپنا جسم عنصری ان کے لیے ایک عارضی جسم ہوتا ہے اسی طرح تمام اجسام عنصریہ ان کے لیے عارضی ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم اور تمام آئمہ جب چاہتے تھے اور جیسے چاہتے تھے اجسام عنصریہ میں تصرف کرتے تھے۔ اللہ کی جانب سے انہیں اس تصرف کی قدرت سے نہ صرف نوازا گیا تھا بلکہ انہیں ایسے تصرفات کی کھلی اجازت تھی اور ان تصرفات میں وہ کسی وقت یا دعا وغیرہ کے محتاج بھی نہیں تھے۔ بلکہ کسی بھی جسم میں کوئی سا تصرف صرف ان کے ارادہ امر کا محتاج ہوتا تھا۔

جب انہیں اللہ کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ پتھر سے اونٹوں کی

قطار پر آمد کریں۔

جب انہیں اللہ کی طرف سے یہ طاقت حاصل ہے کہ دیوار پر بنی ہوئی شیر کی تصویر کو حکم دیں تو وہ حقیقی روپ دھار کر کسی انسان کو کھائے اور پھر اپنی اصلی شکل میں تصویر بن کر دیوار یا مسند پر چسپاں ہو جائے تو پھر کسی جسم عنصری میں تصرف تو ان کے لیے بڑی معمولی سی بات ہے۔

عیون اخبار الرضا میں منقول ہے کہ۔

احمد ابن مہران نے دوران گفتگو کہا۔

اے پسر موسیٰ۔

اگر آپ نے دعا کی ہے اور بارش آگئی ہے تو اس پر فخر کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے نزدیک بارش کا ایک وقت مقرر ہے اور بارش اس وقت سے نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ بعد میں وہ تو ایسا وقت تھا کہ اگر آپ بارش کے لیے دعا نہ بھی مانگتے تو آجاتی۔

اگر آپ ہمیں کمال امامت دکھانا چاہتے ہیں تو اس طرح دکھائیں جسطرح جناب ابراہیم نے چار پرندوں کو ذبح کیا۔ ان کے گوشت کا قیمہ بنایا۔ پھر انہیں چار پہاڑوں پر تقسیم کیا۔

سر اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں پکارا اور ہر پرندے کا گوشت پہاڑ سے اڑ اڑ کر اپنے سر سے متصل ہو گیا۔

اگر آپ بھی واقعاً معجزہ نما ہیں تو قالین پر یہ جو دو شیروں کی ایک دوسرے کے مقابل تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

انہیں حکم دیں یہ شیر بن کر مجھے کھا جائیں۔

امام رضا نے مسکرا کر مامون کی طرف دیکھا۔

مامون نے عرض کیا اے فرزند رسول اگر اس کی یہی خواہش ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

آپ نے ان شیروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

دونکما الفاجر۔ یہ فاجر تمہاری خوراک ہے۔

پھر کیا تھا۔

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ قالین میں حرکت پیدا ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

احمد ابن مہران نے بھاگنے کی کوشش کی ایک شیر نے تھپڑ مارا گر گیا دوسرے نے پیٹ پر پنجہ مارا اور چیر کر نگل لیا۔ دونوں نے کھانا شروع کیا۔ سب اہل دربار دیکھ کر دم بخود ہو گئے اب کسی میں ہلنے تک کی ہمت نہ تھی، شیروں نے جب ہڈی پسلی سب ہضم کر لی تو قالین سے خون چاٹنا شروع کر دیا۔ جب قالین اچھی طرح صاف ہو گیا تو امام رضا کے قدم چومے۔ اور عربی فصیح میں عرض کیا آقا اگر اجازت ہو تو جاتے جاتے اس جڑ کو بھی اپنا نوالہ بنا لیں۔ دونوں نے مامون کی طرف اشارہ کیا۔ جب مامون نے شیروں کی یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گیا۔ آپ نے فرمایا۔

اس کے منہ پر پانی چھڑکو جب پانی چھڑکا گیا کافی دیر کے بعد اسے افاقہ ہوا۔ جب مامون اٹھا تو شیر ابھی آپ سے اجازت مانگ رہے تھے۔ مامون کی توسٹی گم ہو گئی۔

آپ نے شیروں سے فرمایا۔

اس کے سلسلہ میں اللہ کی بھی ایک تدبیر ہے۔ جسے اس کی ذات پورا کرے گی۔

شیروں نے عرض کیا۔

قبلہ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا۔

اپنی جگہ پر چلے جاؤ۔

دونوں شیر قالین پر بیٹھ گئے۔ اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پہلے جیسی دو تصویریں ہو گئے۔

مامون نے عرض کیا۔ اے فرزند رسول اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے مسند اقتدار خالی کر دوں۔

آپ نے فرمایا۔

جہاں تک مانگنے کا تعلق ہے میں مانگوں گا نہیں، تیری اپنی مرضی ہے۔ جس چیز کا تعلق اللہ سے ہے اس نے ہمیں دے رکھا ہے اور تو ابھی ابھی اس کا مشاہدہ کر چکا ہے۔

بنی آدم کے جاہل، حاسد اور متعصب افراد کے سوا کائنات عالم کی ہر چیز ہمارے تابع فرمان ہے۔

یہ بھی اللہ کی ایک تقدیر ہے کہ اللہ نے یوسف جیسے نبی کو حکم دیا تھا کہ عزیز مصر کی غلامی قبول کرے۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جنہیں اگر جمع کیا جائے تو علیحدہ کتاب مرتب ہو۔

اسی قدرت الہیہ کی عنایت ہی سے تو نبی کونین اور آئمہ کرام ہر مرنے والے کے پاس تشریف لاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے صراحۃً حارث ہمدانی سے فرمایا تھا۔

یا حارث همدان	اے حارث ہمدانی جو بھی اس
من یمت یرنی من	دنیا سے جائے گا خواہ مومن
مومن او منافق	ہو یا منافق، ہو مجھے اپنے سرہانے
قبلا	دیکھے گا۔

بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی یہ کوشش اس لیئے کامیاب نہیں ہو سکی کہ روایت صرف ایک نہیں ہے بلکہ صحیح السند روایات ہیں جو حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔

ان لوگوں نے یہ استدلال لیا ہے کہ جسم واحد آن واحد میں مکان واحد پر ہی ہو سکتا ہے متعدد مکانات پر اس کے امکانات نہیں ہوتے۔

جب بے شمار روایات صحیح میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مرنے والے کے سامنے سے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور وہ آنحضور اور حضرت کو دیکھ لیتا ہے۔

بلکہ روایات صحیح کے مطابق ہر مرنے والے کے پاس آنحضور اور آئمہ بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں۔

سرکار کلینی اور اس پائے کے دیگر علماء نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ اگر

کوئی مومن اللہ کو قسم دے کہ مجھے نہ مار تو اللہ اسے نہ مارے گا۔ البتہ جب

اس کی عمر ختم ہو گی تو اللہ کی طرف سے اس پر دو صورتیں مسلط ہوں گی۔ ایک منسہ اور دوسری مسیخہ منسہ ہوا کے نتیجہ میں مومن اپنے مال اور اولاد وغیرہ سب کو بھول جائے گا۔ اور مسیخہ ہوا کے جھونکے سے وہ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔

جب ملک الموت کسی مومن کی روح قبض کرنے کی خاطر آتا ہے تو مومن اسے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ ملک الموت اسے کہتا ہے۔ دیکھو۔ میں آپ کے لیے آپ کے والدین سے بھی زیادہ مہربانی سے پیش آؤں گا آپ گھبرائیں نہیں۔ ذرا آنکھیں کھولیں۔ جب مومن آنکھ کھولے گا تو اسے اپنے اردگرد آنحضورؐ، حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نظر آئیں گے۔

اللہ کی طرف سے اسے ندا آئے گی۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی محمد و اہل بیتہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ، بالولا و بالثواب فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔	اے نفس مطمئنہ محمد و آل محمد اور اپنے اللہ کی طرف اس طرح پلٹ آ کر تو ان سے راضی ہو اور وہ تجھ پر راضی ہو وہ جب کہ تو ولایت آل محمد پر فائز تھا اس کا ثواب لے میرے بندوں یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کے مل جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ اس ندا کے بعد کوئی مومن ایسا نہیں ہوگا۔ جو اپنی موت میں خوشی محسوس نہیں کرے گا۔

عقبہ ابن سمعان سے امام صادق نے فرمایا۔

اے عقبہ کوئی مومن اور مومنہ ایسے نہیں ہیں جو وقت مرگ آنحضور اور حضرت علی کو نہ دیکھے۔

عقبہ نے عرض کیا۔

قبلہ کیا ان کی زیارت کے بعد وہ دنیا میں پلٹ آئے گا؟

آپ نے فرمایا۔

نہیں بلکہ وہ ان کے ساتھ جانے میں خوشی محسوس کرے گا۔

عقبہ نے عرض کیا۔

جب وہ تشریف لائیں گے تو کوئی بات بھی کریں گے؟

آپ نے فرمایا۔

ہاں۔ نبی کریم فرمائیں گے۔

اے مومن تجھے بشارت ہو میں محمد مصطفیٰ تجھے جنت کی بشارت دینے آیا ہوں۔ اور یہ تیرا امام علی مرتضیٰ ہے۔

پھر حضرت علی فرمائیں گے۔

اے مومن میں بھی تجھے بشارت دینے آیا ہوں تو نے میری محبت میں بہت زیادہ مصائب برداشت کیے تھے اب تمام مصائب ختم ہو گئے ہیں۔ یہاں سے منتقل ہونے کے بعد تو سیدھا جنت میں جائے گا

میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

عقبہ نے عرض کیا۔
قبلہ قرآن میں کہاں ہے۔
آپ نے فرمایا۔
سورۃ یونس کی آیت ہے۔

الذین اٰمنوا وکانوا	جو لوگ متقی مومن ہیں انہیں
یتقون لھم البشریٰ	دنیا میں بھی بشارت ملے گی
فی الحیوٰۃ الدنیا وفی	اور آخرت میں بھی۔ کلمات خدا
الاخرۃ لا تبدیل لکلمات	میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ یہی
اللہ ذلک الفوز العظیم	تو سب سے بڑی کامیابی ہے

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ جب مومن کا وقت وفات آتا ہے۔ تو آنحضور اس کے دائیں جانب اور حضرت علی اس کے بائیں جانب آکر تشریف فرما ہوتے ہیں اور آنحضور فرماتے ہیں۔

اے مومن تجھے بشارت ہو جس کامیابی کے لیے تو سختیاں جھیلتا رہا ہے۔ وہ تیرے سامنے ہے اور جس خوف سے تو گھبرا رہا ہے وہ ختم ہو چکا ہے۔ اگر اب دنیا میں واپس جانا چاہے تو زندگی اور دولت تجھے دیتے ہیں۔ اگر آخرت میں آنا چاہے تو ہمارا پڑوس تیرا حصہ ہے۔

مومن عرض کرے گا قبلہ اب دنیا کی ضرورت ہی نہیں آپ کی زیارت کے بعد دل نہیں کرتا کہ آپ سے جدا ہو جاؤں۔ جب اسے غسل و کفن دے کر دفن کیا جاتا ہے۔

اور نکیرین آکر سوال و جواب کرتے ہیں تو نکیرین اسے کہتے ہیں۔ اب بے فکر

ہو کر آرام سے اس طرح سو جا جس طرح دلہن سوئی ہے۔

پھر اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور وہ جنت کے نظارہ میں محو کر سو جائے گا۔

جب منافق کا وقت وفات قریب آتا ہے تو اس کے بھی دائیں اور بائیں آنحضورؐ اور حضرت علیؑ آجاتے ہیں۔

حضرت علیؑ عرض کرتے ہیں قبلہ یہ ہمارے دشمنوں سے محبت اور ہم سے عداوت رکھتا تھا اس وقت آپ اسے فرماتے ہیں اے بدنصیب تجھے جہنم کی بشارت ہو میں نے تیرا کونسا جرم کیا تھا جسکی سزا تو نے مجھے میرے اہل بیت کی عداوت سے دی۔ قبر میں اس کے سامنے جہنم کا دروازہ کھولا جائے گا اور آتش جہنم کے شعلے اس کی طرف لپک لپک کر آئیں گے جن کی حدت سے وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔

حسب ذیل پانچ علامات میں سے جس مرنے والے کے لیے کوئی ایک علامت ظاہر ہو سمجھ ہو کہ وہ مومن ہے اور بشارت جنت لے کے جا رہا ہے۔

۱۔ مرنے والے کا چہرہ سفید ہو جائے گا۔

۲۔ دونوں ہونٹ سکڑ جائیں گے۔

۳۔ ناک ذرا سی پھیلے گی۔

۴۔ پیشانی عرق آلود ہو جائے گی۔

۵۔ بائیں آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے گا۔

ابن ابی یعفور نے بتایا ہے کہ خطاب جہنمی عداوت آل محمد میں معروف تھا دم مرگ میں اس کی عیادت کو گیا وہ عالم غشی میں تھا میں نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔

مالی ومالك یاابن ابی طالب۔ اے ابن ابی طالب مجھے تیرے ساتھ کیوں بغض تھا۔

میں نے امام صادقؑ کو آکر یہ واقعہ بتایا تو آپ نے تین مرتبہ یہ قسم کھا کر فرمایا بخدا اس نے میرے جدامجد کو دیکھ لیا تھا۔

جہاں تک بعض علماء کی جسم مثالی کی تاویل کا تعلق ہے وہ قطعاً غیر معقول اور غلط ہے۔ کیوں کہ اس کا مبنیٰ یہ ہے کہ نفس ناطقہ اجسام مثالیہ میں تصرف کرتا ہے۔ اس مبنیٰ کی بنیاد یہ ہے کہ نفس ناطقہ اجسام متعددہ میں تصرف کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

حالانکہ اس مفروضہ کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے تحقیق دوائی۔

علامہ مجلسی اور ان کے علاوہ دیگر فضلائے وقت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ نفس ناطقہ کے اجسام متعددہ میں تصرف سے کوئی شے مانع نہیں ہے جہاں تک تاویل کنندگان کے اس دعوےٰ کا تعلق ہے کہ جسم واحد آن واحد میں امکنہ متعددہ پر نہیں ہو سکتا تو یہ دعوےٰ آنحضورؐ اور آئمہؑ کے علاوہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن آئمہ اور آنحضورؐ کے سلسلہ میں قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔ کیوں کہ روایات صحیحہ اس دعویٰ کے بطلان میں بمقدار وافر موجود ہیں۔ یہ فلسفہ کا قاعدہ ہے اور فلسفہ وہ علم ہے جو بنیادی طور پر اللہ کا منکر ہے۔

لہٰذا ایسا علم جس کا مبنیٰ انکار توحید پر ہو اس کے اصول کو اسلامی احکام پر فٹ نہیں کیا جا سکتا۔

فلسفہ تو ہر اس شی کا مخالف ہے جسے عقل انسانی ثابت نہ کر سکے۔ فلسفہ جنت و

جہنم کا منکر ہے۔ فلسفہ معاد و حشر کا منکر ہے۔ فلسفہ نکیرین کے سوال و جواب کا بھی منکر ہے۔

جب کہ اسلام نے بہت سے اعراض کا تجسم ثابت کیا ہے۔ اسلام تجسم اعمال کا قائل ہے۔

اسلام تجسم مال و دولت کا قائل ہے۔

اگر روایات میں صرف اس قدر ہوتا کہ ہر مرنے والا آنحضور کو اور حضرت علی کو دیکھے گا تو پھر یہ تاویل بھی ممکن تھی کہ۔ مرنے والے کے سامنے سے حجابات اٹھا لیے جائیں گے اور ہر مرنے والا آنحضور اور حضرت علیؑ کو ایک جگہ بیٹھا ہوا دیکھ لے گا۔

جب کہ روایات میں دیکھنے کا تذکرہ نہیں ہے روایات میں صراحۃً مذکور ہے کہ آنحضورؐ اور حضرت علیؑ مرنے والے کے پاس آتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں۔ اور اسے بشارت دیتے ہیں۔

یہ ایسے امور ہیں جن میں کسی بھی تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس مقام پر ارسطو کا فلسفہ اسلامی مسلمات کے خلاف ہے اور آئمہ اور آنحضورؐ کا حاضر و ناظر ہونا اسلامی مسلمات سے ہے۔

حضرت علیؑ اور آنحضورؐ سید الملائکہ ہیں۔ جب ملائکہ کے لیے آن واحد میں امکنہ متعددہ پر حضور تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر ان انوار الہیہ کے لیے کیوں نہ کیا جائے گا۔

تفسیر قمی میں امام صادق نے اپنے آباء و اجداد کے ذریعہ آنحضورؐ سے روایت کی ہے کہ جب شب معراج میں عالم بالا میں گیا تو میں نے ایک فرشتہ دیکھا جو ایک

لوح پر جھکا ہوا تھا نہ دائیں دیکھتا تھا نہ بائیں اس کی شکل سے غم ٹپک رہا تھا۔ میں نے جبریل سے پوچھا۔

یہ کون ہے؟

جبریل نے بتایا کہ یہ ملک الموت اور قبض ارواح میں مصروف ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر ملک الموت سے پوچھا۔ دنیا میں روزانہ جتنے لوگ فوت ہوتے ہیں کیا تو خود ان کی ارواح قبض کرتا ہے یا تیرے ساتھ اور معاون ملائکہ ہیں۔

ملک الموت نے عرض کیا میرا کوئی معاون نہیں ہے۔ میں تنہا ہوں اور خود ہر ایک کی روح قبض کرتا ہوں۔

آنحضور نے پوچھا۔

قبض روح یہیں بیٹھے بیٹھے کرتا ہے یا خود وہاں جاتا ہے۔

ملک الموت نے عرض کیا۔

قبلہ! میں خود ہر مرنے والے کے پاس جاتا ہوں۔ اللہ نے پورے عالم کو میرے سامنے اس طرح کر دیا ہے جس طرح آپ کے ہاتھ میں درہم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ میں روزانہ ہر گھر میں پانچ مرتبہ داخل ہوتا ہوں۔ جب کسی مرنے والے پر اس کے اہل خانہ روتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں۔ مت روئیں تو پھر آؤں گا۔

اور جب تک تم میں سے ایک بھی باقی ہوگا اس وقت تک آتا رہوں گا۔ میرا آنا اس وقت ختم ہوگا جب اس گھر میں کوئی متنفس نہ رہے گا۔

انوار نعمانیہ کی ایک روایت کے مطابق ملک الموت نے عرض کیا کہ اللہ نے اس عالم

کو میرے سامنے اس طرح کر دیا ہے۔ جس طرح بچے کے ہاتھ میں چڑیا ہوتی ہے

انوار نعمانیہ ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب ابراہیم نے ملک الموت سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تجھے اس شکل میں دیکھوں۔ جس شکل میں مومن کی روح قبض کرتا ہے۔

ملک الموت نے عرض کیا۔

تو پھر ایک لمحہ کے لیے رخ دوسری طرف فرمالیں۔

جناب ابراہیم نے رخ دوسری طرف کیا۔

ملک الموت نے عرض کیا اب ملاحظہ فرمایئے۔

جب جناب ابراہیم نے دیکھا تو آپ کو ایک انتہائی ایسا حسین وجمیل نوجوان نظر آیا جس کے پورے جسم سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

پھر جناب ابراہیم نے فرمایا۔ اب مجھے وہ صورت بھی دکھا دے جس صورت میں کسی کافر کی روح قبض کرتا ہے۔

ملک الموت نے عرض کیا۔

قبلہ آپ نہ دیکھ سکیں گے۔

جناب ابراہیم نے فرمایا۔ میں جب دیکھنا چاہتا ہوں تو کیسے نہ یہ دیکھ سکوں گا۔

ملک الموت نے عرض کیا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

رخ دوسری طرف فرمالیں۔

جناب ابراہیم نے رخ پھیرا۔

ملک الموت نے عرض کیا۔ قبلہ ملاحظہ فرمائیں۔ جناب ابراہیم نے جب دیکھا

تو آپ کے سامنے۔
شب تار کی طرح سیاہ۔ کھجور کی مانند بلند ایسا شخص کھڑا تھا جس کے ایک ایک مسام سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔
جناب ابراہیم دیکھتے ہی غش کر گئے۔
جب غش سے افاقہ ہوا تو فرمایا۔
اے ملک الموت اگر مومن کے لیے اور کچھ بھی نہ ہو تو دم مرگ تیری زیارت ہی اس کی خوشی کے لیے کافی ہو گی اور اگر کافر کے لیے اور کوئی بھی عذاب نہ ہو تو دم مرگ تجھے دیکھ لینا ہی اس کے عذاب کے لیے کافی ہو گا۔
اسی کتاب میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ۔
آنحضورؐ اپنے صحابہ میں سے ایک صحابی کی عیادت کو گئے۔ وہ سکرات موت میں مبتلا تھا۔
آپ نے فرمایا۔
اے ملک الموت میرا صحابی ہے ذرا نرمی برتنا۔
ملک الموت نے عرض کیا۔
قبلہ ہر مومن کی روح نرمی سے قبض کرتا ہوں۔
میں تو ہر دن ہر شخص کو پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں۔ میں ہر چھوٹے بڑے کو اس کے نام سے پہچانتا ہوں۔
ویسے اگر میں اپنی مرضی سے ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔
میں صرف اس وقت قبض روح کرتا ہوں جب اللہ کا حکم ہوتا۔

ان مسلمہ اور مصدقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت آن واحد میں متعدد مقامات پر بنفس نفیس حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ اور کسی بھی جگہ اس کا کوئی جسم مثالی نہیں ہوتا جب ملک الموت کو ایک وقت میں متعدد امکانات پہ حاضر و ناظر ماننے سے شرک نہیں ہوتا تو پھر آئمہ اہل بیت کو اگر آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر و ناظر مان لیا جائے تو کونسا شرک ہوگا اور کیسے شرک ہوگا۔

مرکار طبری نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ۔

جب کسی انسان کا آخری وقت آتا ہے تو ملک الموت بذات خود آتا ہے اور مرنے والے کو کہتا ہے۔

بندہ خدا ہر خبر کے بعد دوسری خبر کی توقع ہوتی ہے۔ ہر خط کے بعد دوسرے خط کی امید ہوتی ہے اور ہر قاصد کے بعد دوسرے قاصد کا انتظار ہوتا ہے۔ میں وہ خبر ہوں۔ وہ خط ہوں۔ اور وہ قاصد ہوں جس کے بعد کوئی خط کوئی قاصد اور کوئی اطلاع نہیں آئے۔

اللہ نے تجھے بلایا ہے سا اپنے مرضی سے آنا چاہے یا مجبوری سے تجھے بہر صورت لینے آیا ہوں۔

جب متوفی کے گھر والے روتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں۔

کس بات پر رو رہے ہو کیا میں نے اس پر کوئی ظلم کیا ہے۔ یا اس کا رزق کھایا ہے۔

میں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ اللہ نے اسے بلایا ہے اور میں اسے لینے آیا ہوں۔

میں پھر آؤں گا اور پھر آؤں گا حتیٰ کہ اس گھر میں جب تک ایک بھی سانس لینے والا ہوگا اس وقت تک آتا رہوں گا۔ اپنی فکر کرو۔

مؤلف:۔

اس قسم کی احادیث و روایات اتنی مقدار میں ہیں کہ اگر انہیں علیحدہ جمع کیا جائے تو کئی جلدیں مرتب ہوں۔ یہی مقام فکر ہے کہ جب ملک الموت کو اللہ کی طرف سے اتنی طاقت و قدرت عنایت کی گئی ہے تو پھر اولیاء کے لیے اس سے زائد قدرت کا تسلیم کرنا کیسے شرک ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر موجود بشمول ملائکہ انہی کے طفیل پیدا کیا گیا ہے۔

بلکہ ملائکہ تو ان کی شعاہائے نور میں سے ایک شعاع ہیں۔ جب ایک شعاع میں اتنی طاقت و قدرت ہے تو جو کل نور ہے اس میں اتنی قدرت ماننا کیسے شرک ہوگا۔

حضرت علیؑ نے حدیث معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لقد رای آیات ربہ الکبریٰ۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مجھ سے بڑھکر اللہ کی کوئی آیت کبریٰ نہیں ہے۔

سرکار علامہ تبریزی اپنی مؤلفہ بسلسلہ رجال تالیف میں حضرت علیؑ کا معجزہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

ولی حق سے اس قسم کے معجزات پر کسی تعجب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ تمام عالم امکان باذن خدا ولی حق کے تصرف کامل میں ہوتا ہے اور ولی حق کو پورے عالم امکان میں اس طرح تصرف حاصل ہوتا ہے جس طرح روٹی پکانے والے کو ہاتھ میں لیے آٹے کے پیڑے پر تصرف ہوتا ہے یہ اس کی مرضی ہوتی ہے کہ چاہے تو اسے

گول شکل دے۔ چاہے تو چوکور بنا لے۔ چاہے تو مستطیل بنائے اور چاہے تو مثلث بنائے۔ ولی حق کی مرضی ہے چاہے جس طرح تصرف کرے۔ مرد کو عورت بنا دے عورت کو مرد بنا دے۔ شیریں کو تلخ کر دے تلخ کو شیریں کر دے۔ بھیڑیے کو شیر بنا دے یا شیر کو بھیڑ بنا دے۔

مقام امام کو عوام کے مقام پر قیاس کرنا تقصیر ہے یا حماقت۔

امام اللہ کا وہ راز ہے جسے فلسفہ و کلام کے اصول سے نہیں تولا جا سکتا ہے۔

امام اللہ کا اسم اعظم ہے۔

امام من جانب اللہ علی کل شئی قدیر ہے۔

امام دست خدا ہے۔

امام قدرت خدا ہے۔

امام چشم الہی ہے۔

امام ایسے ہے جیسے کرہ ارض پر آفتاب۔

امام نور حق ہے۔

امام اللہ کا حجاب اکبر ہے۔

امام نور الہی ہے۔

امام سر خالق ہے۔

امام کا اس عنصری جسم سے رابطہ ایک عارضی رابطہ ہوتا ہے جو صرف ہمارے استفادہ کے لیے ہوتا ہے۔

مخلوق کا کوئی فرد خواہ تاریکی میں یا روشنی میں۔ خورد ہو گا بزرگ کسی بھی مقام

امام سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ نگاہ امام میں پورا عالم اسطرح ہوتا ہے جسطرح انگوٹھی میں نگینہ۔

علامہ جزائری شرح عوالی میں۔ ولی اللہ علیؑ کے متعلق فرمایا ہے۔

جہاں تک حقیقت علویہ کا تعلق ہے تو وہ۔ انا و علی من نور واحد کی نص کے مطابق نور مجرد ہے۔

یہ مشیت ایزدی ہے کہ جس مناسب صورت میں چاہے اسے ہمارے سامنے پیش کر دے۔ گویا یہ امام کسی ایک صورت میں محدود اور منحصر نہیں ہوتا جس صورت میں چاہے۔ جب چاہے۔ جہاں چاہے اور جیسے چاہے ظاہر ہو۔ ہر نبی کے ساتھ حضرت علیؑ سراً مبعوث ہوئے اور آنحضور کے ساتھ ظاہراً مبعوث ہوئے۔

مفتاح حب الولایۃ میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ ایکدن حضرت علیؑ اپنے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ دختر رسول اور حسنین بھی تھے کہ دق الباب ہوا آپ تشریف لائے دیکھا جناب مقداد کھڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا مقداد خیریت تو ہے کوئی کام ہے۔

مقداد نے عرض کیا۔ قبلہ ایک خواہش ہے اگر نوازش فرمائیں تو۔؟

آپ نے فرمایا۔

مقداد بتاؤ کیا بات ہے؟

مقداد نے عرض کیا۔ قبلہ آج ماہ رمضان کی اولین شب ہے میری خواہش ہے کہ آج رات آپ میرے غریب خانہ پر گزاریں۔

آپ نے فرمایا۔

مقداد میں ضرور آجاؤں گا۔ انشاءاللہ۔

آپ واپس تشریف لائے دختر رسول کے استفسار پر آپ نے بتایا کہ مقداد نے آج رات کی دعوت دی ہے۔

ابھی انہی باتوں میں تھے کہ دق الباب ہوا۔ آپ دروازہ پر تشریف لائے دیکھا تو جناب عمار تھے۔

جناب عمار نے بھی وہی خواہش کی جو مقداد کی تھی۔ آپ نے وعدہ کرلیا۔ واپس آئے مسند پر بیٹھے ہی تھے کہ پھر دق الباب ہوا دروازہ پر آئے تو جناب ابوذر تھے۔

ابوذر نے بھی وہی خواہش کی جو جناب مقداد اور عمار کر چکے تھے۔ آپ نے جناب ابوذر سے بھی وعدہ فرمالیا۔ دوسرے دن جب مسجد میں صحابہ آنحضور کے پاس تشریف لائے تو۔

جناب مقداد ازراہ تفاخر کہا رات ولی خدا حضرت علیؑ میرے گھر تھے ابھی اپنے گھر تشریف لے گئے ہیں۔

جناب عمار نے عرض کیا۔

قبلہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مقداد درست نہیں کہہ رہے لیکن خود حضرت علیؑ گواہی دیں گے کہ انہوں نے تمام رات میرے گھر گذاری ہے۔

جناب ابوذر نے عرض کیا۔

قبلہ یہ دونوں آپ کے پرانے صحابی ہیں میں ان کی نسبت ذرا نیا ہوں میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ دونوں درست نہیں فرمارہے لیکن آپ حضرت علیؑ سے پوچھ لیں انہوں نے پوری رات میرے غریب خانہ پر گذاری ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا سب میں تمہیں کیا کہوں۔

رات جناب ام سلمہ نے مجھ سے خواہش کی کہ آج حضرت علیؑ اگر ہمارے گھر رات گزار لیتے تو میں آپ دونوں بھائیوں کی علمی گفتگو سے کچھ حاصل کر لیتی۔ چنانچہ میں نے علی سے کہا۔

اور علی تمام رات میرے ساتھ رہے ہیں۔

شہزادہ حسنؑ نے عرض کیا۔

قبلہ رات تو ہم دونوں بھائیوں نے اپنے بابا کو باہر جانے ہی نہیں دیا اور وہ ہمیں اسرار امامت سے نوازتے رہے۔

استنے میں جبریل نے آکر سلام ربانی پہنچانے کے بعد عرض کیا۔ قبلہ آپ سب بھی سچ ہی فرماتے ہوں گے لیکن رات تو علی ساتویں آسمان پر ملائکہ کیساتھ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے ہیں۔

جب منافقین نے یہ بات سنی تو کہنے لگے۔

لو نئی بات سنو۔

بندہ ایک ہے اور مقام چھ ہیں اور ہر ایک کہتا ہے کہ علی میرے گھر میں تھا۔ بھلا علیؑ ایک ہے یا چھ؟

آنحضورؐ نے ان سے مسکرا کر فرمایا تم بھی سچ کہتے ہو کیونکہ تم ... بغض علی پر ادھار کھائے بیٹھے ہو ذرا سا سمجھنے کی کوشش کر تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ اور وہ یوں کہ۔

علی کو اللہ نے آفتاب کی مانند بنایا ہے۔ علی جب بھی چاہے آفتاب کی مانند بن جائے اور کرہ ارض پہ ہر باشندہ جس طرح یہ کہتا ہے کہ۔ آفتاب میرے گھر میں چمک رہا ہے اسی طرح اگر علی چاہے تو بھی کرہ ارض کا ہر رہنے والا کہہ سکتا ہے کہ

علیؑ میرے پاس تھا یا میرے گھر میں تھا۔

وجہ واضح ہے کہ ذات احدیث نے ان نفوس قدسیہ کو ایسی قدرت کاملہ سے نوازا ہے کہ اگر چاہیں تو آن واحد میں چالیس جگہ رہیں اور اگر چاہیں تو ایک جگہ رہیں۔

اس جگہ یہ کہنا کہ دیگر آئمہ سے ایسا کیوں منقول نہیں صرف حضرت علیؑ سے ایسا کیوں منقول ہے۔

یا آنحضورؐ کے لیے ایسا کیوں منقول نہیں۔

(تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ جو علمی کمالات اور شجاعت حضرت علیؑ سے منسوب ہے وہ آنحضورؐ سے کیوں منسوب نہیں۔ یا دیگر آئمہ سے کیوں منسوب نہیں۔ یا شجاعت کے جو جوہر حضرت علیؑ نے آنحضورؐ کے ساتھ دکھائے، وہ جوہر وفات رسول کے بعد کیوں نہ دکھائے۔

اللہ نے حضرت موسیٰ کو کیوں کلیم بنایا اور آنحضورؐ کو کیوں کلیم نہ بنایا جب کہ افضل آنحضور ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو کیوں روح اللہ بنایا اور آنحضورؐ کو کیوں روح اللہ نہ بنایا جبریل کو کیوں امین وحی بنایا۔ اسرافیل۔ میکائیل یا عزرائیل کو امین وحی کیوں نہ بنایا۔

اولنا محمدؐ انح کے مطابق چونکہ تمام کے تمام نور واحد تھے۔ اس لیے جو کمالات ایک میں تھے وہی سب میں تھے۔ ایک سے ظہور کمالات کرا دیئے، دوسروں سے نہ کرائے۔

ایک کو موقعہ فراہم کر دیا دوسروں کو نہ کیا۔ یہ مشیت خدا ہے موقعہ کا نہ ملنا سلب کمالات و قدرت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

جیسا کہ بصائر الدرجات میں جناب صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں۔

لو کانت الجدران	اگر یہ دیواریں ہمارے اور
تحجبنا عنکم فما	تمہارے درمیان حجاب بن
الفرق بیننا و	جائیں تو پھر ہمارے اور تمہارے
بینکم ۔	درمیان کیا فرق رہ جائے گا ۔

یہ اعتراضات بالکل ایسے ہیں جیسے منافقین کیا کرتے تھے ۔ اگر آنحضور نے شق القمر کیا ہے اور آپ کے علاوہ کسی اور معصوم نے شق القمر نہیں کیا یہی کہا جائے گا کہ دوسروں میں شق القمر کی قدرت نہ تھی ؟

اگر حضرت علیؑ نے رد شمس کیا ہے اور دیگر آئمہ نے رد شمس نہیں کیا تو کیا کہا جائے گا کہ دوسروں میں رد شمس کی قدرت نہ تھی ؟

ایسا ہرگز نہیں ہر ایک اپنے وقت میں ولی مطلق تھا اور ولی مطلق ہونے کی حیثیت سے ہر ایک تمام ان کمالات کا جامع تھا جو آنحضور میں تھے ۔ عدم اظہار عدم قدرت کی دلیل نہیں ہوتا ۔ اور نہ عقلا اسے تسلیم کرتے ہیں ۔

سورج ایک ہوتا ہے ۔ کرن ایک ہوتی ہے شعاع ایک ہوتی ہے لیکن دھنک میں اس کے رنگ سات نظر آتے ہیں ، ساتوں میں سے کوئی بھی رنگ غیر اصلی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی رنگ شعاع آفتاب کا جسم مثالی ہوتا ہے سب کے سب رنگ جسم حقیقی ہوتے ہیں اور اصلی ہوتے ہیں ۔

یا اگر سبز آئینہ پر دھوپ پڑے تو سبز نظر آتی ہے ۔ سرخ پہ پڑے تو سرخ نظر آتی ہے اور زرد پہ پڑے تو زرد نظر آتی ہے کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک رنگ حقیقی ہے اور دوسرے رنگ مثالی ہیں ؟

سب رنگ حقیقی ہیں فرق صرف قابل میں ہوتا ہے سورج ایک ہے چونکہ

ظرف مختلف ہیں اس لیے رنگ بھی مختلف ہیں۔

آل محمدؐ کے سلسلہ میں اس قسم کے جتنے اعتراضات ہیں ان کی متعدد وجوہ ہیں۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسے لوگوں کا نظریہ توحید اتنا محدود ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فلاں صفت کسی اور میں فرض کر لی گئی تو اللہ بے چارہ تو ختم ہو کر رہ جائے گا اور غیر اللہ میں وہ صفت ماننے والا مشرک ہو جائے گا۔

کچھ لوگوں میں حسد ہوتا ہے کیونکہ آل محمدؐ محسود ہیں۔ اس لیے وہ لوگ کوئی بھی صفت آل محمدؐ کے لیے ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔

کچھ احمق ہوتے ہیں ان کے پلے ہی کچھ نہیں پڑتا۔

حالانکہ شرک صرف اور صرف اللہ کے ساتھ کسی غیر اللہ کو معبود سمجھنے میں ہے

علاوہ ازیں کوئی صفت ایسی نہیں جو اللہ میں اور مخلوق خدا میں نہ ہو۔

آپ ذرا ٹھنڈے دل سے چند صفات پر تو یہ ہی کا جائزہ لے لیں۔

اللہ قادر ہے۔

اب کون غیر اللہ ہے جو اپنے مقام پر عاجز ہو۔ ہر غیر اللہ پہ قادر ہے۔ لیکن فرق ہے اللہ کی قدرت اس کی ذاتی ہے اور غیر اللہ کی قدرت اللہ کی عطیہ ہے۔

اللہ عالم ہے۔

کون غیر اللہ ہے جو عالم نہیں ہے۔ اللہ بھی عالم ہے۔ انبیاء و آئمہ بھی عالم تھے۔ اور شیخ صدوق وغیرہ بھی عالم تھے۔ علم من حیث العلم میں تو شریک ہیں۔ لیکن اللہ کا علم ذاتی ہے۔ آئمہ و انبیاء کا علم وہبی ہے اور شیخ صدوق کا علم کسبی ہے۔

یہی صورت۔ حی، مرید، مدرک، متکلم۔ اور صادق وغیرہ میں ہوگی۔ اللہ کی حیات ذاتی ہے غیر اللہ کی وہبی۔

اللہ کا ارادہ ذاتی غیر اللہ کا وہبی۔

اللہ کا ادراک ذاتی غیر اللہ کا وہبی۔

اللہ کا تکلم ذاتی غیر اللہ کا وہبی اور کسبی۔

اللہ کی صداقت ذاتی غیر اللہ کی وہبی اور کسبی۔

کب کوئی غیر اللہ صفات خالق میں شریک نہیں ہے۔ جب غیر معصوم صفات خالق میں مذکورہ فرق کے ساتھ ہیں تو معصوم کو صفات خالق میں شریک مان لینے سے کیسے شرک ہوگا۔

صفات سلبیہ کو لیجئے۔

اللہ مرکب نہیں ہے۔ روح مرکب نہیں۔

اللہ کسی شے میں حلول نہیں کرتا۔ اکثر ٹھوس اجسام ایسے ہیں جو ایک دوسرے میں حلول نہیں کرتے۔

اللہ محل حوادث نہیں۔ لیکن یہ مطلقاً ایسا نہیں ہے۔ رضا اور غضب حوادث سے ہیں۔ ایک گناہ گار پر اللہ ناراض ہوتا ہے اور صالح پر راضی ہوتا ہے۔

اس صفت میں ہر غیر اللہ اللہ کے ساتھ شریک ہے۔ وہ کون ہے جو اپنے فرمانبردار پر خوش نہ ہو اور نافرمان پر ناراض نہ ہو۔

اللہ نظر نہیں آتا۔ روح نظر نہیں آتی۔ عقل نظر نہیں آتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ کے صفات ذات خدا سے جدا نہیں۔ سرخ سے سرخی۔ سفید سے سفیدی وغیرہ جدا نہیں اگر سرخ سے سرخی جدا ہو جائے تو وہ سرخ نہیں رہے گا۔

غرض قدم۔ ازلیت اور معبودیت ان تین صفات کے علاوہ کوئی صفت ایسی نہیں ہے جس میں غیر اللہ شریک نہ ہوں۔

فرق وہی رہے گا کہ اللہ کے یہ صفات کسی سے حاصل کردہ نہیں ہیں اور غیر اللہ کے صفات کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے عنایت کردہ ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو کسبی ہوتے ہیں۔

لہٰذا قدم قدم پر شرک شرک کی رٹ لگانا۔ نفاق، حسد، بغض اور حماقت میں اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

(مترجم)

مجلسی میں جناب مقداد سے مروی ہے کہ میں خندق کے کنارے کھڑا تھا۔ اور کفار قریش کی شکست کا منظر دیکھ رہا تھا۔ میں نے جب جنگ خندق سے بھاگنے والے قریشیوں کے اٹھارہ دستے دیکھے اور ہر دستہ کے تعاقب میں حضرت علیؑ کو دیکھا اور جب اس جگہ دیکھا جہاں حضرت علیؑ کھڑے تھے تو وہاں بھی علی موجود تھے۔

یہی حالت جنگ جمل میں بھی مروی ہے۔

اسی لیے طلحہ سے جب پوچھا گیا کہ تجھے کس نے مارا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے علیؑ نے مارا ہے۔

جناب جابر نے اسے ملامت کی کہ بندہ خدا اس دنیا سے اب جا رہا ہے پھر بھی تیرے دل سے بغض علی نہیں گیا۔ علی نے تو کبھی تیر اٹھایا ہی نہیں اس کے ہاتھ میں کبھی کسی نے تیر نہیں دیکھا اور تجھے تیر لگا ہوا ہے اور کچھ لوگوں نے دیکھا بھی ہے کہ تجھے مروان نے مارا ہے۔

طلحہ نے کہا۔

جابر کاش تم دیکھ سکتے کہ علی کیا ہے؟۔
اب اس وقت علی سمجھ میں آرہا ہے جب میری سمجھ مجھے فائدہ نہ دے گی جب ہمارے لشکر نے شکست کھائی تو میں دیکھ رہا تھا کہ جس کسی کے پاس جو بھی ہتھیار تھا علی اسے اسی کے ہتھیار سے مار رہا تھا۔ مجھے ہر طرف علیؑ ہی علیؑ نظر آتا تھا۔ میں نے علیؑ کو تیر مارنا چاہا لیکن اس کے تیر نے مجھے پہلے نشانہ بنا لیا۔
(بعض علماء نے لکھا ہے کہ طلحہ کو مارا تو مروان ہی نے تھا۔ لیکن طلحہ کو حضرت علیؑ بشکل مروان نظر آئے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگرچہ حضرت علی اور تمام آئمہ میں تشکل باشکال مختلفہ کی قدرت تھی لیکن حضرت علی کا بشکل مروان متشکل ہونا درست نہیں کیونکہ حضرت علیؑ اپنی قدرت اور قوت متصرفہ کے باوجود عالم کون میں کبھی ایسا تصرف نہیں کیا جو ان کے شایان شان نہ ہو۔
مروان جو طرید رسول تھا کی شکل میں آجانا ان کے شایان شان نہیں ہے۔
میرے خیال میں طلحہ چونکہ بغض حضرت علیؑ کے آخری مرتبہ پر تھا۔ اور بغض علیؑ ہی اس کی موت کا سبب بنا تھا۔
اس لیے اگرچہ اسے مروان نے مارا تھا لیکن اس نے اسے حضرت علیؑ سے تعبیر کیا کہ۔
مجھے بغض علیؑ نے مارا ہے۔ یعنی اگر عداوت علیؑ میں میں اس حد تک آگے نہ جاتا اور آپ کے خلاف لشکر کشی میں برابر کا حصہ دار نہ ہوتا تو آج اس طرح نہ مرتا۔
(مترجم)

خلاصہ کلام یہ کہ ملائکہ میں اتنی قابلیت ہے کہ وہ بجس العین کے علاوہ کسی بھی شکل و صورت میں آجائیں۔ اور گیارہ محرم سے تا دفن ملک ہی تھا۔ جو بشکل شیر غریب زہراؑ اور دیگر لاشہ ہائے ذریت رسول کی حفاظت کرتا رہا ہے۔

دفن غریبان کربلا

سرزمین کوفہ کے فضائل :-

اگر سرزمین کوفہ کی کوئی اور فضیلت نہ بھی ہو تو بھی شرف کوفہ کے لیے یہی کافی ہے کہ:

وادی کوفہ امیرالمومنین محب رسول رب العالمین اور محبوب خداوند خاتم النبیین کا مدفن ہونے کے علاوہ بہتر شہدائے کربلا کا مدفن ہے۔

سرزمین کوفہ حضرت علیؑ اور اولاد علی کے شیعوں کا مرکز ہے۔

خصال میں امام رضاؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ذات احدیت نے کرہ ارض میں سے چار مقامات کو منتخب فرما کر اسے مشرف اور محترم فرمایا۔ ارشاد قدرت ہے۔

والتین والزیتون وطور سینین و ھذا

خطہ تین۔ خطہ زیتون۔ کوہ طور اور اس پر امن شہر کی قسم

البلد الامین ۔ کوہ طور سرزمین کوفہ ہے اور
پرامن شہر مکہ ہے ۔

بصائر الدرجات میں امام صادق سے مروی ہے کہ ذات احدیث نے ہم اہلبیت کی ولایت جب اہالیان ارض پر پیش کی تو سب سے پہلے اہالیان کوفہ نے لبیک کہی ۔

بصائری میں ابو بصیر نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ ذات احدیث نے جب ہماری ولایت اہالیان ارض پر بشمول بر و بحر اور وادی و کوہ پیش کی تو سب سے پہلے جن لوگوں نے ہماری ولایت کو قبول کرنے کا اعلان کیا ہے وہ اہل کوفہ تھے ۔

بصائری میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے کوفہ کے متعلق فرمایا، کوفہ ہمارا شہر ہے ہمارا مقام نزول ہے اور ہمارے شیعہ کا مرکز ہے ۔

بصائری میں امام صادق سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے سرزمین کوفہ کی وہ مٹی ہے جو ہم سے محبت رکھتی ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں ۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ سرزمین کوفہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ۔

اے سرزمین کوفہ میں نگاہ امامت سے دیکھ رہا ہوں کہ تو اس طرح پھیلے گی جس طرح ادھوڑی پھیلتی ہے اور تجھے حادثات زمانہ میں رہے ہیں ۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ جس بھی جابر اور ظالم نے تجھے نظر بد سے دیکھا اللہ اسے یا تو کسی مہلک مرض میں مبتلا کر دے گا یا اسے موت کا جام پلائے گا ۔

سچ فرمایا ہے سید الصادقین نے ۔

سرزمین کوفہ نے جتنے حادثات دیکھے ہیں اور جتنا خون اس زمین پر گرا ہے

شاید ہی کسی اور زمین پر گرا ہوگا

تاریخ ان حادثات سے بریز ہے جو سرزمین کوفہ پر جا جا کر آتے رہے اور آ آ کر جاتے رہے۔

مہران حسین نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔

جن ظالموں کو اللہ نے مبتلائے مصائب کیا ہے۔ ان میں سے معروف ترین حسب ذیل ہیں۔

زیاد ابن ابیہ :۔

اس نے اہالیان کوفہ کو مسجد کوفہ میں اس لیے جمع کیا تاکہ حضرت علیؑ پر سب کیا جائے۔ جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو دربان نے لوگوں سے کہا اب واپس چلے جاؤ۔ اب زیاد اس قابل ہی نہیں رہا کہ وہ تمہیں کوئی حکم دے سکے۔ اسے ابھی ابھی فالج ہو گیا ہے۔

عبید اللہ ابن زیاد :۔

اسے جذام ہو گیا تھا۔

حجاج ابن یوسف ثقفی :۔

اس کے پیٹ میں سانپ پیدا ہو گئے تھے۔ جو وقتاً فوقتاً اس کی ناک، منہ اور پاخانہ گاہ سے نکلتے رہتے تھے۔ جنہیں دربار میں بیٹھنے والے بھی دیکھتے تھے۔ اسی حالت میں یہ ملعون واصل جہنم ہوا۔

عمرو ابن ہبیرہ :۔

اسے برص ہو گیا تھا۔

یوسف ابن عمرو ابن ہبیرہ :۔

یہ بھی باپ کی طرح مبروص ہو گیا تھا۔

خالد قشری :۔

اسے زندان میں ڈالا گیا تھا اور کھانے کو کچھ نہ دیا۔ بھوک سے مر گیا تھا۔
جو ظالم حکمران موت سے دوچار ہوئے ان کی تعداد تو کہیں زیادہ ہے۔ ان میں سے معروف افراد یہ ہیں۔

عبیداللہ ابن زیاد۔
مصعب ابن زبیر۔
ابو السرایا۔
یزید ابن مہلب وغیرہ۔

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ ایک دن میں آنحضورؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضرت علیؑ تشریف لائے۔ نبی کریم اپنی مسند سے اٹھے۔ جبین علیؑ کا بوسہ لیا اور فرمایا۔

یا علیؑ اللہ نے تیری ولایت آسمانوں پر پیش کی سب سے پہلے جس نے تیری ولایت کو قبول کیا وہ ساتواں آسمان تھا۔ اللہ نے اسے عرش سے آراستہ کر دیا۔

پھر چوتھے آسمان نے تیری ولایت کا اعلان کیا اللہ نے اسے بیت المعمور
سے مزین فرمایا۔
تیسرے نمبر پر آسمان اول نے تیری ولایت کا اعلان کیا اللہ نے اسے ستاروں
سے روشن فرما دیا۔
اس کے بعد خلاق کونین نے تیری ولایت کرہ ارض پر پیش کی سب سے پہلے
جس زمین نے تیری ولایت کو قبول کیا وہ وادی بطحا تھی جسے اللہ نے کعبہ سے
مشرف فرمایا۔
دوسرے نمبر پر ارض مدینہ نے تیری ولایت کا اعلان کیا اسے اللہ نے
مجھ سے معزز فرمایا۔
تیسرے نمبر پر سرزمین کوفہ نے تیری ولایت کو قبول کیا۔ اللہ نے اسے
تجھ سے محترم فرمایا۔
اور چوتھے نمبر پر سرزمین قم نے تیری ولایت کا اعلان کیا۔ اللہ نے اسے
علم کا گہوارہ بنا دیا۔ اور درہائے جنت میں ایک در جنت سرزمین قم میں کھولایا۔
تبرکا سرزمین کوفہ کے فضائل میں یہی کچھ کافی ہے۔ ورنہ آئمہ اہل بیت سے
اس سلسلہ میں جو کچھ منقول ہے اگر تمام کو جمع کیا جائے تو اولاً ہم اپنے موضوع
سے ہٹ جائیں گے اور ثانیاً ایک ضخیم جلد علیحدہ بنے گی۔
البتہ اس مقام پر ایک انتہائی ضروری نکتہ کی طرف متوجہ کرنا اہم ہے
اور وہ یہ ہے کہ۔

اہالیان کوفہ ہمیشہ بے وفا رہے۔

یہ کوفہ والے ہی تھے جنہوں نے معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دیا۔
یہ کوفہ والے ہی تھے جنہوں نے امام حسنؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔
یہ کوفہ والے ہی تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو بلا کر نہ صرف تنہا چھوڑ دیا بلکہ فوج یزید میں شامل ہو گئے۔

یہ کوفہ والوں ہی کے متعلق تو ضرب المثل ہے۔

الکوفی لا یوفی۔ کوفی کبھی وفا نہیں کرے گا

اس سوال کا جواب بڑا آسان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے اپنی ظاہری خلافت کے زمانہ میں کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے جنگ جمل میں ہراول دستہ کوفیوں کا تھا۔ پھر جنگ صفین اور جنگ نہروان میں کوفی ہی آگے آگے رہے۔ اب ظاہر ہے ان جنگوں میں اگر مارنے والے کوفی تھے۔ تو مرنے والے بھی تو کوفی ہی تھے جتنے جنگ میں جاتے تھے اتنے ہی تو واپس نہیں آتے تھے۔

صلحاء اور ابرار کوفہ کی ایک وافر مقدار ان جنگوں میں قربان ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے آخری ایام خلافت میں جو خطبات ہیں ان میں آپ اہل کوفہ کا شکوہ فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے جانثاروں کی معتدبہ تعداد کو جمل، صفین۔ اور نہروان کھا گئے تھے۔ دوسری طرف معاویائی پروپگنڈہ اور جاسوسی کا بچھا ہوا جال تھا جو محلہ محلہ میں اپنا کام کر رہا تھا۔

پھر حضرت علیؑ کے بعد زیاد معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اب تاریخ سے پوچھے کہ زیاد نے کس طرح محبان آل محمدؐ کے خون سے ہولی کھیلی۔ کس طرح شیعیان آل محمدؐ کے گھر لوٹ کر پھنکوا ڈالے۔ زیاد نے شیعہ چھوڑے ہی کب تھے جو فرزند رسول

کی حمایت کرتے۔ زیاد کی تلوار سے تو وہی بچ گئے تھے جو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے۔

اس جبر و تشدد۔ اور ظلم کی چکی میں پسنے کے بعد کب ہمت رہ جاتی ہے۔ اور کب کسی سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

بے چاروں کے جذبات تو چاہتے تھے کہ آل نبیؐ کی مدد کریں لیکن حوصلہ اور ہمت جواب دے جاتا تھا۔ جب بھی انہیں حوصلہ میسر آتا تھا اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

کوفی ہی تھے جنہوں نے مظلومین آل محمدؐ سے انتقام کی آواز دینے پر مختار کو لبیک کہی تھی۔ اور چن چن کو قاتلین شبیر اور ذریت شبیر کو تہ تیغ کیا۔ سلیمان ابن صرد خزاعی اور ابراہیم ابن مالک اشتر کا ساتھ دے کر قاتلان ذریت رسول کو واصل جہنم کرنے والے بھی تو اہل کوفہ ہی تھے۔

امام حسینؑ سے مروی ہے کہ ایکدن حضرت علیؑ نے اپنے ایک کوفی مجاہد کو دیکھا جو بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ بندہ خدا بوڑھے بہت ہو چکے ہو۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کی محبت میں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ تجھے سزا ملے گی۔

اس نے عرض کیا۔ آپ کی محبت میں ملنے والی سزا تو ہر مزہ ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ ابھی تیری عمر کافی ہے۔

اس نے عرض کیا۔

اللہ کرے آپ کی محبت میں گزرے۔

وہ بھی تو کوئی ہی تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کو سب نہ کیا لیکن اپنی جان دے دی وہ بھی تو کوئی ہی تھے جن سے پوچھا جاتا تھا کہ دو میں سے ایک قبول کر لو، موت یا علی پر سب۔ اور وہ کہتے تھے علی پر سب کرنا مشکل ہے اور محبت علیؑ میں جان دینا آسان ہے۔

مجالس میں عبداللہ ابن ولید سے مروی ہے کہ ہم امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟

ہم نے عرض کیا۔ کوفہ سے۔

آپ نے فرمایا۔ روئے ارض پر کوئی شہر ایسا نہیں جس میں ہمارے شیعوں کی تعداد شیعیان کوفہ کے برابر ہو۔

اللہ نے آپ کو ایسے امر کی ہدایت دی ہے جس سے دوسرے لوگ جاہل رہے ہیں۔

تم لوگوں نے ہم اہل بیت سے محبت رکھی۔

جب دوسروں نے ہم سے بغض کیا۔

تم لوگوں نے ہماری تصدیق کی اور دوسروں نے ہمیں جھٹلایا۔

تم لوگ ہمارے نقش قدم پہ چلے جب کہ دوسروں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اس کے عوض اللہ نے تمہاری زندگی ہمارے جیسی اور تمہاری آخرت ہمارے جیسی مقدر کر دی ہے۔

عیون اخبار الرضا میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

میں نظر امامت سے دیکھ رہا ہوں کہ قبر حسینؑ کے گرد بڑے بڑے محلات بن

چکے ہیں۔ اور کوفہ سے جوق در جوق لوگ میرے حسین کی زیارت کو چلے آرہے ہیں۔

اس سلسلہ کی آخری بات جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امام سجاد اور بنات زہرا نے اپنے خطبوں میں اہل کوفہ کی مذمت کی ہے تو اس مذمت کا تعلق تمام اہل کوفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف ان لوگوں سے ہے جنہوں نے آل محمد کی نصرت نہیں کی۔ جن کے متعلق تاریخ بتاتی ہے کہ۔ ان کے دل امام حسینؑ کے ساتھ تھے اور تلواریں یزید کے ساتھ تھیں۔ ان سے بھی اس مذمت کا تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وقت اور حالات کے مطابق وہ لوگ خدا معلوم کتنے بے بس اور مجبور تھے۔

دفن شہداء

یہ تو مسلم ہے کہ دفن غاضریہ میں رہنے والے ان بنی اسد نے کیا ہے جن سے آپ نے زمین کربلا خریدی تھی۔ اور جنھیں جناب حبیب ابن مظاہر نویں محرم کی رات کو لینے گئے تھے اور عمر سعد کی فوج نے انہیں واپس بھیج دیا تھا۔

اس بات میں مورخین کا اختلاف ہے کہ بنی اسد کے دفن کا سبب کیا بنا تھا۔

اس سلسلہ میں مورخین کے دو نظریات ہیں۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ چونکہ امام حسینؑ نے خرید اراضی کے بعد بنی اسد کے لیے اس زمین میں تصرف کو جائز قرار دیا تھا اور انہیں تین شرائط کا پابند کیا تھا۔ یعنی اگر تم نے ان شرائط کی پابندی کی تو جو زمین میں نے تم سے نقد رقم کے عوض خریدی ہے، اس زمین سے کھانا تمہارے لیے جائز ہوگا۔ اور اگر تم نے ان شرائط کی پابندی نہ کی تو پھر تمہارے لیے اس کا تصرف حرام ہوگا۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ تم ہماری لاشوں کو دفن کرو گے چنانچہ ایفائے شرط کے لیے بنی اسد نے شہدائے کربلا کو دفن کیا۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنی اسد ابن زیاد کے خوف سے سہم گئے تھے۔ اور وہ اس شرط پر عمل کرنے کو تیار نہ تھے۔ بنی اسد کی مستورات جب دریائے فرات سے پانی پانی ..... کی خاطر آئیں اور انہوں نے میدان کو خالی دیکھا سوائے آل محمدؐ کی بے سر لاشوں کے انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ تو انہیں یقین ہو گیا کہ ظالم اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے بعد مظلوموں کے وارثوں کو رسن بستہ کر کے چلے گئے ہیں۔ اب تو نہ ظالموں کی طرف سے کوئی نگران ہے اور نہ مظلوموں کے لاشوں کا کوئی پاسبان ہے۔

یہ دیکھ کر مستورات بنی اسد واپس جب اپنے گھروں میں آئیں تو انہوں نے پانی کے مشکیزے زمین پر پھینک دیئے۔ دوپٹے اتار دیئے۔ سروں میں خاک ڈالی اور نوحہ و بکا میں مصروف ہو گئیں۔ بنی اسد کے مردوں نے جب ان مستورات کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے اس گریہ کی وجہ پوچھی۔ جب تک تمام مرد جمع نہ ہو گئے۔ اس وقت تک ان مستورات نے کسی کو کچھ نہ بتایا جب تمام مرد جمع ہو گئے تو ان مستورات نے کہا۔

آج تیسرا دن ہے اولادِ رسول کے بے گناہ مقتولوں کے لاشوں بے گور و کفن پڑے ہیں۔

کیا تم مسلمان نہیں ہو؟

کیا تم ان مقتولوں کو اہل اسلام نہیں سمجھتے؟

جب وہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے ذبح ہوتے رہے اس وقت تم نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ اس وقت تو تمہیں ابن زیاد کا خوف تھا۔ اب تو وہ کل سے واپس چلے گئے ہیں۔ آج میدان میں آل رسول کی پارہ پارہ بے سر لاشوں کے سوا میدان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ یزیدیوں نے اپنے ہزاروں لاشے تو

دفن کر دیے ہیں لیکن آل محمدؐ کے انگلیوں پر گنے جا سکنے والے ان ملاعین نے دفن نہیں کیے۔

آخر تم روز محشر سرور انبیاء کو کیا منہ دکھاؤ گے اگر ہم سے مادر حسینؑ نے پوچھ لیا تو ہم کیا جواب دیں گی۔

تمام مردوں نے کہا۔

زیادہ جذباتی نہ بنو۔ کچھ سوچو۔

آخر ابن زیاد وقت کا حکمران ہے اور حکمران وقت کے مقتول خواہ کوئی بھی ہوں انہیں اس کی اجازت کے بغیر دفن نہیں کیا جا سکتا۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ آل رسول کی طرح ہم سب قتل ہو جائیں اور زہرا زادیوں کی طرح تمہیں رسن بستہ کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔

مردوں کا یہ جواب سنکر تمام مستورات نے باہمی مشورہ کیا۔ اور مردوں سے کہا۔

ٹھیک ہے تمہیں ابن زیاد سے اپنے لیے خطرہ بھی ہے اور ہمارے لیے بھی خوف ہے۔ جب کہ ہمیں نہ تمہاری جان کی فکر ہے اور نہ اپنی رسن بستگی کا ڈر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تم ابن زیاد کے ہاتھوں مارے جاؤ گے تو تمہارا خون اولاد رسول کے خون سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ اور اگر ہمیں آل رسول کے دفن کے جرم میں قید کر لیا گیا تو ہمارا پردہ زہرا زادیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ تم آرام سے گھروں میں بیٹھے رہو۔ ہم خود جاتی ہیں اور جا کر ان مظلوموں کی لاشوں کو دفن کرتی ہیں۔

یہ کہہ کر تمام مستورات اپنے اپنے گھروں کو گئیں اور ہر مستور نے قبر کھودنے کا سامان ہاتھ میں لیا اور میدان کربلا کی طرف جانے لگیں۔ جب مردوں نے یہ حالت

دیکھی تو ان کی خفتہ غیرت جاگ اٹھی۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے اب دو طرف سے موت ہے۔

ایک یہ موت ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے ہماری مستورات تو شہدائے آل رسول کو دفن کریں اور ہم آرام سے گھر بیٹھے رہیں۔

اور دوسری یہ موت ہے کہ اگر ابن زیاد کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں قتل کر دے گا۔

ان دونوں موتوں سے آسان اور باعزت موت یہی ہے کہ ہم خود جا کر ان غریبوں کو دفن کریں اور اگر ابن زیاد ان کی سزا دے تو قبول کر لیں کیونکہ یہ سزا زندگی میں صرف ایک مرتبہ ملے گی۔

اور اگر ہم دوسری موت کو قبول کریں تو یہ ہمیشہ کی لعنت ہو گی جو مرنے کے بعد بھی رہے گی اور زندگی میں بھی ہو گی

یہ فیصلہ کر کے مردوں نے ان مستورات سے کھدائی کا سامان لے لیا۔ اور میدان کی طرف چلے گئے۔

جب میدان میں آئے تو دیکھا کہ تمام لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ اور کسی لاش کے ساتھ سر نہیں ہے۔ اب یہ حیران ہو کر سوچنے کہ اگر ہم انہیں دفن کر بھی دیں، تو ہمیں کیا معلوم ہو گا کہ کون سا سر کس شہید کا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے سب سے پہلے تو وہ فرزند رسول کے لاشہ پر آئے اور وہاں قبر کھودنے کا ارادہ کیا۔ اپنے تحفظ کی خاطر ان لوگوں نے اپنے دو تین آدمی کوفہ کی راہ میں بٹھا دیئے تھے تاکہ اگر ابن زیاد کی طرف سے کوئی فوج وغیرہ آئے تو وہ اطلاع دیں اور ہم کوئی معقول عذر تراش لیں۔

ان لوگوں نے ابھی تک چند بیلچے مٹی کے اٹھائے تھے کہ ان کے مخبر دوڑے آئے

اور آکر بتایا کہ کوفہ کی طرف سے ایک شہسوار آرہا ہے۔ انہوں نے کھدائی روک دی اور آنے والے کا انتظار کرنے لگے یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ اگر آنے والا ایک یا دو ہوئے اور ابن زیاد کے سپاہی ہوئے تو پھر معاملہ آسان ہے پہلے انہیں یہاں دفن کردیں گے اس کے بعد ان شہداء کو دفن کریں گے۔ انہی باتوں میں وہ شہسوار قریب آگیا۔ اس نے آکر سلام دیا۔

جب انہوں نے اس شہسوار کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ابن زیاد کا سپاہی تو قطعاً نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے گلے میں طوق۔ ہاتھوں میں رسیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں اور انتہائی بیمار ہے۔

انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

شہسوار نے پوچھا۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا۔ سیدھی سی بات ہے ان بے گور لاشوں کو دفن کرنے کی خاطر آئے تھے۔

شہسوار گھوڑے سے اترا اور ان کے قریب آکر بولا۔ تمہیں مزارات کھودنے کی تکلیف نہیں کرنا پڑے گی۔

خاتم الانبیاء ان سب کے مزارات کھود کر گئے ہیں۔ میں تمہیں نشاندہی کرتا ہوں میری نشاندہی کے مطابق تم صرف اوپر سے مٹی ہٹاتے جاؤ اس کے نیچے تمہیں کھدی کھدائی قبر ملے گی

جہاں وہ کھڑے تھے اس آنے والے بیمار نے ان کے دائیں جانب اشارہ کرکے فرمایا۔ اس جگہ سے مٹی ہٹاؤ۔ جب انہوں نے مٹی ہٹائی تو نیچے سے قبر تیار ملی۔

اب انہوں نے چاہا کہ لاشہ غریب زہرا کو اٹھائیں تو اس بیمار نے فرمایا نہیں
تم اس لاشہ کے قریب نہ آؤ میرے ساتھ میرے معاون موجود ہیں ۔
انہوں نے عرض کی ۔
حضور! آپ یہ لاشہ بھلا اٹھائیں گے کیسے؟
اس کے نہ بازو ہیں، نہ پاؤں ہیں، نہ سینہ ہے اور نہ پسلیاں ہیں۔ بازو کہیں ہے۔ پاؤں کہیں ہے۔ پسلیاں چور چور ہیں اور سینہ پامال سم اسپاں ہے۔ آخر آپ کیسے اٹھائیں گے۔
آپ نے فرمایا ۔
تم ایسا کرو ایک بوریے کا ٹکڑا لے کر آؤ۔ ایک نوجوان دوڑ کر گیا ۔ اپنی بستی سے ایک پاکیزہ بوریے کا ٹکڑا اٹھا کر لایا۔ اور بیمار کے حوالے کیا ۔
بیمار نے وہ ٹکڑا لیا۔ قبر کے کنارے رکھا۔ اور بکھری ہوئی لاش کے ٹکڑوں کو چن چن کر اس ٹکڑے پر رکھنے لگا۔ جب تمام ٹکڑے جمع ہو گئے آخر میں بورے میں سینہ کو رکھا۔ پھر انہیں اس طرح ترتیب دی کہ مکمل لاشہ نظر آنے لگا۔ پھر بورے کا دایاں سرا بائیں طرف اور بایاں سرا دائیں طرف ڈال کر لاشہ کو اس میں لپیٹا اور بسم اللہ و باللہ علی ملۃ رسول اللہ پڑھ کر اٹھایا۔
بقول بنی اسد ہم دیکھ رہے تھے کہ اٹھانے والا ایک نہ تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور بھی تھے۔ لیکن وہ ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے ۔
جب اس نے قبر میں اتارنا چاہا تو پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں۔ ہاتھوں کی رسیاں اور گلے کے طوق از خود نیچے گر گئے ۔
لیکن وہ کمزور اس قدر تھا کہ کئی مرتبہ جھکنے کا ارادہ کیا لیکن جھک نہ سکا ۔

آخر کار اس نے ایک پاؤں قبر میں لٹکایا۔ دونوں ہاتھوں پر لاش کے ٹکڑے تھے پھر دوسرا پاؤں قبر میں لٹکایا۔

اور یوں آہستہ آہستہ قبر میں اترا۔ لاشہ قبر کے سپرد کیا۔ لپٹے ہوئے بورے کو کھولا یا۔ لاشہ کے اوپر جھکا اپنا سینہ اس پامال سم اسپان کے سینے پر رکھا۔ اپنا منہ گلوئے بریدہ پر رکھا۔ اور کافی دیر تک اسی عالم میں رہا۔ پھر اٹھا ہم نے دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات لگی ہوئی تھی۔

اس کے بعد اس نے ہمیں کنار دریا آنے کو کہا۔ وہاں بھی ایک لاشہ رکھا ہوا تھا جس کے بازو نہیں تھے۔ اس نے دیکھا ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے وہاں سے مٹی ہٹائی نیچے قبر تیار تھی۔ اس لاشہ کو بھی اس نے خود ہی اٹھا کر اس کو سپرد قبر کیا۔

(میرا دل کہتا ہے جناب سجاد نے کہا ہو گا چچا عباس آپ کا سجاد بیمار ہے بڑی مشکل سے آیا ہوں۔ زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ کہیں آپکی آقازادی نہ بلالے)

مترجم

پھر دوسرے لاشوں کو ایک جگہ دفن کرنے کا حکم دیا۔ آخر میں دو لاشہ بچ رہے ایک نوجوان کا تھا اور دوسرا کمسن لاشہ تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ بے ساختہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اور فرزند رسول کے پائینتی دائیں طرف جوان لاشہ اور بائیں طرف کمسن لاشہ دفن کرنے کا حکم دیا۔

جب اس کام سے فارغ ہو چکے تو فرزند رسول کے مزار پر انگلی سے یہ عبارت لکھی۔

ھذا قبر حسین ابن علی ابن طالب الذی قتلوہ عطشانا۔
یہ علی ابن ابی طالب کے جگر گوشہ حسین کا مزار ہے وہ حسین جسے تین دن کا پیاسہ بلا جرم شہید کیا گیا۔
ہم نے عرض کیا۔
حضور آپ کون ہیں؟
اس نے جواب دیا۔
میں اسی حسین کا بیمار بیٹا ہوں میرا نام علیؑ ہے۔ بابا کے بعد اب میں تمہارے لیے حجت خدا ہوں۔
تم گھبرانا مت اگر ابن زیاد اس کے سپاہی تم سے پوچھیں کہ تم نے ان لاشوں کو کیوں دفن کیا ہے تو صاف صاف بتا دینا خوشنودی خدا اور رسول کے لیے دفن کیا ہے۔
اس کے بعد وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔

تکفین و تغسیل امام:

امام ہی کرتا ہے، ہمارے مسلمہ معتقدات شیعہ سے ہے کہ معصوم کی تغسیل و تکفین معصوم ہی کرتا ہے، خواہ وہ اس موقعہ ومقام پر موجود ہو یا نہ ہو۔
اسماعیل ابن سہل نے امام رضا سے روایت کی ہے کہ۔
میں امام رضا کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپ کے پاس علی ابن حمزہ، ابن براج، اور ابن مکاری آئے۔ اور امامت کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہو گئی۔ ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ اگر آپ کا یہ نظریہ درست ہے کہ امام کو امام ہی غسل وکفن دیتا ہے

تو پھر جب آپ کے والد امام موسٰی بغداد میں شہید ہوئے اور آپ اس وقت مدینہ میں تھے تو انہیں غسل وکفن کس نے دیا تھا؟

آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ۔

فرزند رسولؐ حسینؑ امام تھے یا نہیں؟

انہوں نے کہا امام تھے۔

آپ نے فرمایا۔

انہیں کس نے غسل وکفن دیا تھا؟

انہوں نے کہا۔ امام سجادؑ نے۔

آپ نے فرمایا۔

امام سجاد تو قید ابن زیاد میں تھے وہ کیسے آئے تھے؟

انہوں نے کہا باعجاز امامت آئے تھے۔

آپ نے فرمایا۔

اگر امام سجاد باعجاز امامت کوفہ سے کربلا آسکتے ہیں تو پھر باعجاز امامت میں مدینہ سے بغداد کیسے نہیں آسکتا۔

انہوں نے کہا۔ صدقت یابن رسول اللہ۔

خرائج میں خلاد سے مروی ہے کہ میں مدینہ میں امام محمد تقیؑ کے پاس تھا آپ نے مجھے فرمایا گھوڑے پر سوار ہو جا۔

میں نے عرض۔ کہاں جانا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر۔

میں سوار ہو گیا۔

وہ خود بھی ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

ہم ایک وادی میں آئے مجھے حکم دیا یہیں رک جا میں رک گیا خود ایک طرف چلے گئے اور میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

کافی دیر بعد جس طرف گئے تھے اسی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیے جب قریب آ گئے تو میں نے عرض کیا۔

قبلہ کہاں تشریف لے گئے تھے؟

فرمایا۔ خراساں میں والد کو غسل و کفن دینے۔ ان کی شہادت ہو گئی ہے۔

مسیب ابن زہیر سے مروی ہے کہ میں ایک دن اجازت لے کر امام موسیٰ سے زندان میں ملاقات کو آیا۔

کافی دیر تک آپ مجھے چشمہ فیض امامت سے سیراب فرماتے رہے۔ اسی دوران فرمایا۔

شاید سندی ابن شاہک ملعون اس انتظار میں ہے کہ شیعہ کا یہ دعویٰ اب غلط ہو جائے گا کہ امام کو امام کے سوا کوئی دوسرا غسل و کفن نہیں دے سکتا۔ کیونکہ امام موسیٰ بغداد میں ہے اور اس کی اولاد مدینہ میں ہے حالانکہ وہ غلط سمجھتا ہے اللہ نے امام کو اتنی قدرت سے نوازا ہے کہ وہ آنِ واحد میں متعدد مقامات پر چاہے موجود ہو۔

جناب امیر مدینہ سے مدائن جناب سلمان کی تغسیل و تکفین کے لیے بھی اسی لیے تشریف لائے تھے کہ جناب سلمان حضرت عیسیٰ کے اولیا میں سے آخری وصی تھے۔

شیخ صدوق نے عیون اخبار الرضا میں ہرثمہ ابن اعین سے روایت کی ہے کہ۔

دم آخر امام رضا نے دیگر احکامات کے علاوہ مجھے یہ بھی فرمایا۔ کہ میرے بعد مامون تجھے چھت کے اوپر سے جھانک کر کہے گا ہرثمہ اب بتاؤ تمہارا تو عقیدہ ہے کہ امام کو امام کے سوا کوئی دوسرا غسل و کفن نہیں دے سکتا۔ اب کیا کرو گے ہم طوس میں ہیں اور تیرا بعد والا امام مدینہ میں ہے۔

اس سوال کے جواب میں اسے بتا دینا۔ طوس اور مدینہ کا فاصلہ تو بہت کم ہے اگر ایک امام مشرق میں شہید ہو اور اس کا وصی مغرب میں ہو تو بھی وہی آکر اسے غسل و کفن دے گا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا امام کو غسل دے سکتا ہے نہ کفن۔

رہی یہ بات کہ امام سجادؑ ابن زیاد کی قید سے نکل کر آئے کیسے تھے؟

تو یہ ایک سوال ہے جو کم از کم کسی ایسے شیعہ کے ذہن میں تو نہیں آسکتا جو امام کو اپنے جیسا مجبور محض اور عاجزانہ سمجھتا۔ اور جو لوگ امام کو عاجز اور مجبور محض سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ آسکتے ہیں یا نہیں۔

کیونکہ ختم اللہ علی قلوبہم۔

اس قسم کے واقعات سے تاریخ بریز ہے کہ آئمہ کہاں کہاں کس طرح اور کب کب پہنچے ہیں۔

جب اللہ نے انہیں ولایت مطلقہ کے منصب اعلیٰ پر فائز کر دیا ہے اور انہیں عالم میں ہر تصرف کی قدرت دے دی ہے تو پھر یہ سوچنا کہ وہ کیسے آئے دانشمندانہ

سوال نہیں ہوگا۔

علامہ شہر آشوب نے مناقب میں زہری سے روایت کی ہے کہ:

میں اس وقت موجود تھا جب عبدالملک ابن مروان کے حکم سے امام سجاد کو زنجیر پہنائے گئے۔ ان کا وزن بہت بھاری تھا۔ اور عبدالملک کے سپاہی آپ کو لے کر شام چلے گئے۔

بعد میں میرا بھی شام جانا ہوا ابھی تک آپ راستہ ہی میں تھے۔ میں نے سپاہیوں سے اجازت ملاقات مانگی۔

انھوں نے اجازت دے دی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رو کر عرض کیا۔

قبلہ کاش یہ زنجیر میرے گلے اور ہاتھوں میں ہوتے۔

آپ نے فرمایا۔

زہری۔ ایسی بات نہ کر یہ تو صرف اپنے شیعوں کو مصائب برداشت کرنے کی تربیت دینے کی خاطر قبول کر رکھے ہیں ورنہ یہ زنجیر بے چارے کیا کر سکتے ہیں۔

یاد رکھنا مدینہ سے دو منزل تک میں ان کے ساتھ جاؤں گا میں ان کا پابند نہیں ہوں۔

اس کے بعد چار راتیں ہی گزری تھیں کہ عبدالملک کے سپاہی مدینہ میں آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

ہم نے پوچھا۔ کیا ہوا۔

وہ کہنے لگے سمجھ نہیں آتی۔ ہمارے ساتھ ہی چل رہے تھے۔ ہم رات کو کبھی

نہیں سوتے تھے پہرہ ہی دیتے رہتے تھے۔ آج صبح دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ہم آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے کہ زنجیر وہیں رہ گئے ہیں اور آپ موجود نہیں ہیں۔

اس کے بعد میں عبدالملک کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے امام سجاد کے متعلق پوچھا۔

میں نے کہا۔

کہ اب اس غریب کو تنگ نہ کیا کر وہ تمہارے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں بن سکتا۔

وہ ہر وقت مصروف عبادت رہتا ہے۔

عبدالملک نے کہا۔

اگر تو مجھے یہ نصیحت نہ بھی کرے تو بھی میں خود اس سے خوف کھا چکا ہوں جس دن وہ میرے سپاہیوں کے ہاتھوں سے نکلا ہے اسی دن میرے پاس آیا تھا اور مجھے کہا تھا۔

ما انا و انت۔ تجھے میرے ساتھ کیا بیر ہے

میں نے کہا۔

میں تو چاہتا تھا کہ آپ میرے پاس یہیں شام میں رہتے۔

اس نے کہا۔

میں یہاں رہنا پسند نہیں کرتا۔

میں آگے بول تک نہیں سکا۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ اس میں کتنا رعب تھا۔ اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر یقین کرو میرے کپڑے نجس ہو گئے تھے۔

ان واقعات اور ان جیسے دیگر بیسیوں واقعات سے قابل اعتماد علماء کی معتبر کتب لبریز ہیں۔

لہذا ان واقعات کے بعد یہ سوچنا کہ کیا کر سکتے ہیں۔ اور کیا نہیں کر سکتے یا مقصدین کا کام ہے یا منافقین کا کام ہے اور یا عقل سے خالی کھوپڑی کا کام ہے۔

مجلس

کوفہ میں ذریت رسولؐ کے استقبال کی تیاریاں

عمر سعد چونکہ خود کربلا میں اپنے مقتولین کو دفن کرنے کی خاطر رک گیا تھا۔ اور آل محمدؐ کو اس نے سوئے کوفہ بھیج دیا تھا۔ اس لیے انتہائی برق رفتاری سے کوفہ سے ایک منزل دور قافلہ آل محمد سے آکر ملا۔ اور ابن زیاد کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

اپنے پیغام میں کہا۔

اے امیر! ذریت رسول کو جس حال سے میں لا رہا ہوں۔ آپ اور آپ کے محب دیکھ کر خوش ہوں گے اور محبان آل محمدؐ کے دل کباب ہو جائیں گے، ہمیں بتایا جائے کہ آپ کوفہ میں ان قیدیوں کے اور ان کے شہداء کے سروں کو کس طرح داخل کرنا چاہتے ہیں۔ کھلے عام یا راز داری سے۔

جب ابن زیاد کو یہ اطلاع ملی تو اس نے اسی وقت گلیوں۔ بازاروں اور کوچوں میں خوشی اور مسرت کی منادی کرائی جگہ جگہ ڈھول بجائے جانے لگے۔ رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگیں۔

ابن زیاد نے اپنے دوسرے حکم میں اوباش قسم کے سرداران قبائل اور نگلنے قسم

کے دولتمندوں کو بلایا۔ ہر ایک کو فوج کی اچھی خاصی تعداد دے کر ہر محلہ کے راستہ ہر گلی کے موڑ، ہر چوک اور ہر کوچہ میں انہیں تعینات کیا۔ تاکہ محبان آل محمدؐ کی طرف مزاحمت کے ہر امکانی خطرہ کا بروقت بندوبست کیا جاسکے۔ کم و بیش دس ہزار افراد کو کوفہ میں مامور کیا گیا۔ ان انتظامات کے بعد تمام شہر میں منادی کرائی گئی کہ ہر محلہ اور ہر بازار کا باشندہ عمر سعد کے استقبال کی خاطر بیرون کوفہ جائے۔ لیکن کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو۔ پولیس کو حکم دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مسلح نظر آجائے۔ یا کسی کے پاس سے پوشیدہ ہتھیار برآمد ہو جائے تو اسے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا جائے۔

ابن زیاد نے خولی کو حکم دیا کہ سر حسین کو ابن سعد کے استقبال کی خاطر بلند ترین نیزہ پر سوار کر کے بیرون کوفہ لے جایا جائے ابن سعد سے کہا جائے کہ تمام سروں کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور اپنے معتمد ترین سپاہیوں کو سروں کی حفاظت پر معین کیا جائے۔ ہر محمل کے گرد بہادر اور قابل اعتماد سپاہیوں کا گھیرا ہو ذریت نبی کی قیدی مستورات سے کوئی قابل احترام سلوک نہ کیا جائے۔

ان احکام کے ملتے ہی تمام کوفہ پر بدمعاشوں اور لفنگوں کا راج ہو گیا۔ ہر گلی سے گانے کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ ہر کوچہ میں ڈھول پٹنے لگے ہر چوک پر رقص و سرود کی محفلیں جمنے لگیں۔ ہر خورد و کلاں اور پیر و جوان نے ایک دوسرے کو گلے مل مل کر مبارک باد دینا شروع کر دی۔

دوسری طرف جو چند شیعیان آل محمد تھے ان کے جگر چھلنی ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو برسات بنکر بہنے لگے۔ نوحہ و بکا اور نالہ و شیون کی جگر دوز صداؤں سے آسمان لرزنے لگا۔ اگر یوں کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اعدائے آل محمدؐ کے لیے

یہ دن روز عید تھا۔ اور مہمان آل محمد کے لیے یہ دن روز ماتم و مظلومیت تھا۔ کوفہ میں کتنا عجیب و غریب منظر تھا۔ ایک طرف گانے بجانے کی آواز دوسری طرف گریہ و بکا کی صدا ایک طرف رقص و سرود کی محفل دوسری طرف غم واندوہ کی صف ایک طرف عید کا سماں دوسری طرف غربت نوحہ خواں۔ ایک طرف یزیدیت کی خوشیاں اور دوسری طرف حسینیت کی محرومیاں تھیں۔ کوفہ کے عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ شیعیان آل محمد کا ہر نوحہ و بکا اور گریہ ماتم ڈھول سب طبقے اور بینڈ باجا کی آواز میں دب کر رہ گیا۔

روضتہ الشہداء کے مطابق جب عمر سعد کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر پہنچا تو اس کے استقبال میں فرزند رسول کا سر پہنچایا گیا اور اسے ابن زیاد کا پیغام دیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب سر سید الشہداء کو طویل ترین نیزہ پر بلند کیا گیا تو سر اس طرح نورانی اور درخشاں تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے گمبیھر بادلوں کی تہ در تہ تاریکی سے چودہویں کا چاند نکل آئے۔ جب سر کو باقاعدہ بلند کیا گیا تو عمر سعد کے لشکر نے باواز بلند اللہ اکبر کہا۔

یہ دیکھ کر ثانیہ زہرا ام کلثوم زینب بنت علی نے ایک دلدوز صدائے نوحہ بلند کی کیونکہ خیام سے آخری الوداع کے بعد آج پہلی مرتبہ بھائی کے سر کو دیکھا تھا تمام بنات زہرا نے وامحمدہ واعلیاہ واحسیناہ کی جگر دوز صدا بلند کی۔ جناب ام کلثوم زینب نے سر مظلوم کو دیکھ کر یہ مرثیہ پڑھا۔

اخی یا ھلالا لا غاب طلوعه	اے میرے چاند سے بھیا آپ
فمن فقده اضحی نھاری کلیلتی۔	کہاں غائب ہو گئے تھے آپ کے
	نظر نہ آنے سے میرا دن بھی

	تاریک رات کی مانند سیاہ ہو گیا تھا۔
اخی یا اخی ای المصائب اشتکی	بھیا میں آپ کو آپ کے بعد اپنی کونسی مصیبت کا شکوہ کروں۔
فراقک ام ھتکی وذی وغربتی	تیری جدائی کا غم بتاؤں، یا چادر کا اترنا بتاؤں۔ یا خیام سے نکلنا
ام الثوب مسلوبا ام الجسم عاریا	بتاؤں یا سفر میں تنہائی بتاؤں تیرے تیرے لباس کا چھننا بتاؤں
ام النحر منحورا بییض حقیلة	یا تیرے جسم کی غربت بتاؤں۔ یا تیرے زخمی سینہ پر چمکتی تلواروں
ام انظھر مرضوضا ام الثیب قانیاً	کے ہنے بہ ہنے وار بتاؤں۔ بھیا کیا میں تیری لاش پر گھوڑوں
ام الرأس مرفوعا کبدر الدجیة	کا دوڑنا بتاؤں یا تیری سفید ریش کا خون سے خضاب ہونا بتاؤں یا
ام الرحل فھو یا ام اطھر ناعیتا	ماہ دو ہفتہ کی طرح نیزہ پر بلند سر کی مظلومیت کو رو دوں۔
ام الوجہ کلیو یا بجر الظھیرة	بھیا میں تجھ خیام کے لٹنے کی کیفیت بتاؤں یا ذوالجناح کی خبر شہادت
ام الضایعات القاقدات حواسرًا	سناؤں یا گرم ریت پر تیرے کیے ہوئے سر کے رکھنے کا حالت سناؤں

کمثل الاماد شیھرن فی کل بلوۃ	یا کیا تجھے بے نوا مستورات سر برہنہ مستورات کی حالت زار سناؤں
اخی یالیت ھذا النحر کان بنحری	جنہیں کنیزوں کی طرح شہر بشہر پھرایا جا رہا ہے۔
ویالیت ھذا السہم کان بمھجتی	بھیا کاش یہ خنجر میرے گلے میں چل جاتا اور کاش تیرے دل میں
اخی بلغ المختار طہ سلامنا	لگنے والا تیر میرے دل سے گزر جاتا۔
وقل ام کلثوم بکرب ومحنۃ	بھیا صاحب طٰہٰ اور مصطفیٰ نانا کو ہمارا سلام عرض کر دینا اور انہیں
اخی بلغ الکرار عنی تحیتہ	بتا دینا آپ کی ام کلثوم مصائب کے گرداب میں حیران ہے۔
وقل زینب اضحت تساق بذلۃ	بھیا کرار بابا کو میرے سلام عرض کر کے بتا دینا۔ بابا تیری زینب بے مقنع وچادر مجبور ہاتھوں سے تشہیر کی جا رہی ہے۔

سب کے آگے سر مظلوم زہرا تھا۔ اس کے بعد دیگر شہداء کے سر تھے۔ سروں کے بعد ذریت زہرا کی سواریاں تھیں جن پر بے پالان کے اولاد نبی کو سوار کیا گیا تھا۔

تاریخ طبری کے مطابق ذریت رسول کے سروں پر چادریں اور نہ اونٹوں پر پالان نہیں تھے۔ جونہی یہ قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو ہر طرف سے فتح یزید کے نعرے۔

گانوں کی بلند آوازیں۔ ڈھول تالیاں ۔ اور شادیانوں کی آوازوں کا ایک فلک شگاف شور بلند ہوا ایسی آوازیں جن سے کان پھٹ رہے تھے۔ دل دہل رہے تھے فدیت رسول کے ڈرے ہوئے بچے اور سہم رہے تھے۔ استقبال کرنے والوں نے سروں کے گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ انگشت بدندان ہو کر سروں کے حسن اور تازگی کو دیکھنے لگے جن سے آج تیسرے دن بھی تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ فوج یزید کی چند ٹولیوں نے بے کجاوہ محملوں کے گرد گھیرا ڈال کر فتح یزید کے نعرے لگا لگا کر ناچنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ سروں اور بنات رسول کے بیکسی پر آنسو بہانے لگے۔ کچھ اپنی عبائیں اور سروں سے رومال اتار اتار کر بی بی کے سروں پر نیچے سے پھینکنے لگے۔ دوسری طرف فوج یزید کے سپاہی نیزوں سے چادریں اور رومال اتارنے لگے۔

ابن زیاد نے اعلی پولیس افیسر کو خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ۔ دختران رسول اور سرہائے شہداء کا خاص خیال رکھا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بھیڑ میں کوئی محب آل محمد موقع پا کر کسی سر یا کسی دختر رسول کو اپنی پناہ میں نہ لے لے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سروں اور سواریوں کے گرد ایک طرف تماشبینوں کا دوسری طرف کا بوں کا اتنا رش ہو گیا کہ ایک مرتبہ گر جانے والے آدمی کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ممکن نہ تھا۔

اونٹوں کے لیے چلنا دشوار ہو گیا۔

جناب ام کلثوم زینب نے پولیس افسر سے فرمایا۔ بندہ خدا! اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا جو تم کربلا میں لوٹ لیا سوائے منت اور سماجت کے کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ تیرا احسان ہوگا اگر تو سروں کو ذرا آگے لے جا تا کہ تماشبین سر ان کی عظمت ان کا حسن و جمال اور ان کی مظلومیت اور غربت و بے کسی دیکھنے میں مصروف ہو جائیں اور ہم دختران رسول کا پردہ بچ جائے۔

پولیس افسر نے کچھ دیر کے لیے تو ایسا کیا لیکن پھر عمر سعد اور شمر کی ڈانٹ سے اس نے سروں کو اونٹوں کے درمیان لانا پڑا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق شہر زور کا ایک حاجی کہتا ہے کہ اتفاقاً اسی سال میں حج سے واپس آرہا تھا اور میری بدقسمتی مجھے ان دنوں کوفہ لے آئی جب آل محمد کوفہ میں آرہے تھے۔ میں نے دیکھا تمام بازار بند ہیں ہر طرف عید کا سماں ہے۔ ہر چوک پر طوائف ناچ رہی ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو گلے مل مل کر مبارک بادیاں دے رہیں ہیں ہر طرف طبلے کی تھاپ پر گانے گائے جارہے ہیں میں دل میں سوچنے لگا کہ مسلمان ہونے کے ناطے عالم اسلام کی تمام عیدیں مجھے معلوم ہیں۔ آج تو مجھے کوئی بھی عید نظر نہیں آتی لیکن آج کوفہ مجسم عید بنا ہوا ہے۔ یہ کیسی عید ہے اور کونسی عید ہے؟ انہی خیالات میں میں نے ایک مقامی بوڑھے سے پوچھا۔ اے عبد خدا! اگر تجھے معلوم ہو تو مجھے بتا یہ امت مسلمہ کی کونسی عید ہے۔ میں نے آج تک اس عید کے متعلق کبھی نہیں سنا۔

جونہی میں نے پوچھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں کا رکا ہوا خون ٹوٹ گیا وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا اور روتا ہوا مجھے مجمع سے ایک علیحدہ اور تنہا جگہ لے گیا۔

میں اسے اس قدر بے تحاشا روتا دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ یا اللہ یہ معاملہ ہے! ایک طرف ہنسنے مسکرانے اور تالیاں بجانے والے زیادہ سے زیادہ ہو رہے ہیں اور دوسری طرف یہ بوڑھا روتے جارہا ہے۔ اللہ خیر کرے۔

جب وہ مجھے علیحدہ لے گیا تو میں نے اس سے پوچھا اے عبد خدا! کیا بات ہے؟

اس نے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم اس شہر میں نووارد اور مسافر ہے۔؟

میں نے کہا۔ تو نے سچ کہا ہے۔ میں شہر زور کا مسافر ہوں۔ حج پر گیا تھا حج سے فارغ ہو کر گھر واپس جارہا ہوں آج کوفہ میں یہ جشن عید دیکھ کر اس میں شامل ہو گیا ہوں

اور اس عید کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔

اس بوڑھے نے کہا۔ اگر نہ پوچھے تو بہتر ہے ہم لٹ گئے ہیں۔

میں نے کہا۔ اگر واقعاً ہم لٹ ہی گئے ہیں تو پھر بھی تو مجھے معلوم ہونا چاہیے تاکہ میں جب واپس گھر جاؤں گا اور اپنے حالات سفر میں کوفہ کی عید کا ذکر کروں گا تو مجھ سے لوگ پوچھیں گے میں کیا جواب دوں گا۔

اس نے کہا۔ یہاں قریب ہی صحرائے کربلا ہے تونے اس کا نام تو سنا ہوگا۔

میں نے کہا۔ ہاں میں نے سنا ہوا ہے۔

بوڑھے نے کہا بس اسی صحرا میں پرسوں قیامت ٹوٹ گئی ہے۔

میں نے کہا۔ وہ کونسی قیامت ٹوٹی ہے۔

اس نے کہا۔ پرسوں میدان کربلا دو فوجوں کا آپس میں ٹکراؤ ہوا ہے ایک فوج کم تھی دوسری زیادہ تھی، زیادہ فوج نے کم فوج کو شہید کر دیا ہے۔ آج یہ فاتح فوج کا جشن ہے۔

میں نے کہا۔ یہ دونوں فوجیں کس کس کی تھیں؟

اس نے کہا۔ ایک طرف فرزند رسول حسین ابن فاطمہ کے چند سپاہی تھے۔ اور دوسری طرف یزید کی لاکھوں پر مشتمل فوج تھی۔ فرزند رسول کے ساتھی کم ہونے کے ساتھ ساتھ تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے۔ مقابل میں یزید کی تازہ دم فوج تھی آج فوج یزید کا سالار فرزند رسول اور اس کے ساتھیوں کے سر اور دختران زہرا کو قید کرکے ابن زیاد کے پاس لا رہا ہے۔ یہ جشن فتح یزید اور دختران رسول کے استقبال کی خاطر منعقد ہو رہے ہیں۔

انہی باتوں میں ڈھول کی آواز قریب آگئی اور ساتھ ہی منادی کی آواز آئی۔

فرزندرسول حسین ابن علی اور اس کے ساتھیوں کے سر آگئے ہیں۔ میں نے دیکھا سب سے آگے فرزندرسول کا سر تھا۔ اس کے پیچھے دوسرے شہداء کے سر تھے۔ اور ان کے بعد بے پالان کے اونٹوں پر چند بے مقنع وچادر مستورات تھیں جن کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے جب ایک چوک پر آئے تو ایک مستور نے باآواز بلند کہا۔

یا اهل الکوفة نحن سبایا	اے کوفیو! آنکھیں جھکا لو۔ ہم
محمد غضوا ابصارکم عنا وعن	نبی زادیاں ہیں۔ ہم سے رخ موڑ
النظر الینا اما تستحیون من الله	لو۔ کیا تمہیں اللہ۔ رسول علی اور
ومن رسوله ومن المرتضیٰ ومن فاطمة الزهراؑ	دختر رسول زہرا سے حیا نہیں آئی

اس کے بعد اس قافلہ کو باب بنی خزیمہ پر کافی دیر تک رکا رہا اور سر غریب رسول سورۃ کہف کی تلاوت کرتا رہا۔ اس قافلہ کو اس چوک پر اتنی دیر تک روکا گیا کہ سر مظلوم نے اول سے آخر تک سورۃ کہف کی تلاوت مکمل کر لی۔

کوفہ میں ورود

جب آلِ محمد کو کوفہ میں لایا گیا تو کوفہ کی گلیاں اور کوچے مردوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں، بچوں اور بزرگوں سے اٹے پڑے تھے۔ ان میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ اپنے بھی تھے اور پرائے بھی ماننے والے بھی اور نہ ماننے والے بھی۔ کچھ رو رہے تھے اور کچھ ہنس ہنس کر تالیاں بجا رہے تھے۔

سہل ابن سعید نے حذیمہ اسدی سے روایت کی ہے کہ میرا بھائی اس دن میں کوفہ میں موجود تھا جس دن اسیرانِ آلِ محمد کو کوفہ لایا گیا۔

میں نے بے پالان کے اونٹوں پر بیٹھی ہوئی مستورات کو دیکھا جنھوں نے بالوں سے پردے بنا رکھے تھے۔

میں نے ایک بزرگ سے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟

اس نے کہا۔

ہماری بدبختی ہے۔ تو نہیں دیکھ رہا۔ کہ بلند نیزے پر دخترِ رسول کے بیٹے حسین کا سر ہے اور ان بے پالان کے اونٹوں پر شہزادیاں بے مقنع و چادر بالوں سے پردے بنائے ہوئے ہیں۔

جب سروں والے نیزے گزر گئے اور قیدیوں کے اونٹ آنا شروع ہوئے تو میں نے پہلے پہلے اونٹ پر ایک بیمار کو دیکھا جس کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔

اس کے گلے میں ایک رسی تھی جو اونٹ کی گردن سے بندھی تھی اس کے دونوں پاؤں اونٹ کے نیچے سے بندھے تھے۔ اور دونوں سے خون رس رہا تھا۔

میں نے ایک شخص سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔

اس نے جواب دیا۔ یہ علی ابن حسینؑ ہے۔

اس کے بعد دوسرا اونٹ آیا اس پر ایک مستورہ تنہا بیٹھی تھی۔ پالان نہیں تھا۔ اس مستورہ کے ہاتھ بھی پس گردن بندھے تھے۔ بالوں سے وہ بھی منہ چھپائے تھی۔

میں نے اونٹ والے سے پوچھا۔

یہ مستورہ کون ہے؟

اس نے جواب دیا علی و بتول کی بڑی بیٹی ام کلثوم زینب ہے۔

پھر تیسرا اونٹ آیا اس پر ایک بچی تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پس گردن بندھے تھے۔ اس کے بال چھوٹے تھے اس نے اپنی دونوں کہنیوں میں منہ چھپا رکھا تھا۔

مجھے پوچھنے پر بتایا گیا۔

یہ سکینہ بنت حسینؑ ہے۔

پھر چوتھا اونٹ آیا۔ اس پر تین کمسن بچیاں اکٹھی بیٹھی ہوئی تھیں اونٹ

پر پالان نہیں تھا۔ تینوں کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ اور تینوں کے گلے میں ایک رسی تھی جسے اونٹ کی گردن سے باندھ گیا تھا۔

مجھے بتایا گیا کہ۔

دو جناب مسلم کی بچیاں ہیں ایک تو بیوہ فاطمہ کبریٰ ہے۔

پھر ایک اونٹ آیا اس پر تنہا ایک عورت تھی اس نے بھی بالوں سے پردہ بنا رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ بھی پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ مادر علی اکبر ام لیلیٰ ہے۔

اتنے میں میں نے دیکھا کہ جن مستورات کی آغوش میں بچے تھے۔ چھتوں سے کوئی مستورات نے کھجوریں اور روٹی کے ٹکڑے دینا شروع کیے۔ اس وقت ام کلثوم زینب بنت علیؑ نے ایک طرف عورتوں سے فرمایا۔

او کوفی عورتو!

ہمیں صدقہ مت دو۔ ہم آل محمد ہیں۔ ہم پر صدقہ حرام ہے۔ دوسری طرف سے بچوں سے فرمایا۔

کوئی بچہ صدقہ کی کھجور نہ کھائے۔ میں نے دیکھا تمام بچوں نے اپنے منہ میں لیے ہوئے کھجور کے دانے پھینک دیئے۔

ایک روایت کے مطابق ایک عورت چھت پر بیٹھی ان مستورات کو دیکھ دیکھ کر بڑی خوش ہو رہی تھی۔

پھر اس نے اس خوشی میں سوال کیا۔

تم کہاں کے قیدی ہو؟

جناب ام کلثوم زینب نے پوچھا تو کس لیے پوچھتی ہے؟

اس نے جواب دیا۔

بخدا میں نے بہت سے قیدی دیکھے ہیں۔ لیکن تم جیسے معزز۔ محترم مظلوم اور ستم رسیدہ قیدی نہیں دیکھے۔

جناب ام کلثوم زینب نے فرمایا۔

ہم آل محمدؐ کے قیدی ہیں۔

یہ سنکر اس عورت نے وامحمداہ، واعلیاہ کے بین کرنا شروع کیے۔ مکان سے نیچے اتری۔ اپنی بیٹیوں۔ بہنوں اور پڑوسنوں سے چادریں مانگ کر بازار میں آئی اور دختر علی سے آکر درخواست کی کہ آپ قبول فرمالیں۔

اتنے میں زجر ابن قیس نے دیکھ لیا یہ ظالم تازیانہ لے کر اس مستور کی طرف بڑھا۔ وہ تمام چادریں وہیں بازار میں پھینک کر زجر کو لعنت کرتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔

علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ جب قافلہ آل محمد بازار کوفہ میں آیا تو ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ام کلثوم زینب بنت علیؑ نے۔

لوگوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔

اسکتوا۔

تمام لوگ اس طرح خاموش ہوگئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ سانس حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر طرف ایسے سناٹا چھا گیا۔ جیسے اس بازار میں کوئی بولنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ اس لفظ کہنے سے پہلے ڈھول بج رہے تھے۔ تالیاں بج رہی تھیں۔ کسی طرف سے مرثیے پڑھے جارہے۔ حدیہ ہے اونٹوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی آواز تک خاموش ہوگئی۔

بخدا!
میں نے کبھی کوئی ستم رسیدہ عورت ایسی نہیں دیکھی جو اتنی قادرالکلام ہو جتنی بنت علیؑ تھی۔

اس کے بعد بی بی نے فرمایا۔

يا اهل الكوفة يا	اے فریب کار اور دھوکے باز
اهل الغى والخذل۔	کوفیو!
فلا رقأت العبرة	نہ کبھی تمہارے آنسو رکیں گے اور
ولا رقأت الرنة	نہ کبھی تمہارا گریہ بند ہو گا تمہاری
فانما مثلكم مثل التى	مثال اس عورت جیسی ہے جس
نقضت غزلها	نے اپنا سوت کاٹنے تم نے
من بعد قوة	ایمان کو ایک دوسرے کا خون
انكاثا تتخذون	بہانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے بھلا
ايمانكم دخلا بينكم۔	تم میں سوائے بے کار۔ اور
الا وهل فيكم	بے فائدہ کے علاوہ بھی کوئی
الا اللغو والرف۔	ہے۔ میدان جنگ میں بزدل ہو
خوارون فى	دشمن کے مقابلہ میں عاجز۔ بیعت
اللقاء عاجزون	کر کے توڑنے والے اور وعدہ
عن الاعداء ناكثون	کر کے ضائع کرنے والے ہو تم
لبيعة مضيعون للذمة	نے بہت برے اعمال آگے بھیجے
جنتى ما قدمت لكم انفسكم	ہیں۔ اللہ تم سے ناراض ہے تم

ان سخط اللہ علیکم وفی العذاب انتم خالدون۔	ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہو گے۔
اتبکون ای واللہ فابکو کثیرا واضحکو قلیلا فلقد فزتم بعار و شنار	آج روتے ہو۔ ہاں بخدا تمہیں رونا زیادہ اور ہنسنا کم چاہیے تم نے دائمی ملامت اور ہمیشہ کی لعنت حاصل کر لی ہے۔ یہ
ولن تغسلوا دنسها ابدا رقیسل خاتم الرسالۃ و سید شباب الجنۃ ولاذخیرتکم ومفزع نازلتکم امارۃ محجتکم ومدرجۃ حجتکم خذلتموہ وقتلتموہ الاساء ماتذرون فتعسا ونکسا ولقد خاب السعی و تبت الایدی وخسرت الصفقہ وبؤتم بغضب من اللہ	وہ داغ ہے جسے قیامت تک تم نہ مٹا سکو گے۔ خاتم الانبیاء کا فرزند۔ جوانان جنت کا سردار جو تمہارے نیکوں کی جائے پناہ اور تمہارے مصائب میں ملجا تھے جو تمہاری راہ کی علامت اور تمہارے دلائل کی سیڑھی تھے اسے تم نے بے یار و مددگار کر کے شہید کر دیا ہے تم نے بہت بڑا بوجھ اٹھایا ہے۔ تف ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر تمہاری ہر کوشش رائگاں گئی تمہارے ہاتھ رسوا ہو گئے۔ تمہاری تجارت خسارے میں رہی تم نے غضب

وخربت علیکم	غضب الٰہی خریدا ہے دائمی
الذلة والمسکنة	ذلت اور رسوائی تمہارا مقدر
ویلکم اتدرون	ہو چکی ہے۔ ہلاکت ہو تمہارے
ای کبد لمحمد	لیے بھلا جانتے محمدؐ کے کس
فریتم وای دم له	پارہ جگر کو تم نے ٹکڑے کیا ہے؟
سفکتم لقد جئتم	محمدؐ کا کون سا خون تم نے زمین
شیئا ادا	پر بہایا ہے؟
تکاد السماوات	محمدؐ کی کن بیٹیوں کے سروں سے
یتفطرن منه.	تم نے چادریں چھین کر انہیں
وتنشق الارض	قیدی بنایا ہے؟
وتخر الجبال هدا	تم نے بہت برا کام کیا ہے
ولقد اتیتم بها	یہ وہ بدعملی تھی جس سے آسمانوں
خرما شوها اطلاع	کا حق تھا گر جاتے، زمین پھٹ
الارض والسماء	جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو
فعجبتم ان قطر	جائے۔ ارض و سما کی تمام وسعتوں
السماء دما و	میں تم نے بہت بڑا رخنہ ڈال
لعذاب الاخر	دیا ہے۔ تمہیں اس بات پر
فاخزی فلا	تعجب ہے کہ آسمان سے خون
یستخفنکم المهل	کیوں برسا ہے جب کہ قیامت
فانه لا یحجزه	کا عذاب زیادہ رسوا کن ہو گا۔

البدار ولا یخاف علیہ الثار کلا ان ربک لبالمرصاد	اللہ کی طرف سے دی گئی یہ مہلت سے بے فکر نہ رہنا کسی بھی جلدی سے وہ عاجز نہیں ہے۔ اس سے کسی انتقام کے رہ جانے کا خطرہ نہیں ہوتا یقیناً اللہ نگرانی پر ہے۔

اس کے بعد یہ مخدرہ خاموش ہو گئی۔ میں نے دیکھا لوگ انگشت بدنداں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔

میں نے ایک سن رسیدہ کو دیکھا جس کی روتے روتے تمام داڑھی بھیگ چکی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

بخدا ان کے جوان جوانوں سے، بوڑھے بوڑھوں سے اور عورتیں عورتوں سے اچھی ہیں۔

اہل کوفہ کے نوحہ و بکا کی آواز اتنی بلند ہوئی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بچے تھے یا بڑے۔ عورتیں تھیں یا مرد تمام کے تمام زار و قطار رو رہے تھے۔

پھر اسی مخدرہ نے فرمایا:

تقتلنا رجالکم وتبکینا نسائکم	تمہارے مرد ہمیں قتل کرتے ہیں اور تمہاری عورتیں ہمیں روتی ہیں۔

تذکرہ الائمہ میں ہے کہ جب قافلہ آل محمد کوفہ میں آیا تو جو لوگ اسیران آل محمد کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے ان میں سے ایک بدنصیب نے جناب سجاد کو انتہائی مظلومیت سے جب اونٹ پر بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا۔

اللہ نے واقعاً اچھا کیا ہے ان لوگوں نے دین میں بدعات شروع کر دی تھیں اور امت میں انتشار پھیلا رہے تھے۔

دختر علی نے اس کی یہ بات سنی تو رسن بستہ ہاتھوں کے باوجود سوئے آسمان رخ کیا اور عرض کیا۔

بارالہا یہ کربلا تو نہیں ہے کہ جیسا کہتے رہیں ہم برداشت کرتے رہیں۔ اس ظالم کو اپنا انجام دکھا تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

اسی وقت آسمان سے پتھر گرا اس خبیث کے منہ پر لگا وہ وہیں گرا اور فی النار والسقر ہو گیا۔

منتخب میں مسلم جصاص سے روایت ہے کہ میں دار الامارہ کے بیرونی حصّہ کی ابن زیاد کے حکم سے سفیدی کر رہا تھا کہ بازار سے گریہ وزاری اور آہ و بکا کی آوازیں آنے لگیں۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پہلے تو نیزوں پر سر آنا شروع ہوئے۔ ہر نیزہ بردار خوشی سے ناچ رہا تھا۔ اور رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

سروں کے بعد اونٹ آنا شروع ہوئے میں نے اونٹوں کو گنا تو ان کی تعداد چالیس تھی ہر اونٹ پر ایک رسن بستہ مستورہ سوار تھی جس نے بالوں سے پردہ بنا رکھا تھا۔ صرف دو یا تین اونٹ ایسے ہوں گے جن پر دو یا تین بچیاں رسن بستہ سوار تھیں۔

ایک مخدرہ بڑی دردناک آواز کے ساتھ مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ جب ایک مقام پر بھیڑ کی وجہ سے قافلہ رکا تو اس مخدرہ نے فصیح و بلیغ خطبہ دیا کہ لوگوں کو حضرت علیؑ کی یاد آگئی۔

ایک نابینا نے تو مجھ سے پوچھ بھی لیا کہ کیا بازار کوفہ میں پھر سے علیؑ آگئے ہیں؟

میں نے کہا بندہ خدا علیؑ کہاں ہے!

اس نے کہا علی کی آواز آرہی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ علیؑ کی بڑی بیٹی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ غش کھا کر گر گیا۔

شیخ صدوق نے امالی میں ابن زیاد کے دربان سے روایت کی ہے کہ چودہ محرم کو جب اسیران آل محمدؐ کا قافلہ کوفہ میں آیا تو چونکہ دربار حسب دلخواہ نہیں سجا تھا۔ اس لیے جناب سجاد کو مع مستورات کے زندان میں بند کر دیا گیا۔

جب تک اسیران آل محمد اس زندان میں رہے اس وقت تک نہ تو انہیں کھانا پورا ملتا تھا اور نہ پینے کو پانی پورا دیا جاتا تھا۔

زندان اتنا تنگ تھا کہ اس میں تمام مستورات اور بچے بیک وقت سو تک نہیں سکتے تھے۔

بحار میں علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ۔

جب عمر سعد اسیران آل محمدؐ اور سرہائے شہداء کو لے کر کوفہ آیا۔ اور ابن زیاد اور عمر سعد ایک جگہ بیٹھے تو۔

ابن زیاد نے عمر سعد سے کہا۔

جو عہد نامہ میں نے تجھے حکومت رے اور نقد انعام کی صورت میں لکھ دیا تھا

وہ کہاں ہے مجھے دے۔

عمر سعد نے کہا۔ وہ تو مجھ سے گم ہو گیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔

چلو یہ تو اور اچھا ہوا کہ گم ہو گیا ہے۔ اب ہم کسی عہد کے پابند تو نہیں رہے ہیں۔

عمر سعد نے کہا۔ اگر میں تلاش کروں اور مل جائے تو؟

ابن زیاد نے کہا۔ تو کیا تلاش کرے گا مجھے معلوم ہے تو میرے ساتھ دھوکا کر رہا ہے وہ تیرے پاس ہے صرف اسے یزید کے سامنے سند بنانے کی خاطر مجھ سے چھپا رہا ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ آپ اس سے کیوں گھبراتے ہیں جب آپ نے حکم دیا تھا۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں نے تجھے کب کہا تھا کہ حسین کو قتل کر دے۔

عمر سعد نے کہا۔

اب اس مکرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ساری دنیا گواہ ہے کہ میں نے صلح کی کوشش کی اور تو نے میری کوشش کو ناکام بنایا۔ صرف وہ ایک معاہدہ ہی تو نہیں ہے تیرے وہ خطوط بھی تو ہیں جو تو مجھے کربلا میں بھیجتا رہا۔ وہ خط بھی ہے جس میں تو نے لکھا تھا کہ۔ میں نے تجھے صلح کے لئے نہیں بھیجا۔ اگر حسین اپنے کو میرے حوالہ نہیں کرتا تو اس کا سر مجھے چاہیے۔

وہ خط بھی تو ہے جس میں تو نے لکھا تھا کہ یزید کا حکم آیا ہے کہ لاش حسین کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے تاکہ نہ لاش کا نشان ہو گا۔ اور نہ قبر حسینؑ بنے گی۔

ابن زیاد نے کہا۔

اچھا تو تو نے میرے خلاف کافی ثبوت فراہم کر رکھے ہیں۔ اب تو بھی لے لے گا رے کی حکومت۔

عمر سعد کہا کرتا تھا۔

بخدا مجھ جیسا بدنصیب کوئی نہ ہوگا۔ سچ کہا تھا حسین نے عمر سعد تجھے عراق کی گندم نصیب نہ ہوگی۔ جس قدر میں نے خسارے کا سودا کیا ہے اس قدر کوئی بھی نہ کرے گا۔

دربار کوفہ میں پیشی

دعا ہے خدائے قدوس ان آنکھوں کو کبھی نور لائے جو غم زہراؑ میں روتی ہیں جب سیدہ کونین سر پہ چادر لے کر گھر سے مسجد نبوی تک گئی تھیں جہاں تمام مہاجرین و انصار جمع تھے اور دختر رسول نے اپنے حق کا مطالبہ کیا تھا تمام مہاجرین وانصار نے اسے سنا بھی تھا سمجھا بھی تھا مگر کسی نے کوئی پروا نہیں کی تھی۔

جناب زہراؑ کا پہلی حکومت کے دربار میں جانا ہی بنات زہراؑ کا ابن زیاد کے دربار میں جانے کا پیش خیمہ تھا۔

اور جناب سیدہ نے دربار سے محروم واپس آنے کے بعد جناب فضہ کے اس سوال پر کہ۔

اے دختر رسول ایسا کیوں ہوا ہے؟
امت مسلمہ سے یہ توقع تو نہ تھی؟

جواب دیا تھا۔

فضہ تجھے توقع نہیں ہوگی۔ مگر ہمیں حالات کا پہلے سے علم تھا۔
کیا تونے دیکھا نہیں کہ میرے محسن انسانیت بابا کا جنازہ تین دن گھر رکھا رہا

اور امت مسلمہ حصول اقتدار میں مصروف رہی۔

فضہ یہ جنگ بدر کے کینے ہیں جو میرے بابا کے انتظار میں تھے۔اب ابھر ابھر کر سامنے آئیں گے۔اگر بنت رسول کی عصمت اور علم لدنی سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو یہ بی بی کی بصیرت کی بڑی واضح دلیل ہے۔کہ ۱۱ھ میں بی بی فرماتی ہیں۔فضہ۔

تلك احقاد بدرية یہ بدر کے کینے ہیں۔

اگر وفات رسول کے بعد بنت رسول کو دربار میں آنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو ابن زیاد جیسے حرامزادوں کی کب جرات تھی کہ وہ بنات زہرا کے بے مقنع و چادر پس گردن دست بستہ پیش ہونے کا حکم دیتے۔

میرا دل کہتا ہے عرض کروں اے دختر رسول تو تو خوش نصیب تھی ذرا آج پندرہ محرم کو دربار کوفہ کا منظر دیکھ۔

اے بنت رسولؐ تو صرف گھر سے مسجد تک گئی تھی۔

تیری بیٹیاں زندان سے دربار میں آئی ہیں۔

تو اپنی میراث لینے گئی تھی۔

تیری بیٹیوں نے کوئی حق نہیں مانگا تھا صرف اس جرم میں لے جائی گئیں ہیں کہ وہ تیری بیٹیاں ہیں۔

تو اپنی مرضی سے گئی تھی۔

تیری بیٹیوں کو مجبور کر کے لے جایا گیا ہے۔

تو نے سر پہ چادر کر رکھی تھی۔

تیری بیٹیوں کے سروں سے چادریں اتاری گئی تھیں۔

تیرے اردگرد ہاشمی مستورات کا حلقہ تھا۔
تیری بیٹی کے گرد بے ردا ہوئیں تیری پوتیاں اور تیری نواسیاں تھیں۔
تیرا خطبہ سننے والے مہاجرین وانصار تھے۔
لیکن تیری بیٹی کے خطبے سننے والے بازاری لوگ تھے۔
تیرے سامنے تیرے بابا کا منبر تھا۔
تیری بیٹی کے سامنے ایک حرامزادہ تھا۔
تجھے صرف ایک بابا کی وفات کا داغ تھا۔
تیری بیٹی نے ستر قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر اپنے بھائی کو پیاسا ذبح ہوتے دیکھا تھا۔
نو بھائیوں کی شہادت جوان بھتیجوں کی لاشوں کے ٹکڑے اور کمسن بیٹیوں کی پامال شدہ لاشوں کا درد تھا۔
تو اپنے بابا کا مزار دیکھ کے دربار میں آئی تھی۔
تیری بیٹی، بہتر پامال اور بے سر لاشے گرم ریت پر دیکھ کے آئی تھی۔
جب پندرہ محرم کی صبح ہوئی ابن زیاد نے دربار لگایا۔ تمام امرائے شہر اور سالاران لشکر جمع ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق کرسی نشین ہو گیا۔
پولیس اور فوج ہر طرف پھیل گئی ہو۔
اس ملعون نے پہلے تو سر مظلوم زہرا اور دیگر سرہائے شہداء لانے کا حکم دیا۔ فرزند رسول کا سر چاندی کے طشت میں اور دیگر سر نیزوں کی نوک میں پرو کر پیش کیے گئے۔

جب تمام سر پیش کر دیئے گئے پھر اس نے حکم دیا کہ۔
اب تمام قیدیوں کو حاضر کیا جائے
جب مخدرات عصمت کو دربار میں لایا گیا مورخین کے مطابق سب سے آگے جناب سجاد تھے ان کے بعد بصورت قطار ایک رسی میں مقید تمام ذریت رسول کو پیش کیا گیا۔
بعض مخدرات نے بالوں سے پردہ بنا رکھا تھا اور جن کے بال کمی کی وجہ سے چھوٹے تھے انہوں نے پس گردن بندھے ہاتھوں کے درمیان کہنیوں میں منہ چھپا رکھے تھے۔
مقتل ابو مخنف کے مطابق تمام مستورات کھڑی رہ گئیں۔ لیکن ثانیہ زہرا بیٹھ گئیں۔
شیخ مفید کے مطابق بنت علی نے انتہائی میلا اور بوسیدہ لباس پہن رکھا تھا۔ اور مسجد میں بیٹھ گئیں۔
جب ابن زیاد نے دیکھا تو سوال کیا کہ۔
میری اجازت کے بغیر یہ بیٹھ جانے والی مستور کون ہے۔
اس کے سپاہیوں نے بتایا کہ یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ہے۔
ابن زیاد نے بی بی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

الحمد لله الذی	اس اللہ کی حمد ہے جس نے
فضحکم و قتلکم	تمہیں رسوا کیا۔ تمہیں قتل کیا
واکذب احدو	اور تمہارے دین کی پیدا کردہ
ثتکم۔	بدعت کو باطل کر دیا۔

دختر زہرا نے جواب دیا۔

الحمد لله الذی اکرمنا بنبیه محمد و طهرنا من الرجس تطهیرا۔

اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمیں اپنے نبی محمدؐ سے شرف فرمایا ہے اور ہمیں اس طرح پاک رکھا ہے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے،

انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر و هو غیرنا والحمد لله۔

شاید تجھے معلوم نہیں کہ رسوا بدکردار ہوتے ہیں اور جھوٹ زناکار بولتے ہیں۔ جب کہ بحمد اللہ وہ ہمارے اغیار ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔

کیف رأیت فعل الله باهل بیتك۔

بھلا اب بتا کہ تم نے کیا محسوس کیا ہے کہ اللہ نے تیرے اہلبیت سے کیا سلوک کیا ہے۔

دختر زہرا نے فرمایا۔

کتب الله علیهم القتل فبرزوا الی مضاجعهم و سیجمع الله بینك و بینهم فیحاجون الیه

اللہ نے میرے اہلبیت کے مقدر میں شہادت لکھی تھی، وہ اپنی مقتل میں آئے اور اپنا حصہ وصول کیا عنقریب اللہ تجھے اور ان کو ایک جگہ (میدان محشر میں) جمع کرے گا

و یختصمون عندہ	وہ اپنا دعویٰ دائر کریں گے اور
فانظر لمن	اللہ سے انصاف کی درخواست
الفلج یومئذ	کریں گے اس دن دیکھ لینا اے
ثکلتك امك یا بن	ابن مرجانہ تیری ماں تیرے غم میں
مرجانہ	روئے کہ کون کامیاب ہے۔

شیخ مفید کے مطابق ابن زیاد بپھر گیا اور اس نے جلاد کو دختر زہرا کے قتل کا حکم دیا۔

لیکن عمرو ابن حریث نے کہا۔

اے امیر یہ دررسیدہ عورت ہے اور عورتوں سے مواخذہ نہیں کیا جاتا

چنانچہ اس نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

اور کہا۔

قد شفی اللہ	اللہ نے تیرے باغی اور سرکش
نفسی من طاغیتك و	اہل بیت کے قتل سے میرے دل
العصاة من اهل بیتك۔	کو ٹھنڈا کر دیا ہے ۔

بنت زہرا نے ایک سرد آہ کھینچی پھر رو کر فرمایا۔

لعمری لقد	بخدا تو نے میرے بوڑھے شہید
قتلت کھلی و ابرزت	کیے۔ ہمیں دربدر کیا تو نے ہماری
اهلی وقطعت فرعی	شاخیں کاٹ ڈالیں۔ ہماری جڑیں
واجتثثت اصلی	منقطع کر دیں اگر تیرا دل اسی طرح
فان یشفك هذا	ٹھنڈا ہونا تھا تو واقعا تیرا دل

فقد اشتفیت ۔

ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔

ان هذه سجاعة ولقد کان ابوها سجاعًا شاعراً ۔

یہ عورت بڑی قافیہ بندی کرتی ہے۔ اس کا باپ بھی بڑا قافیہ بند اور شاعر تھا۔

بی بی نے فرمایا۔

اے ابن زیاد۔

ما للمرأة و السجاعة ان لی من السجاعة لشغلا و لکن صدری نفث بما قلت ۔

بھلا عورت اور قافیہ بندی کا کیا جوڑ ہے، میرے پاس تو ویسے ان چیزوں کے سوچنے کا وقت نہیں ہے (بستر لاشہ گرم ریت پر بے گور و کفن دیکھ کر آئی ہوں۔) یہ تو صرف تیری باتوں کا جواب تھا جو جلے ہوئے دل نے کہہ دیا۔

وانی لا عجب ممن یشتفی بقتل آئمته ویعلم انهم منتقمون منه فی اخرته ۔

ویسے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو اپنے آئمہ حق کو قتل کر کے دل کو ٹھنڈا سمجھتا ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ قیامت میں مجھ سے انکا انتقام بھی لیا جائیگا۔

مؤلف۔

چونکہ ابن زیاد کو بنی ہاشم سے بالعموم اور حضرت علی سے بالخصوص بغض و عداوت تھی اس لیے وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اولاد علی میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ رہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس نے یہ سوچا کہ مرد تو وہی تھے جو کربلا میں شہید ہو گئے ہیں۔ اب کسی نہ کسی طریقہ سے عورتوں کو قتل کرنے کا بہانہ بھی مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے دختر زہراؑ سے اشتعال انگیز باتیں کیں تاکہ جواب میں بنت علیؑ بھی اشتعال انگیز باتیں کرے اور مجھے موقع مل جائے۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ۔

بنت زہرا نے میری اشتعال انگیزی کے باوجود انتہائی حلم اور بردباری سے ایسے مناسب جواب دیئے ہیں کہ نہ صرف مجھے موقع نہیں مل سکا بلکہ اہل دربار کی ہمدردیاں بھی اس نے اپنی طرف کر لی ہیں تو پھر یہ خبیث جناب سجاد کی طرف متوجہ ہوا۔

جناب سجاد نے فرمایا۔

الی کم تھتك عمتی بین	اللہ تیرے ہاتھ اور پاؤں قطع
من تعرفها و بین من لا یعرفها	کرے اے ظالم کب تک تو
قطع اللّٰہ یدیك و رجلیك۔	بنت زہرا کا دل جلاتا رہے گا

یہ تو اسی موقعہ کی تلاش میں تھا اس نے پوچھا۔

من انت۔ تو کون ہے۔

جناب سجاد نے فرمایا۔

انا علی ابن الحسینؑ ۔ میں علی ابن حسینؑ ہوں ۔

ابن زیاد نے کہا ۔

ألیس قد قتل الله علیؑ ابن الحسینؑ ۔ کیا اللہ نے علیؑ ابن حسینؑ کو قتل نہیں کر دیا ۔

جناب سجاد نے فرمایا ۔

الله یتوفی الانفس حین موتها ۔ اللہ تو ہر نفس کو اس وقت وفات سے دو چار کرتا ہے جب طبعی عمر پوری ہو جاتی ہے ۔

ابن زیاد بھپر بیٹھ گیا اور کہنے لگا ۔

بك جرأة علی جوابی وفیك بقیة لله و علی اذهبوا به فاضربوا عنقه ۔ ابھی تک تجھ میں ترکی بترکی جواب دینے کی جرأت ہے اور تو میری بات میرے منہ پر مارنے کی ہمت کرتا ہے اسے لے جاؤ اور گردن اڑا دو ۔

یہ سنتے ہی بنت زہراؑ اپنی جگہ سے اٹھی اور مجبور ہاتھوں سے جناب سجاد پر گر گئی ۔

اور فرمایا ۔

لئن قتلته فاقتلنی معه ۔ ظالم اگر اسے قتل کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کر دے ۔

جناب سجاد نے عرض کیا ۔

پھوپھی جان آپ ایک طرف ہو جائیں مجھے اس سے بات کر لینے دیں، پھر آپ ابن زیاد کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور فرمایا۔

أبا لقتل تهددني	اے ابن زیاد تو مجھے قتل کی
یا ابن زیاد اما علمت	دھمکی دیتا ہے۔ ابھی تک تجھے
ان القتل لنا عادة و	یقین نہیں ہوا کہ قتل ہماری عادت
كرامتنا الشهادة۔	ہے اور شہادت ہمارا فخر ہے

ابن زیاد نے کہا۔

بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر اس بیمار کو قتل کیا گیا تو یہ مخدرہ اپنی جان اس پر دے دی گی۔

اسے چھوڑ دو میں دیکھ رہا ہوں یہ بیمار ہے۔

ایک مرتبہ پھر دختر زہرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

لقد كذب ابتم وكذب	تم نے بھی جھوٹ بولا تھا اور
جدكم وا فتضحتم	تمہارا جد امجد بھی (نعوذ باللہ)
و كلنی الله منكم۔	جھوٹا تھا اب اللہ نے مجھے تم
	پر غلبہ دیا ہے۔

دختر زہرا نے فرمایا۔

یا عدو الله یا ابن	اے دشمن خدا! اے حرامزادے
الدعي انما یکذب	کی اولاد جھوٹا فاسق ہوتا ہے
الفاسق و یفتضح المنافق	اور منافق رسوا ہوا کرتے ہیں

وانت واللہ حق بالکذب والفجورفا بشر بالنار۔	بخدا تو کذاب ہے۔ اور تو فاجر ہے۔ تجھے دائمی جہنم مبارک ہو۔

ابن زیاد نے کہا۔

ان صرت الی النار فقد شفیت صدری منکم ۔	اب اگر جہنم بھی چلا بھی گیا تو پروا نہیں ہے تمہارے خون سے دل کو ٹھنڈا کر لیا ہے

دختر زہرا نے فرمایا۔

فقد رویت الارض من دم اھل بیت ۔	ظالم تو نے اہلبیت محمد کے خون سے زمین سیراب کر دی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔

یا ابنة السجاع لولا انك امرأة لاموت بضرب عنقك ۔	اے شاعر کی بیٹی۔ اگر تو عورت نہ ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دینے کا حکم دیتا ۔

اس کے بعد ابن زیاد نے مختار کو دربار میں لانے کا حکم دیا تاکہ مختار جن کی مدد کے لیے تیار تھا وہ بھی بچشم خود ان کا حال دیکھے جب مختار کو لایا گیا تو اس نے دربار کی حالت دیکھی جناب سید الشہدار اور ذریت رسول کے سر دیکھے تو بے ساختہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ابن زیاد اور مختار کے مابین کافی دیر تک یہ مکالمہ جاری رہا۔

پھر ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ۔

اب اسیروں کو زندان میں لے جاؤ اور سر ہائے شہدا کو کوفہ کے ہر گلی اور کوچہ میں پھراؤ۔

مؤلف۔

سرِ غریب کربلا نے جسم اطہر سے جدا ہونے کے بعد متعدد مقامات پر کلام کیا ہے۔ جن میں سے بعض مقامات پر تو صرف خواص نے کلام سنا ہے اور بعض مقامات پر خاص و عام ہر ایک نے سنا ہے۔

سب سے پہلے مرتبہ سر نے اس وقت کلام کیا جب شمر نے سر مبارک کو جسم اطہر سے جدا کیا یہ کلام شمر نے سنا اور وہی اس کا راوی ہے۔ کہ سر سے تین مرتبہ۔ عباس عباس عباس کی آواز آئی۔

دوسری مرتبہ زوجہ شمر نے تو بڑے سے زیر طشت سر کا گریہ سنا۔

تیسری مرتبہ دربار ابن زیاد میں سر نے کلام کیا سابقاً ہم ذکر کر چکے ہیں جیسے دربار میں موجود ہر شخص نے سنا۔

چوتھی مرتبہ جب اسیران آل محمد کا قافلہ کوفہ میں آیا تو سر نے جناب مسلم کے سر سے کلام کیا۔

پانچویں مرتبہ سر نے ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون کی تلاوت بازار کوفہ میں کی۔

چھٹی مرتبہ سر نے دوران طواف بازار کوفہ تلاوت کی جسے زید ابن ارقم صحابی رسول نے سنا اور روایت کی کہ سرِ غریب کربلا ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا کی تلاوت کر رہا تھا۔

میں نے جواب میں عرض کیا۔

اے فرزند رسول آپ کا واقعہ تو اصحاب کہف سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔
علاوہ ازیں تا شام سر کا کلام کرنا اپنے مقام پر آئے گا۔اب سب مسلمہ حقائق سے
دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ ولی خدا میں موجود قوت متصرفہ جسم عنصری کی محتاج نہیں ہوتی۔ولی
ظاہر وقت ہر حالت میں ہر جگہ اور ہر حیثیت سے تمام تر تصرفات میں خود
مختار اور قادر ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ سر سے کلام کا موجد اللہ ہو۔یعنی یا تو اللہ خود متکلم ہو یا اللہ سر
میں آواز کا موجد ہو۔ بہر صورت سب نکات قابل غور و فکر ہیں۔

عبداللہ ابن عفیف کی شہادت

جب اس ظالم نے اسیران آل محمدؐ کو زندان میں بھیج دیا اور سرہائے شہداء تشہیر کا حکم دے چکا۔

تو اس کے بعد یہ منبر پر آیا اور یوں خطبہ دیا۔

الحمد للہ الذی	اس اللہ کی حمد ہے جس نے
اظہر الحق و	حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور
نصر امیر المومنین	امیر...... یزید اور اس کے
یزید وحزبہ وقتل	گروہ کو فتح دی۔ کذاب ابن
الکذاب ابن الکذاب	کذاب اور اس کے انصار کو
و شیعتہ۔	قتل کیا۔

جناب عبداللہ ابن عفیف جو صحابہ حضرت علیؑ سے تھے اس مجمع میں تشریف فرما تھے،

فوراً اٹھے اور فرمایا۔

یاعدو اللہ ان الکذاب	اے دشمن خدا۔ تو کذاب ہے

انت وابوك والذی	تیرا باپ کذاب تھا جس نے
ولاك وابوه بابن	تجھے گورنر بنایا ہے۔ وہ کذاب
مرجانه ۔ تقتل	ہے اور اس کا باپ کذاب
اولاد النبیین وتقوم	تھا۔ اے مرجانہ کے بیٹے۔ یہ
علی المنبر مقام	ذریت رسول کو قتل کر کے اس
الصدیقین۔	منبر پر بیٹھا ہے جو صدیقین کا مقام ہے۔

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ جو نہی سپاہی گرفتاری کو دوڑے۔ جناب عبداللہ نے چونکہ ازد سے تھے اس لیے انہوں نے بنی ازد کا نعرہ لگایا۔ بنی ازد سے سات سو تلوار باز اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے سپاہیوں کو روک دیا۔ جب رات ہو گئی تو ابن زیاد نے سپاہی بھیجے جو اس مرحوم کو شہید کر کے اس کا سر لے آئے۔

مقتل ابو مخنف میں یہ واقعہ قدرے تفصیل سے ہے۔ اور وہ یوں کہ جب بنی ازد نے سپاہیوں کو جناب عبداللہ کی گرفتاری سے روکا تو اس وقت ابن زیاد خاموش ہو گیا۔

رات کے وقت اس نے خولی کو پانچ سو سپاہی دے کر بھیجا تاکہ جناب عبداللہ کا سر لے آئیں۔

جب خولی اس کوچہ میں داخل ہوا جس میں جناب عبداللہ کا گھر تھا تو جناب عبداللہ کی کمسن بیٹی نے گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور عرض کیا۔ ابا جان میرا خیال ہے دشمن آ گئے ہیں۔

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

بیٹی تلوار مجھے دے دے اور ایک طرف کھڑے ہو کر مجھے بتاتی رہ کر دشمن دائیں ہیں یا بائیں ہیں ۔

اس مخدرہ نے حسرت سے کہا۔

بابا کاش آج میں آپ کا بیٹا ہوتی ۔

اتنے میں سپاہی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے ۔ جناب عبداللہ آمادہ جنگ ہو گئے ۔ بیٹی کی نشاندہی پر دشمنان خدا اور رسول کو واصل جہنم کرنے لگے، بالآخر گرفتار ہوئے ۔ ابن زیاد کے پاس لائے ۔

ابن زیاد نے کہا۔

الحمد لله الذی اعمی یمینك ۔	اللہ کی حمد ہے جس نے آپ کو نابینا کر دیا ہے ۔

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

الحمد لله الذی اعمی قلبك و ابصر قلبی ۔	اس اللہ کی حمد ہے جس نے تیرے دل کو اندھا اور میرے دل کو بابصیرت کیا ہے ۔

ابن زیاد نے کہا۔

قتلنی الله ان لم اقتلك اشر قتلة ۔	اللہ مجھے ہلاک کرے اگر میں نے تجھے بدترین طریقہ سے قتل نہ کیا۔

☆

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

میں اللہ سے ہمیشہ دعا کرتا تھا کہ مجھے شہادت نصیب فرما۔ لیکن جب سے جنگ صفین میں میری بینائی ضائع ہوئی ہے اس وقت سے مایوس ہو گیا تھا۔ لیکن آج نظر آرہا ہے کہ اللہ نے میری دعا قبول فرما لی ہے۔ اور مجھے اپنی مخلوق میں سے بدترین فرد کے ہاتھوں شہادت دلوا رہا ہے۔

پھر ابن زیاد نے اس محب آل محمد کے قتل اور بعد از قتل جسم کو سولی چڑھانے کا حکم دیا۔

منتخب میں علامہ طریحی نے اس واقعہ کو قدرا تفصیل سے یوں بیان کیا ہے کہ۔

جب بنی ازد نے جناب عبداللہ کو اپنے گھر پہنچایا۔ تو ابن زیاد اس افسوس سے کہ بھرے دربار میں کیوں ایک شخص نے مجھے ٹوکنے کی جرات کی ہے منبر سے اترا اور کمرہ کے اندر چلا گیا۔ ابن زیاد مزاج مصاحب اس کے ساتھ تھے انہوں نے کہا۔

اے امیر اگر آپ اس طرح خاموش بیٹھے رہے تو شیعیان آل محمدؐ کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔

آپ بنی ازد کو معاف نہ کریں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو قبائلی طور پر ازد کے دشمن تھے۔

ابن زیاد نے رؤساء بنی ازد میں سے ایک ایک کو بلایا اور انہیں زندان میں ڈال دیا۔ پھر عمرو بن حجاج۔ شبث ابن ربعی اور ابن اشعث کو فوج دے کر بھیجا کہ جا کر ابن عفیف کو قتل کر ڈالو۔ جب بنی ازد کو معلوم ہوا تو وہ مسلح ہو کر

باہر آگئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ بنی ازد کا پلہ بھاری رہا۔ عمرو ابن حجاج نے ابن زیاد کو حالات سے آگاہ کیا۔

چنانچہ ابن زیاد نے بنی مضر کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ بنی مضر کے جانے سے جنگ کا پانسہ یزیدی مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔ یہ لوگ جناب عبداللہ کا دروازہ توڑ کر اندر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد وہی واقعہ ہے جو سابقا گزر چکا ہے۔

مؤلف۔

کاش یہی لوگ میدان کربلا میں فرزند رسول کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔

سرکار ابن طاؤس نے لہوف میں جناب عبداللہ کے گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس آنے کا واقعہ یوں لکھا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔

الحمد لله الذی اخزاك۔ — اس اللہ کی حمد ہے جس نے تجھے رسوا کیا ہے۔

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

یا عدو الله بما اخزانی۔ — اے دشمن خدا اللہ نے مجھے کیسے ذلیل کیا ہے۔

ذرا اپنے کتوں سے پوچھ لے کہ بینائی نہ ہونے کے باوجود میں نے کتنے قتل کیے ہیں۔ اگر بینائی ہوتی تو پھر تجھے اندازہ ہوتا کہ میں کون ہوں۔

ابن زیاد نے کہا۔

تیرا عثمان ابن عفان کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

اے بنی علاج کے غلام۔ اے مرجانہ زادے تجھے عثمان سے کیا واسطہ۔ عثمان اللہ کے پاس پہنچ چکا ہے اور وہ عادل ہے جو فیصلہ کرے گا عدالت سے کرے گا۔ تو اپنے اور اپنے باپ کے متعلق مجھ سے پوچھ۔ تو یزید اور اس کے باپ کے بارے میں مجھ سے سوال کر۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں تجھ سے کچھ بھی نہ پوچھوں گا۔ تجھے قتل کروں گا۔

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

الحمد للہ رب العالمین۔

سابقاً ہم بتا چکے ہیں کہ جناب مختار ابن زیاد کی قید میں تھے۔ جس دن جناب عبداللہ شہید ہوئے اسی دن اس نے جناب مختار کو بھی شہید کرنے کا پروگرام بنایا لیکن عین وقت پر عبداللہ ابن عمر ابن خطاب اور عمر ابن سعد کی سفارش سے اسے جناب مختار کو رہا کرنا پڑا۔ کیونکہ جناب مختار کی ایک بہن عمر سعد کی بیوی اور دوسری عبداللہ ابن عمر کی بیوی تھی۔

البتہ ابن زیاد نے جناب مختار سے یہ شرط کی تھی کہ قید سے رہائی کے بعد تو کوفہ میں تین دن سے زیادہ نہیں رہے گا۔

جناب عبداللہ کی شہادت کے بعد جمعہ تک جناب مختار کوفہ میں رہے جمعہ کے خطبہ میں ابن زیاد نے جب حضرت علیؑ۔ جناب زہرا اور جناب حسنین کے خلاف لاف زنی کی تو جناب مختار نے اٹھ کر اس کا گریبان پکڑا اور اسے اس لاف زنی سے روکا۔

چونکہ یزید نے ابن زیاد کو جناب مختار کے سلسلہ میں رہائی کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ خبردار پھر مختار کو قید نہ کرنا. اس لیے یہ خبیث مجبور تھا۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ لیکن جناب مختار نے بھی پھر کوفہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور کوفہ سے بھی نکل گئے۔

سرکار ابن نمانے مثیر الاحزان میں لکھا ہے کہ جناب عبداللہ کو شہید کرنے کے بعد ابن زیاد نے جندب ابن عبداللہ ازدی کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جب جناب جندب گرفتار ہو کر آئے تو۔

ابن زیاد نے پوچھا۔

کیا تو ابو تراب کا صحابی نہیں ہے؟۔

جناب جندب نے کہا۔

میں نے کب انکار کیا ہے۔ نہ پہلے انکار کیا ہے اور نہ اب معذرت کرتا ہوں میں ابو تراب کا صحابی تھا اب اس کا محب ہوں اور آخری سانس تک اس کا محب رہوں گا۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں قربۃً الی اللہ تجھے قتل کروں گا۔

جناب جندب نے فرمایا۔

غلط سوچ رہا ہے۔ میرے قتل سے تجھے قرب خدا نہیں بلکہ اور دوری نصیب ہو گی۔

صاحب روضۃ الصفا نے جناب جندب اور ابن زیاد کی گفتگو یوں لکھی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ اے دشمن خدا کیا تو جنگ صفین میں علی ابن ابو طالب کے ساتھ نہیں تھا؟۔

جناب جندب نے فرمایا۔ میں نے کب انکار کیا ہے۔ میں نے تو آنکھ ہی محبت علیؑ میں کھولی ہے۔ اور تادم آخر اسی محبت پر رہوں گا اور مجھے اس پر فخر ہے۔ محبت علیؑ کو اپنی عزت اور شرف سمجھتا ہوں۔ میں تجھے اور تیرے باپ کو ساری زندگی ناپسند کرتا رہا۔ اور اب جب سے تو نے فرزند رسول کو شہید اور ذریت رسول کو بے مقنع و چادر کیا ہے میری تجھ سے عداوت میں اور اضافہ ہو گیا ہے اس کے بعد ہی مثیر الاحزان والا واقعہ ہے۔

مدینہ میں خبر شہادت

لہوف۔ ارشاد، بحار، وغیرہ کا ملخص ۔

پندرہ محرم کو اسیران آل محمد کو زندان میں بھیجنے ابن عفیف کو شہید کرنے اور مختار کو رہا کرنے کے بعد ابن زیاد نے تمام مملکت کو مبارک بادی کے خطوط بھیجے ان میں سے ایک خط عمرو ابن سعید گورنر مدینہ کے نام اور دوسرا خط یزید ابن معاویہ کے نام بھی تھا۔

البتہ دیگر خطوط اور نامہ یزید میں فرق یہ تھا کہ ۔

ابن زیاد نے یزید سے مزید ہدایات مانگی تھیں کہ اب ان سروں اور قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے ۔

انھیں یہی کوفہ میں قید رکھا جائے ۔

یا سروں کو کربلا یا کوفہ میں دفن کر کے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے ؟

یا سر آپ کو بھیجے جائیں اور قیدی کوفہ میں رکھے جائیں ۔؟

یا سر آپ کو بھیج کر قیدیوں کو رہا کر دیا جائے ۔

یا سر اور قیدی دونوں آپ کے پاس بھیجے جائیں ۔

جب یزید کو خط ملا تو اس نے پہلے تو لوگوں کے دکھاوا کی خاطر مکاری سے کام لیا۔

اور کہنے لگا۔

ابن زیاد نے بہت برا کیا ہے۔ میں نے تم سے صرف یہی لکھا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت نہیں کرتا تو نہ کرے اسے کسی سرحد پر رہنے دے۔ لیکن اندرونی طور پر یہ بڑا خوش تھا۔ کہ چلو یہ کانٹا اب نکل گیا ہے۔ ابن زیاد کو جواب یوں لکھا۔

شہداء کے سر۔ اسیران آل محمد۔ اور ان کے خیام سے لوٹا ہوا مال سب کا سب میرے پاس بھیج دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسیران آل محمد کی کوفہ میں زیادہ رہائش لوگوں میں انتشار کا باعث نہ بن جائے۔ اور تیرے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے۔

چنانچہ ابن زیاد نے۔ شمر ابن ذی الجوشن مذجر ابن قیس۔ اور خولی کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر شام کی طرف روانہ کر دیا۔

دوسرا خط عبد الملک ابن ابو الحارث سلمی کو دے کر مدینہ بھیجا اور اسے کہا کہ جا عمر و ابن سعید کو فتح کی مبارک باد دے۔

عبد الملک کہتا ہے کہ میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا طے منازل کے بعد جب داخل مدینہ ہوا تو ایک قریشی ملا اس نے پوچھا۔

کوئی نئی خبر ہے؟

میں نے کہا۔

ہاں ہے لیکن گورنر کے پاس چل کر سن لو۔

اس نے کہا۔ کیا جا کر سنانا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون فرزند رسول شہید ہو گیا ہے۔

میں جب عمرو ابن سعید کے پاس گیا تو اس نے پوچھا۔

کیا حال ہے؟

میں نے کہا۔

وہ حال ہے جسے سنکر آپ خوش ہو جائیں گے۔ فرزند رسول اپنے انصار کے ساتھ شہید ہو گیا ہے۔

یہ سنکر عمرو مسکرایا مجھ سے خط لیا اور کہا۔ جب اتنا لمبا سفر کیا ہے تو ایک کام اور بھی کر دے

میں نے کہا وہ کونسا؟

عمرو نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں نے قتل حسین کی بشارت تیری زبان سے سنی ہے۔ اسی طرح تمام اہل مدینہ یہ خوشخبری تیری زبان ہی سے سن لیں۔

چنانچہ میں اسی گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ کی تمام گلیوں میں قتل حسینؑ کا اعلان کیا۔

میں نے اپنی پوری زندگی اتنا نوحہ و بکا کہیں نہیں دیکھا اور نہ سنا جتنا میرے اس اعلان سے مدینہ میں ہوا۔ کوئی تمیز نہیں تھی کہ رونے والے ہاشمی ہیں یا غیر ہاشمی بس جو جو سنتا گیا خواہ عورت تھی یا مرد۔ بچہ تھا یا جوان۔ اور بوڑھا تھا یا ضعیف دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

مردوں میں سے کچھ نے جناب محمد ابن حنیفہ کے گھر کا رخ کیا۔ کچھ جناب عبداللہ ابن جعفر طیار کے گھر کی طرف آئے اور عورتیں کچھ جناب ام سلمہ کے پاس۔ کچھ جناب ام البنین کے پاس اور کچھ جناب فاطمہ صغریٰ بنت حسین کے پاس۔ جمع ہونا شروع

ہو گئیں۔

صرف دو گھر ایسے تھے جن میں کوئی نہ گیا۔ایک امام حسنؑ کا گھر۔ اور دوسرا جناب مسلم ابن عقیل کا گھر کیونکہ ان گھروں میں کوئی نہ تھا۔ یہ گھر مقفل اور خالی تھے ان گھروں میں رہنے والے تمام کے تمام کربلا میں جا چکے تھے۔

ویسے بعض مورخین کے مطابق امام حسین کی سوئے کربلا روانگی کے بعد اس عمرو ابن سعید خبیث نے امام حسینؑ۔امام حسنؑ۔اور جناب مسلم کے گھر گرا دینے کا حکم دیا تھا۔

اور اب یہاں کسی مکان وغیرہ کا نشان تک نہ تھا۔جناب ام البنین حضرت علی کے گھر میں اور جناب فاطمہ صغریٰ بنت حسین جناب ام المومنین ام سلمہ کے گھر میں رہتی تھیں۔

جب تمام مستورات مدینہ ان تمام گھروں میں جمع ہو گئیں تو جناب ام البنین اپنے گھر آنے والی تمام مستورات کو لے کر جناب ام المومنین ام سلمہ کے گھر آئیں جناب فاطمہ بنت حسین غش پر غش کھا رہی تھیں۔ کافی دیر تک نوحہ و بکا کے بعد جناب ام المومنین ام سلمہ نے فرمایا کہ۔

میرا دل چاہتا ہے چلو کر روضہ رسول پہ جا کر آنحضورؐ کو اس کے ر اب دوش کا پرسہ دیں۔چنانچہ مستورات کا پہلا پہلا ماتمی جلوس جناب ام المومنین ام مسلمہ کی قیادت میں خانہ رسول سے نکلا اس جلوس کے آگے آگے جناب ام المومنین ام سلمہ۔ جناب ام البنین۔جناب فاطمہ صغریٰ بنت حسین اور زینب بنت عقیل تھیں۔

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم روضہ رسول پر آئے اور میں نے آگے پرسہ دیا اور عرض کیا۔

اے رسول عالمین ہم آپ کو آپ کے عزیز بیٹے کی شہادت کا پرسہ دینے آئی ہیں۔

تو مدینہ کی ہر عورت نے دیکھا کہ روضہ رسول لرزنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض مستورات سنبھل نہ سکیں اور بیٹھ گئیں۔ اور بعض مستورات خوف سے باہر آگئیں۔

قتلت شرار بنو امیہ سیدًا خیر ابریۃ ماجدًا ذا شان۔	بنی امیہ کے لفنگوں نے ایسے سردار کو شہید کر ڈالا ہے جو افضل کائنات۔ صاحب مجد اور ذی شان تھا۔

پھر اسی رات کو اہل مدینہ میں سے ہر شخص نے مغرب اور عشاء کے درمیان یہ آواز سنی۔

ایہا القاتلون جہلا حسینا ابشروا بالعذاب والتنکیل کل اہل السماء یدعو علیکم من نبی و ملک و قبیل قد لعنتم علی لسان ابن داؤد و موسیٰ و صاحب الانجیل۔	اے فرزند رسول کو شہید کرنے والے جاہلو! تمہیں دائمی عذاب اور سزا کی بشارت ہو اہل سماء کا ہر باسی خواہ وہ نبی ہے یا ملک اور ملائکہ کی ہر قسم تمہیں بددعا دے رہی ہے تم پر تو قبل ازیں حضرت داؤدؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی زبانی بھی لعنت کی جا چکی ہے۔

جعفر ابن محمد ابن نما کے مطابق اپنے گھروں کو خالی چھوڑ گئے تھے۔ بنی امیہ کے حکم سے وہ تمام گھر اور مکان صفحۂ زمین سے مٹا دیئے گئے تھے۔ اور ان کے گھروں کی جگہ خالی میدان بن گیا تھا۔ ان تمام میں سے زیادہ متاثر اولاد جناب عقیل ہوئی تھی۔

جناب مختار نے اپنے دورِ اقتدار میں جناب سجاد کی خدمت میں کچھ رقم بھیجی تھی۔ اور جناب سجاد نے اسی رقم سے تمام وہ مکانات جو بنی امیہ نے گرا دیئے تھے۔ دوبارہ تعمیر کرائے۔

☆ ☆ ☆

کوفہ میں قاتلین فرزندِ رسول پر

چند ایک حادثات

منتخب التواریخ کے مطابق کوفہ کا ایک لوہار تھا جو بڑا اچھا صحت مند اور تندرست تھا۔ ایک دن وہ صبح سے پہلے بیدار ہوا تو اُس کا نصف نچلا جسم خشک ہو چکا تھا۔ اور اُس کی زبان لمحہ لمحہ میں لکڑی کی طرح خشک ہو جاتی تھی جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو پہلے تو وہ بتانے پر راضی نہ ہوتا تھا اور جب بتانے پر راضی ہوا تو بڑی مشکل سے اس نے اپنا یہ واقعہ پورا کیا۔

میں کوفہ کے لوہاروں میں ایک ہوں جب میں نے جنگ کربلا کی خبریں سنیں تو میں بھی دوسرے پیشہ ور لوگوں کے ساتھ رندہ، خود، تلوار اور نیزے وغیرہ کی اصلاح کا سامان لے کر کربلا میں پہنچ گیا۔ میں پانچ محرم کو کربلا پہنچا۔ میں چونکہ معروف لوہاروں سے تھا اس لیے میرے پاس وافر کام رہا۔ میں خیموں کی میخیں نیزوں کی انیاں اور گھوڑوں کی نعلیں وغیرہ بناتا رہا۔

ساتویں سے آل محمدؐ پر پانی بند کر دیا گیا۔ چونکہ میرا پیشہ اس قسم کا تھا جس میں ہر قسم کے افراد کو ہمارے پاس آنا پڑتا تھا۔ ان آنے والوں میں مزدور بھی ہوتے تھے، سپاہی بھی ہوتے تھے اور فوجی افسران بھی ہوتے تھے اس لیے ایک تو ہمارے پاس ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔ اور دوسرے تازہ بتازہ اطلاعات بھی ہمیں پہنچتی رہتی تھیں۔ رات کو جو کچھ بھی صلاح مشورے اور منصوبہ بندی یا مذاکرت ہوتے تھے۔ وہ سب کے سب صبح صبح ہمیں اپنے مکان پر بیٹھے بٹھائے معلوم ہو جاتے تھے۔

ہم نے یہ بھی سنا کہ ایک طرف یزیدی مسلمان ہیں اور دوسری طرف نواسہ رسول ان کے احباء اقربا۔ اور اللحرم ہیں۔

ہم نے یہ بھی سنا کہ نواسہ رسول نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے واپس مدینہ جانے دو۔

ہم نے نواسہ رسول کی یہ پیش کش بھی سنی کہ مجھے کسی دور پار کی سرحد پر جانے دو۔

ہم تک یہ اطلاع بھی پہنچ گئی کہ نواسہ رسول نے مملکت حجاز و عراق سے نکل جانے کی اجازت بھی مانگی ہے۔

ہم نے یزیدی مسلمانوں کو کھلے عام شراب پیتے بھی دیکھا۔

ہم نے رات کے وقت یزیدی لشکر میں راگ و رنگ کی محفلیں اور رقص و سرور بھی دیکھا۔

ہم نے شب عاشور خیام حسین سے تلاوت قرآن کی آواز بھی سنی اور فوج یزید سے ڈھول اور طبل کی صدا بھی سنی۔

ہم نے خیام حسینؑ سے بچوں کے بلک بلک کررونے اور العطش کی جگر خراش آوازیں بھی سنیں۔ اور لشکر یزید کی طرف سے احد و بدر کے انتقام کے نعرے بھی سنے۔

ہم نے صبح عاشور پہلے اصحاب حسینؑ پھر خود فرزند رسول کی طرف سے اتمام حجت بھی سنا اور یزیدی لشکر کی طرف سے یہ جواب بھی سنا کہ اب موت ہی تمہیں ہمارے انتقام سے بچا سکتی ہے۔

ہم نے یوم عاشور آل محمدؐ کی شجاعت بھی دیکھی اور یزیدی فوج کی بزدلی بھی دیکھی۔

ہم نے پیاسوں کے حملے بھی دیکھے اور تازہ دم یزیدی مسلمانوں کو بھاگتے بھی دیکھا۔

ہم نے قمر بنی ہاشم کی مجبوری بھی دیکھی ہے اور ہم شکل نبی کی بے بسی بھی دیکھی۔

ہم نے شیر خوار کے گلوئے نازنین پر حرمل کے تیر کا نشانہ بھی دیکھا اور قاسم نوشہ کے لاشہ پر دوڑتے گھوڑے بھی دیکھے۔

ہم نے نواسہ رسول کی شجاعت کے جوہر بھی دیکھے۔ اور ان کی مظلومیت بھی دیکھی۔

ہم نے فرزند زہرا کو گھوڑے سے اترتے بھی اور تین گھنٹے تک زین اور زمین کے درمیان تیروں کی نوکوں پر بحالت سجدہ دیکھا۔

ہم نے پسر علی کے وہ اسی زخم بھی گنے جو انہوں نے تیروں سے زمین پہ آنے کے بعد مقتل کے پہنچنے تک کھے۔

ہم نے سنان ابن انس، عمرو ابن حجاج، خولی، شمر اور دیگر ظالموں کے طمانچے مظلوم کے پہلو میں نیزے، حلق میں تیر، اور سینہ پر نیزے کے وار بھی دیکھے۔

پھر ہم نے تاراجی خیام کا وہ اندوہناک سماں بھی دیکھا جس میں چاروں طرف آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل تھے اور انہیں گھری ذریت رسول بھی۔

ہم نے وہ وقت بھی دیکھا جب نعل بند گھوڑوں سے آل محمدؐ کے لاشوں کو پامال کیا گیا۔

ہم نے ایک بے قبر کے مدفون لاشہ کو تلاش کرنے کی خاطر نیزہ بردار دستوں کو زمین کربلا کو چھانتے بھی دیکھا۔

گیارہ محرم کو یزیدی مسلمانوں کے لاشوں کو دفن ہوتے ہوئے اور آل رسول کے لاشوں کو ریگ صحرا پر بے گور و کفن بھی دیکھا۔

اور آخر میں رسول زادیوں کو پابند رسن ہوتا بھی دیکھا۔

بارہ محرم کو میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ واپس آیا۔ اچھی خاصی دولت کما کر لایا تھا۔

کچھ دن تو آرام سے گزر گئے۔ دل میں بڑا خوش تھا کہ مختصر دنوں میں بہت کچھ کما لیا ہے۔

کچھ دنوں بعد حسب عادت رات کو سو رہا تھا، عالم خواب میں اپنے کو اس حد تک پیاسا دیکھا کہ میری زبان سوکھ کر لکڑی بن گئی ہے۔ ہر طرف گرمی ہی گرمی ہے ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے زمین آگ اگل رہی ہو اور آسمان آگ برسا رہا ہو۔ میری طرح دوسرے بے شمار لوگ بھی پیاس سے بدحال تھے۔ کسی کو کسی کا خیال نہ تھا۔ ہر ایک پریشان اور حواس باختہ تھا۔

میں نے بھی سنا کوئی کہہ رہا تھا کہ قیامت آگئی ہے میں پانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ۔

یکایک آنکھوں میں روشنی کی ایسی کرنیں آنے لگیں جن سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سامنے ایک شہسوار نظر آیا جس کی جبین مبین سورج کی طرح جگمگا رہی تھی اس کے گرد بہت سے سفید جبینوں کا جم غفیر تھا وہ میرے قریب سے گھوڑا دوڑاتے ہوا گزرا اور میدان کے وسط میں جا کر کھڑا ہو گیا

پھر ایک اور نوجوان آیا جس کا پر نور چہرہ ماہ دو ہفتہ کی طرح تک رہا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں علم تھا اور اس کے گرد بھی ایک بہت بڑا جم غفیر تھا۔ دوسرا نوجوان پہلے کے قریب باادب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

پہلے نے ان کو حکم دیا ان سب کو گرفتار کر لو۔

دوسرا نوجوان اپنے آدمیوں کو لے کر چلا اور حکم دیتا جاتا تھا کہ اس کو گرفتار کر لو اس کو گرفتار کر لو۔ اس کے ملازم گرفتار کرنے لگے۔ ایک میرے پاس آیا اور میرے کندھے پر زنجیر ڈال دی۔

میں نے پوچھا۔

تو کون ہے؟

وہ حکم دینے والا شخص کون ہے؟

اور گرفتار والا کون ہے؟

اس نے جواب دیا۔

میں داروغہ جہنم کے ملازموں سے ہوں۔ حکم دینے والا نبی کونین ہے۔

اس کے ساتھ انبیاء اور ملائکہ ہیں۔

جسے حکم دیا گیا ہے وہ امیر المومنین علیہ السلام اور جن کی گرفتاری کا حکم دیا گیا ہے وہ قاتلان حسینؑ ہیں۔

میں نے کہا۔

میں کربلا میں گیا تو ضرور تھا لیکن فرزند رسول کے خلاف میں نے تو ایک تیر بھی نہیں مارا تھا۔

میرا کندھا جیسے کٹ رہا ہے مہربانی کر کے زنجیر کا وزن تھوڑا سا ہلکا کر دیں اس نے وزن کم کرنے کی بجائے پہلے سے دگنا کر دیا اور کہا۔

اپنی بے گناہی چل کر آقا و مولا کے سامنے پیش کرنا ہمیں جو حکم ملا ہے ہم وہی بجا لا رہے ہیں۔

جب میں اس نوجوان کے پاس پیش کیا گیا۔ تو وہ آنحضور کے پاس گئے۔

انہوں نے پوچھا۔

یا علی کیا کیا ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا۔

قبلہ تمام گرفتار کر لیے ہیں۔

آنحضور نے فرمایا۔ انہیں میرے پیش کرو۔

حضرت علیؑ نے ملائکہ کو پیش کرنے کا حکم دیا۔

ملائکہ نے پیش کیا۔

میں نے دیکھا تو مجھے تمام وہ افراد جو میدان کربلا میں لشکر یزید میں شامل تھے سب نظر آنے لگے۔ عمر سعد بھی تھا۔ شمر بھی تھا۔ غرض اعلیٰ ادنیٰ کی تمام بصورت مجرم

سامنے کھڑے تھے۔

آنحضور ایک ایک کو اپنے قریب بلا کر اس سے پوچھنے لگے۔ تو نے کیا کیا تھا۔

ہر ظالم اپنا ظلم بتلانے لگا۔

کوئی کہتا تھا کہ میں نے قمر بنی ہاشم کے بازو کاٹے تھے۔ کوئی کہتا تھا میں نے ہم شکل نبی کے سینہ میں نیزہ مارا تھا۔

غرض ایک ایک سے مفصل واقعہ سنکر آپ خود بھی روتے تھے اور آپ کے گرد جتنے انبیا تھے سب روتے تھے آپ کسی وقت فرماتے تھے میرے محترم بابا آدم آپ ذرا میری ذریت پر ہونے والے مظالم سنیں، کسی وقت فرماتے تھے بھائی نوح میری اولاد کی مظلومیت دیکھیں۔

آپ ایک ایک سے تفصیل پوچھنے کے بعد ملائکہ سے فرماتے تھے اسے جہنم میں لے جاؤ۔

میں دل میں خوش تھا کہ چونکہ میں نے اولاد رسول پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے امید ہے آقا مجھے معاف فرمادیں گے۔

پھر ایک شخص کو پیش کیا گیا۔

آنحضور نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھی تھا؟

اس نے عرض کیا۔

ہاں حضور میں بڑھی تھا۔ لیکن میں نے آپ کی ذریت میں سے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا۔

تو بھول رہا ہے تو نے تین ظلم کیے ہیں۔

۱۔ تو نے میری ذریت کے خوف میں اس طرح اضافہ کیا ہے کہ تو نے فوج یزید میں ایک عدد کا اضافہ کیا ہے۔

۲۔ تو نے میری آل پر دوسرا ظلم یہ کیا ہے کہ میرے حسینؑ کی صدائے استغاثہ سنکر بھی تو نے اس کی مدد نہیں کی۔

۳۔ تو نے تیسرا ظلم یہ کیا ہے کہ تو نے اس وقت حصین ابن نمیر کے خیمہ کی وہ لکڑی درست کی تھی جو قتل حسینؑ کے بعد چلنے والی آندھی سے ٹوٹ گئی تھی۔

پھر آپ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ اسے بھی جہنم میں لے جاؤ۔ اس وقت میں بھی مایوس ہو گیا کہ اب میری جان بھی مشکل سے بچے گی۔ اسی فکر میں تھا کہ مجھے پیش کیا گیا۔

میں نے جاتے ہی آنحضورؐ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور عرض کی قبلہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا۔

ہاں جو تیر سے میری ذریت پر ٹوٹتے رہے تو انہی کی مرمت کرتا رہا اور تو نے کچھ نہیں کیا۔

میں نے آپ کے قدم پکڑ لیے۔

آپ نے رخ پھیر لیا اور ملائکہ سے فرمایا۔ اسے بھی جہنم میں لے جاؤ چنانچہ ملائکہ مجھے جہنم میں لے جانے لگے۔ میں خوف سے بے دار ہو گیا۔ جب بے دار ہوا تو میری زبان۔ اسی طرح خشک تھی جس طرح خواب میں میں نے دیکھی تھی۔ اور اب تک

ویسے ہی خشک ہے۔ اور میرے جسم کا نصف نچلا حصہ بے کار تھا۔ جس نے بھی اس سے یہ داستان سنی اس نے اس سے تبرا کیا۔ اور وہ اسی عذاب میں مبتلا رہ کر واصل جہنم ہوا۔

سرکار علامہ ابن طاؤس نے لہوف میں قاضی عبداللہ ابن رباح سے روایت کی ہے کہ مجھے ایک نابینا شخص ملا۔ میں نے اس سے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے تو تو اچھا بھلا تھا؟

اس نے جواب دیا۔

جب بد نصیبی آتی ہے تو پھر سب کچھ ہو جاتا ہے۔

میں نے پوچھا۔

پھر بھی بتا تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔

اس نے کہا میں ان دس افراد میں شامل تھا جنہوں نے فرزند رسول کو تیروں سے زمین پر آنے کے بعد جا گھیرا تھا۔ اور ہم میں سے صرف شمر نے ہمت کی تھی اور اس نے جگر گوشۂ زہرا کا سر قلم کیا۔ جب بارہ محرم کو واپس گھر آیا تو رات کو عالم خواب میں ایک شخص نے آ کر کہا۔

چل تجھے سرور کونین نے بلایا ہے؟

میں نے کہا۔ مجھ سے آنحضور کو کیا کام ہے؟

مجھے کس لیے بلایا ہے؟

اس نے میرے گریبان سے پکڑا اور کھینچ کر لے گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اپنے دوسرے نو ساتھیوں کو آنحضور کے سامنے کھڑے دیکھا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چابک سا تھا۔ اور آپ کے پاس ایک فرشتہ کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ آپ کے حکم سے

باری باری ایک ایک کی پشت پر تلوار مارتا تھا اور تلوار کی ضرب کے بعد ایسے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ کہ ان کی ہڈیاں پگھل جاتی تھیں۔ انہیں پھر اٹھایا جاتا تھا۔ اور پھر تلوار سے انہیں پگھلایا اور جلایا جاتا تھا۔ میں یہ دیکھ کر کانپنے لگا۔

آنحضور نے فرمایا۔

او ظالم! تجھے مجھ سے کیا بیر تھا؟

میں نے عرض کیا۔

قبلہ میں نے نہ تو تلوار اٹھائی ہے۔ نہ تیر چلایا ہے۔ نہ نیزہ مارا ہے۔ نہ پتھر پھینکا ہے اور نہ مشت خاک ڈالی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

ایک تو تو نے فوج یزید میں ایک عدد کا اضافہ کیا ہے۔ اور دوسرے تو ان لوگوں کے اس ظلم پر خوش تھا جو میری ذریت سے روا رکھا گیا۔ پھر آپ نے مجھے گرفتار کرنے والے سے فرمایا اسے میرے قریب لا۔ اس نے مجھے آپ کے قریب کیا۔ آپ نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ میں بے دار ہوا تو بینائی سے محروم تھا۔

ابو رجاء عطاردی سے مروی ہے کہ۔ اہلبیت کا تذکرہ سوائے اچھائی کے نہ کیا کرو میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے بدنصیب کو دیکھا ہے جو امام حسینؑ کو نا سزا بکتا تھا۔ اللہ نے اسے آنکھوں سے محروم کر دیا۔

امالی طوسی میں سدی سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا اس سے تارکول کی بدبو آتی تھی میں نے اس سے پوچھا کیا تو تارکول کی خرید و فروخت بھی کرتا ہے۔

اس نے کہا نہیں۔

میں نے کہا پھر تجھ سے یہ تار کول کی بد بو کیوں آتی ہے۔

اس نے کہا میں ابن زیاد کے لشکر میں میخیں فروخت کرتا تھا۔ کربلا سے واپس آنے کے بعد ایک رات خواب میں آنحضورؐ اور حضرت علیؑ کو دیکھا۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں جام کوثر تھا۔ اور پانی پلا رہے تھے۔

چونکہ میں بھی پیاسا تھا۔

میں نے جا کر پانی مانگا۔

حضرت علیؑ نے مجھے پانی دینے سے انکار کر دیا۔

پھر میں نے آنحضور سے پانی مانگا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تو بھی ان لوگوں سے نہیں جنہوں نے میری ذریت پر کربلا میں ظلم کیے تھے؟۔

میں خاموش ہو گیا۔

آپ نے فرمایا یا علیؑ اسے تار کول پلا دے۔

حضرت علیؑ نے مجھے تار کول دیا۔

اور میں نے خواب میں پی لیا۔

بیدار ہونے کے تین دن بعد تک تو مجھے پیشاب میں تار کول آتا رہا اب وہ سلسلہ تو بہت کم ہو گیا ہے لیکن میرے جسم سے تار کول کی بد بو آتی ہے۔

ابن حاشر کی روایت ہے کہ کوفہ میں ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جو میدان کربلا میں یزیدی فوج کا سپاہی تھا۔ جب وہ واپس آیا تو خیام اہل بیت کی لوٹ سے زعفران اور ایک اونٹ لایا۔ یہ لوگ جب بھی زعفران کو کھرل کرتے تھے تو بھی آگ ہو جاتا تھا۔ اس کی عورت نے وہی زعفران ہاتھوں پر لگالیا اسی وقت اس کا تمام جسم

میں رقص ہو گیا۔

جب اونٹ کو انھوں نے نحر کیا اور اس کا گوشت پکایا تو وہ تمام کا تمام پتھر بن گیا۔ اور پکانے والے کھانے کی بجائے اپنے دانتوں سے محروم ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق اونٹ کا گوشت تمر کی مانند کڑوا ہو گیا۔

شہادت مظلوم کربلا کے بعد تین ہفتوں تک سورج گرہن رہا۔

زمین پر جہاں سے بھی مٹی اٹھائی جاتی یا پتھر اٹھایا جاتا ہے نیچے سے خون ابلنے لگتا۔

ایک برس تک قوم جن مزار رسول پر صبح و شام گریہ و زاری کر کے انحضورؐ کو پرسہ دیتے رہے۔

انساب النواصب میں مروی ہے کہ شمر کو خیام اہل بیت سے کچھ دینار ملے تھے جب یہ انہیں گھر لایا تو اس نے ان میں سے کچھ اپنی بیٹی کو دیئے۔ دختر شمر نے ایک دینار ایک زرگر کو دیا تاکہ اسے زیور بنا دے۔ زرگر نے جب اسے کٹھالی میں رکھ کر آگ دی تو تمام سونا دھواں بن کر اڑ گیا۔ زرگر حیران ہوا اس نے آکر دختر شمر کو بتایا لڑکی نے اپنے باپ کو بتایا۔ شمر نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور دو تین دینار اور اٹھا کر زرگر کے پاس لایا اور اسے کہا انہیں میرے سامنے پگھلا تاکہ تیرا سچ یا جھوٹ معلوم ہو جائے۔ جب زرگر نے ان دیناروں کو کٹھالی میں رکھ کر آگ دی تو وہ بھی شمر کے سامنے دھواں بن کر اڑ گئے۔

پھر اس خبیث نے تسلیم کیا کہ واقعی تو سچا تھا۔

تذکرہ الائمہ میں ہے کہ فوج یزید میں سے جو بھی خیام اہلبیت سے کچھ اٹھا کر لایا۔ یا وہ خون ہو گئی۔ یا پتھر بن گئی۔ کسی کے نصیب میں کچھ نہ آیا۔

بختری ابن ربیعہ بھی شمر کا ہے میدان کربلا سے تھا۔ جب یہ واپس آیا ایک دن گھر میں بیٹھا تھا اس کا ایک مرغ تھا اس نے اچھل کر اس کی آنکھ کا ڈھیلا چونچ سے نکال لیا۔

جب اس کا وہ زخم مندمل ہو گیا تو مرغ نے پھر دوسرا ڈھیلا نکال لیا۔ یوں یہ دونوں آنکھوں سے مرغ کے ہاتھوں محروم ہو گیا۔

بحار الانوار میں یعقوب ابن سلیمان سے مروی ہے کہ ایک رات ہم چند افراد جمع تھے گھر میرا ہی تھا۔ باتوں باتوں میں ذکر جنگ کربلا آگیا۔ ہم تمام نے کہا کہ جو شخص بھی کربلا میں فوج یزید میں شامل تھا وہ آج تک محفوظ نہیں رہا۔ یا اس کی جان چلی گئی یا اس کا مال چلا گیا اور یا اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔

ان ہی افراد میں ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا یہ سب اتفاقی حادثات ہیں ورنہ جنگ کربلا کی وجہ سے کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔

ہم نے کہا۔

اگر اتفاقی حادثات ہیں تو پھر ان لوگوں کو ایسا کوئی حادثہ کیوں درپیش نہیں ہوا جو فوج یزید میں شامل نہ تھے۔

اس نے کہا۔ اگر ان اتفاقی حادثات کو تم لوگ فوج یزید پر اللہ کا عذاب سمجھتے ہو تو پھر میں بھی تو ان افراد سے ہوں۔ آج تک میں کیوں محفوظ ہوں۔ حالانکہ میں نے بیمار کربلا کو بستر سے الٹ کر ان کے نیچے سے بستر کھینچا تھا۔

ہم اسے دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور لاشعوری طور پر ہمارے ذہن میں اس کے خلاف نفرت بھی پیدا ہو گئی

اتفاقاً چراغ کی لو مدھم ہوئی میں اسے درست کرنے کی خاطر اٹھا۔ چونکہ چراغ

اس شخص کے قریب پڑا تھا اس لیے اس نے مجھے کہا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ اسے میں ہی درست کیے دیتا ہوں۔

جونہی اس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور لو کو درست کرنے لگا اس کی انگلی کو آگ لگ گئی۔ اس نے انگلی کو منہ کے قریب کیا تاکہ پھونک مار کر آگ بجھائے اس نے پھونک ماری اور آگ بجھنے کی بجائے اس کی داڑھی کو لگ گئی۔ اب اس کے تو حواس گم ہو گئے۔ وہ دوڑا اور نہر فرات میں کود گیا۔ ہم سب اس کے عقب میں دوڑے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ پانی میں غوطہ لگاتا تھا تو آگ پانی پر تیرنے لگ جاتی تھی۔ جونہی سر نکالتا تھا۔ آگ اسے جلانا شروع کر دیتی تھی۔ کافی دیر تک یہ تماشہ جاری رہا۔ ہمارے ساتھ دوسرے بھی کافی لوگ کنارے پر جمع ہو گئے تھے۔ میں دل ہی دل میں اسے ملامت بھی کر رہا تھا اور خوش بھی ہو رہا تھا کہ۔

چلو آج اس ظالم کو خود بھی تصدیق ہو گئی ہے کہ میدان کربلا میں جو شخص بھی فوج یزید میں شامل ہوا اس کی موت یا اس کے مال نقصانات یا اس کے خانگی نقصانات اتفاقی نہیں تھے۔ بلکہ اللہ کی طرف سے عذاب تھا۔ اور دوسرے دیکھنے والوں کو بھی درس عبرت مل گیا۔ اور وہ خبیث بالآخر جلے ہوئے کوئلے کی طرح مردہ ہو کر پانی پر تیرنے لگا۔

امالی مفید میں محمد ابن سلیمان سے مروی ہے کہ زمانہ حجاج میں ہم چند افراد نے زیارت غریب زہرا کا پروگرام بنایا۔ چونکہ حجاج ملعون شیعیان آل محمد کے نام کا دشمن تھا۔ اور غریب زہرا کے مزار کی زیارت شیعان آل محمد کے سوا کوئی نہ کرتا تھا اس لیے ہم چھپ چھپ کر کوفہ سے نکلے۔

جب کربلا میں پہنچ گئے تو چونکہ اس وقت تک کربلا میں اموی حکومت کی طرف سے

آل محمد کے اس ظالمانہ قتل میں شریک نہ تھے۔

اس نے کہا۔

جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر یہ سچ ہے تو پھر میں تمہارے سامنے اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہوں۔ کہ اس وقت میری عمر ستر اور اسی کے درمیان ہے میں اولاد زہرا کے خلاف جنگ میں فوج یزید کا ایک سپاہی تھا اور امکانی طور پر مجھ سے جو ہو سکتا تھا وہ کیا تھا۔ لیکن آج تک میں کیوں محفوظ ہوں۔

ہم خاموش ہو گئے۔ ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ ویسے دل میں اس سے نفرت کرنے لگے کہ خدا معلوم ذات احدیث نے اس خبیث کو کیوں مہلت دے رکھی ہے۔

اتنے میں چراغ کی لو ذرا دھیمی ہوئی وہ اسے ٹھیک کرنے کی خاطر اٹھا اس نے ہاتھ لو کے قریب کیا۔ آگ لپک کر اس کے ہاتھ کو چمٹ گئی۔

اس نے فریاد کی اور دریا میں کود گیا۔ ہم کنارے پر کھڑے ہو کر یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ آگ نے پانی میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہ جل کر کوئلہ ہو گیا۔

منتخب میں سدی سے مروی ہے کہ ایک رات کوفہ میں میں بہت پریشان تھا اور دل چاہتا تھا کہ آج کوئی ایسا ساتھی مل جاتا جو ساری رات اچھے اچھے واقعات سناتا رہتا اور میری رات کٹ جاتی۔ اسی فکر میں تھا کہ ایک شخص آ گیا۔ میں نے اسے بٹھایا دو چار باتوں میں پتہ چل گیا کہ وہ شخص انتہائی قادر الکلام شخص تھا۔

اس کی باتوں نے میرا کافی غم غلط کر دیا۔ باتوں باتوں میں ذکر کربلا بھی چل نکلا۔

کسی کو آباد ہونے کی اجازت نہ تھی اس لیے میدان کربلا جوں کا توں صحرا تھا۔ وہاں کوئی مناسب جگہ نہ تھی جس میں دھوپ یا سردی سے بچا جاتا۔ دور ہمیں ایک جھونپڑی سی نظر آئی ہم اسی میں آکر بیٹھ گئے۔ ہم بیٹھے ہی تھے کہ باہر سے ایک مسافر شخص آیا۔ اس نے کہا۔

میں ایک مسافر ہوں اگر اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ رات گزار لوں صبح کو چلا جاؤں گا۔

ہم نے کہا۔

ہم بھی مسافر ہیں ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آپ شوق سے رات گزاریں چنانچہ وہ بھی اسی جھونپڑی میں آگیا۔

چونکہ ہمارے پاس رات کو روشنی کرنے کی خاطر چراغ کا انتظام تھا اس لیے ہم نے چراغ جلالیا۔ اور واقعات کربلا پر تبصرہ کرنے لگے۔ ہم میں سے ایک شخص نے کہا جتنے افراد نے بھی ذریت رسول کے خلاف فوج یزید میں حصہ لیا تھا۔ ان کا بڑا بھیانک اور عبرتناک انجام ہوا۔ کوئی مبروص ہوا ہے۔ کوئی جذام سے مرا ہے کچھ مختار کے ہاتھوں مبتلائے عذاب ہو کر مرے ہیں۔ کچھ پاگل ہو گئے ہیں۔ کچھ نابینا ہوئے ہیں۔ کچھ مفلوج ہو گئے ہیں۔ جو مسافر بیٹھا تھا اس نے کہا۔ یہ سب بکواس ہے۔ ذریت رسول کے مقتول سے پہلے بھی لوگ ان حادثات کا شکار ہوتے تھے۔ جن چیزوں کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں۔ ان کا تعلق ذریت رسول کی مخالفت یا ان سے جنگ نہیں ہے بلکہ یہ اتفاقی حادثات اور طبعی واقعات ہیں۔

ہم نے کہا۔

اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ لوگ ان اتفاقی حادثات کا شکار کیوں نہیں ہوتے جو

میری سرد آہ نکل گئی۔

اس نے کہا۔ کیا بات ہے آپ کی آنکھیں کیوں بھیگ گئی ہیں۔

میں نے کہا۔ کون کم نصیب ہے جو واقعات کربلا سنکر گریہ کو روک سکتا ہے۔

اس نے پوچھا۔ کیا تو کربلا میں نہیں تھا؟

میں نے کہا۔ الحمد للہ میں کربلا میں نہیں تھا۔

اس نے کہا۔ تو کس چیز پر حمد خدا کر رہا ہے؟

میں نے کہا اس بات پر کہ میں جنگ کربلا میں آل رسول کے خلاف فوج یزید میں شامل نہ تھا۔

اس نے کہا۔ آخر کس لیے۔

میں نے کہا۔

حدیث پیغمبر ہے کہ جس شخص سے میرے حسین کا خون کا مطالبہ یوم حشر کیا گیا اس کا کوئی نیک عمل اس برائی کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

اس نے کہا۔ کیا واقعا جد حسین نے یہ فرمایا ہے۔

میں نے کہا۔

واقعاً اسی طرح فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا حسین بیٹا مظلوم شہید ہوگا اور اس کے قاتل کو تمام اہل جہنم کا نصف عذاب دیا جائے گا۔

وہ جہنم کے تابوت میں ہوگا اس کے ہاتھ اور پاؤں آتشیں زنجیروں میں بندھے ہوں گے۔

قاتل حسینؑ کی بدبو سے تمام اہل جہنم اللہ کی پناہ مانگیں گے جتنے لوگ قتل حسینؑ

پر بیعت کریں گے۔ جتنے لوگ قاتلین حسینؑ کا ساتھ دیں گے اور جتنے لوگ قاتلین حسینؑ اور قتل حسینؑ پر راضی ہوں گے انہیں اس طرح معذب کیا جائے گا کہ جب ان کا ایک چمڑہ جل جائے گا تو انہیں دوسرا چمڑا پہنا کر معذب کیا جائے گا۔

وہ کہنے لگا۔

بھائی جان یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ ان پر زیادہ ایمان رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے کہا۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور نہ ہی اللہ نے مجھے کبھی جھٹلایا ہے۔

وہ کہنے لگا۔ اگر یہ سب باتیں سچ ہیں تو پھر یہ بات بھی تو سچ ہونا چاہیے جو آنحضورؐ سے منسوب ہے کہ میرے حسینؑ بیٹے کے قاتل کی عمر طویل نہیں ہوگی۔

میں نے کہا۔

ہاں یہ بھی آنحضورؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ قاتلین حسینؑ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے۔

وہ مسکرا دیا۔

اور کہنے لگا کاش تو مجھے پہچانتا۔ اس وقت میری عمر نوے برس سے گذر رہی ہے۔ اور میں واقعہ کربلا میں نہ صرف موجود تھا۔ بلکہ میں اس شہسواروں کا سالار تھا جنہیں عمر سعد نے لاش حسینؑ پامال کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ میں وہ کیفیت نہیں بتا سکتا کہ کس طرح ہم نے لاش حسینؑ کو پامال کیا تھا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں۔ کہ ہمارے نعل بند گھوڑوں کے بار بار دوڑانے سے غریب زہرا کی ایک ایک پسلی کے

کئی کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔

میں ہی وہ شخص ہوں جس نے کم سن دختر حسین کے کانوں سے گوشوارے اتارے تھے اور میں جلدی میں تھا گوشوارے نہیں اتر رہے تھے تو میں نے گوشواروں کے کنڈے کھولنے کا وقت بچانے کی خاطر دونوں گوشواروں میں ہاتھ ڈال کر جب کھینچا تو مجھے آج بھی وہ منظر یاد ہے۔ کہ دختر حسین زمین سے کئی فٹ بلند ہو کر زمین پر گری تھی۔ میں اخنس ابن زید ہوں۔

میں یہ سنکر بے ساختہ رونے لگا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ خدا معلوم فطرت احدیث نے اس خبیث کو کیوں اتنی چھوٹ دی ہے کہ آج یہ بیٹھ کر نہ صرف میدان کربلا میں اپنے مظالم پر فخر کرتا ہے بلکہ رسول کو بھی جھٹلاتا ہے۔ اور ذریت رسول سے توہین آمیز سلوک کو اپنے لیے باعث عزت بھی سمجھتا ہے۔

وہ یونہی بکے جا رہا تھا اور میں انگشت عبرت منہ میں ڈالے روئے جا رہا تھا۔ چراغ کی لو ذرا دھیمی ہوئی میں لو کو درست کرنے کی خاطر اٹھنے لگا۔ اس نے کہا آپ تکلیف نہ کریں۔ میرے قریب رکھا ہوا ہے۔ میں درست کیے دیتا ہوں۔

جونہی اس نے ہاتھ بڑھایا آگ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ فوراً مٹی میں دبا دیا۔ لیکن آگ نے نہ چھوڑا اور جیسے مٹی میں بھی آگ تھی۔ اس نے ہاتھ باہر نکالا اور میرا نام لے کر پکارا کہ پانی لاؤ۔ میں اٹھا۔ پانی کا جام لیا۔ اور اس کے ہاتھ پر ڈال دیا۔ جونہی میں نے پانی ڈالا ایسے معلوم ہوا جیسے میں نے پانی نہیں تیل ڈال دیا۔ باہر آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

میں نے کہا۔ دوڑ کر دریا میں چھلانگ دو وہ آگے دوڑا میں اس کے پیچھے تھا

اس نے دریا میں چھلانگ لگائی میں کنارے پر کھڑا دیکھتا رہا۔ ایسے معلوم ہوا جیسے پورا دریا پانی کا نہیں تیل سے بریز تھا پانی کو آگ لگ گئی۔ اور جب تک وہ جل کر کوئلہ نہ ہو گیا اس وقت تک آگ کے شعلے لپکتے رہے۔ جب وہ جل کر سطح آب پر تیرنے لگا پھر آگ از خود بجھ گئی۔

منتخب التواریخ کے مطابق ایک مومن صالح نے عالم خواب میں دیکھا کہ میدان کربلا ہے۔

ایک طرف آل رسول کے پیاسے مقتولین کے لاشے ہیں دوسری طرف جلے اور لٹے ہوئے خیام اہل بیت رسول ہیں۔ ایک سیاہ پوش مستور ہے جو کبھی خیام کی راکھ پر جاتی ہے۔ اور کبھی لاشوں میں جاتی ہے۔ ایک ایک لاش کے قریب جا کر کہتی ہے۔

اے رسول بابا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ آپ کی امت نے میرے حسینؑ کو کس طرح پیاسا شہید کیا ہے۔

اے نبی بابا۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ آپ کی امت نے میرے حسینؑ کو کس طرح پس گردن ذبح کیا ہے۔

اے رحمت للعالمین بابا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ آپ کی امت نے میرے حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے ہیں۔

اے فخر کائنات بابا آپ نے دیکھا ہے آپ کی امت نے میری بیٹیوں کے خیمے کس طرح لوٹ کر جلائے ہیں۔

بابا کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ۔

فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔

بابا کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ جو فاطمہ کو اذیت دے گا وہ مجھے اذیت دیگا جس نے مجھے اذیت دی۔ وہ کافر ہو گا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ مجھے آپ کے غم میں آپ کی امت نے رونے نہ دیا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ میرے دروازے کو جلایا گیا۔

بابا آپ نے دیکھ لیا کہ آپ کی امت نے میرے صدف عصمت میں میرے محسن کو شہید کر دیا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ مجھے میرے حق اور آپ کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔

بابا مجھ سے پہلے کسی نبی کی بیٹی سے اس کی امت نے ایسا سلوک کیا تھا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ میرا بیت الحزن منہدم کر دیا گیا۔

بابا آپ نے دیکھا میرے شوہر کا قبر کر لیا گیا۔

بابا آپ نے دیکھا آپ کی امت نے میرے شوہر کو محراب مسجد میں بحالت سجدہ شہید کیا۔

بابا آپ نے دیکھا آپ کی امت نے میرے لال حسنؑ کو زہر سے شہید کر دیا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ آپ کی امت نے میرے حسنؑ کے جنازہ پر بھی تیر برسائے۔

بابا آپ نے دیکھا کہ آپ کی امت نے میری زینب کو رسن بستہ کیا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ آپ کی امت نے میری کمسن بچیوں کو بے پالان کے اونٹوں پر رسن بستہ سوار کیا۔

بابا آپ نے دیکھا کہ آپ کی امت نے میری بیٹیوں کو دربار وں اور بازاروں میں بے مقنع وردا تشہیر کیا۔

بی بی کے اس نوحہ وبکا کے جواب میں آنحضور نے فرمایا۔

میری زہرا میں دکھوں سے غافل نہیں ہوں۔

میری بیٹی کل فردائے محشر دربار خالق میں میں خود مدعی ہوں گا اور تیری اولاد کے بے گناہ خون کا دعوٰے بھی میں خود دائر کروں گا۔

عبداللہ اہوازی سے مروی ہے کہ ایک دن میں بازار کوفہ میں جارہا تھا کہ ایک بھکاری پر میری نظر پڑ گئی۔ اس کی شکل عجیب طرح سے بدوضع تھی۔ اسکا نصف چہرہ اس طرح سیاہ تھا جیسے آگ سے جلایا گیا ہو اور نصف چہرہ اس طرح سفید تھا جیسے اس پر چونا پلستر کیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

اور زبان خشک تھی، انتہائی بدوضع اور بدشکل تھا۔ جو بھی اسے دیکھتا تھا خوف کے مارے بھاگ جاتا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ اچھا خاصا کھاتے پیتے گھرانے کا فرد تھا۔ معروف قبیلے سے تھا۔

میں نے اسے بلایا۔

جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

تیرا یہ حال کیسے ہوگیا حالانکہ تو بڑا خوبرو تھا۔

میرے پوچھنے پر اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میں نے کہا۔ تجھے اپنے پیدا کرنے والے کی قسم مجھے ضرور بتا کہ اس حال کو کیسے پہنچا۔

اس نے کہا بتاؤں گا۔

مگر ایک شرط پر

میں نے کہا وہ کون سی شرط ہے۔

اس نے کہا۔ مجھے کھانا کھلا دے پھر بتاؤں گا میں آج کئی روز سے بھوکا ہوں۔ جو بھی مجھے دیکھتا ہے دور بھاگ جاتا ہے۔

میں نے کہا۔

میرے ساتھ گھر چل وہیں بیٹھ کر میں تیرا حال بھی سنوں گا۔ اور کھانا بھی کھلاؤں گا۔

اس نے قبول کر لیا۔ میرے ساتھ چلا آیا۔ جب میں اسے گھر لے آیا تو اسے کہا کہ۔

اب اپنا حال بیان کر۔

اس نے کہا۔

کہ پہلے کھانا کھلا دے پھر بتاؤں گا۔

میں نے دیکھا کہ وہ اپنا حال بتانے سے کترا رہا ہے۔ مجھے خطرہ کا بھی احساس ہوا کہ کہیں کھانا کھانے کے بعد ٹال ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں نے کہا۔ کہ میں نے گھر کھانے کو کہہ دیا ہے۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ جب تک کھانا تیار ہوتا ہے تب تک تم اپنا واقعہ سنا دو۔

اس نے کہا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میں اسحاق ابن عنوہ حضرمی ہوں۔

میں نے کہا ہاں یہ تو جانتا ہوں۔

اس نے کہا۔

واقعہ کربلا بھی آپ نے سنا ہوگا اور جو کچھ فرزند رسول کے ساتھ ہوا ہے وہ بھی آپ نے سن رکھا ہے۔

میں نے کہا۔

ہاں وہ بھی کچھ کچھ سنا ہے۔

اس نے کہا۔

میں عمر سعد کے سالاروں میں سے ایک سالار تھا۔ اور پانی پر میرا پہرہ تھا۔ شب عاشور مجھے معلوم ہوا کہ قمر بنی ہاشم کسی تدبیر سے خیام حسینؑ میں پانی پہنچانا چاہتا ہے۔

چنانچہ میرے پاس پانچ ہزار سوار تھے۔ میں نے تمام کو حکم دیا کہ کسی شخص کے پاس پانی کا جام نہیں ہونا چاہیے۔ جس شخص نے پانی پینا ہو وہ دریا سے ہاتھوں کے ذریعہ پانی پی لے۔

تمام جام میں نے اپنے پاس جمع کرلیے۔ مجھے یہ خطرہ تھا کہ کہیں کوئی سپاہی جام کے ذریعہ بھی پانی خیام حسینؑ تک نہ پہنچا دے۔ پانی تو خیام اہل بیت میں نہ پہنچا۔ لیکن کربلا سے پلٹنے کے بعد میں اس حال کو پہنچ گیا ہوں۔ جو تو دیکھ رہا ہے۔

میں نے کہا۔

میں وہ تمام تفصیل پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم اس حال کو کیسے پہنچے۔

اس نے بہت کوشش کی کہ میں ٹل جاؤں۔ لیکن میں کسی طور پر راضی نہ ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھوکا ہے۔ اور جب تک کھانا نہیں کھا لیتا اس وقت تک وہ

میری ہر بات مانے گا۔

جب اس نے دیکھا کہ میں اصرار کر رہا ہوں تو اس نے کہا۔

یوم عاشور کی صبح کو جب قمر بنی ہاشم پانی لینے آئے اور ہمیں دریا سے ہٹا کر دریا پر قبضہ کر لیا۔ اور دریا میں مشکیزہ لے کر دریا میں کود ے۔ اور میں نے دیکھا کہ اگر کچھ نہ کیا گیا پانی خیام میں چلا گیا تو ابن زیاد کی طرف سے سزا ملے گی چنانچہ میں نے پہلے تو راستہ روکنے کی کوشش کی جب راستہ نہ روک سکا تو پھر میں نے مشک کا نشانہ لینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد جب مظلوم زہراؑ و علیؑ دریائے فرات پر آئے اور ہمیں بھگا کر دریا پر قبضہ کیا۔ چلو میں پانی لیا۔ جب پانی منہ کے قریب لائے میں نے دہن شبیر کا نشانہ لے کر تیر مارا میرا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔ میں نے دیکھا کہ فرزند رسول کے ہونٹ زخمی ہو گئے۔

کربلا سے واپس آکر میں گھر سو رہا تھا۔ کہ عالم خواب میں نبی کریمؐ کو دیکھا انتہائی غیض و غضب کی صورت میں میرے پاس آئے۔

اور فرمایا۔

ارے ظالم۔ میں نے یا میرے حسینؑ نے تیرا کیا جرم کیا تھا۔

میں گھبرا کر سافی مانگنے اٹھا۔ مجھے کسی نے پیچھے سے پکڑ لیا۔ آنحضور نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جب اٹھا تو میں اس حالت میں تھا۔ صبح جب میرے گھر والے اٹھے تو انہوں نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا اور مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔

اب میں اپنے شہر میں ہوتے ہوئے مسافر ہوں۔ گھر ہوتے ہوئے بے گھر ہوں۔

اور دولت ہوتے ہوئے بھی ایک وقت کی روٹی کا محتاج ہوں۔ جس اولاد کی خاطر میں نے ابن زیاد کی ملازمت کی تھی اسی اولاد نے گھر سے نکال دیا ہے۔ اور آج در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔ بھیک مانگتا ہوں تو کوئی نہیں دیتا۔ جو دیکھتا ہے وہ دور ہٹ جاتا ہے۔

آپ نے بھی اس لیے کھانا کھلایا ہے کہ اپنی لعنت کا واقعہ سناؤں تو آپ کھانا کھلائیں گے۔

کوفہ سے سوئے شام

معاویہ کتنا دانا تھا اور یزید کتنا احمق تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معاویہ جب ولی عہدیہ یزید کے سلسلہ میں حجاز میں آیا تو اس نے پہلے مروان سے مشورہ لیا کہ۔

تیرے خیال میں مجھے حسینؑ کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟

مروان نے کہا۔

میرا تو خیال ہے کہ تو حسینؑ کو اپنے ساتھ شام میں رکھ۔ نہ تو اسے مدینہ میں آزاد چھوڑ۔ اور نہ اسے اہل عراق کے ساتھ ساز باز کرنے کی خاطر ان سے رابطہ قائم کرنے دے۔

یہ سنکر معاویہ مسکرا دیا اور کہا۔

تو خود کو دانا سمجھتا ہے۔ لیکن مجھے کیوں احمق سمجھتا ہے؟

مروان نے کہا۔ آپ نے مجھ سے مشورہ لیا۔ جو میں نے مناسب سمجھا دہ دے دیا۔ اب آپ کی مرضی۔

معاویہ نے کہا۔

تیرے اس مشورہ کے پس پردہ جو کچھ پوشیدہ ہے دوسرا کوئی نہیں سمجھے گا لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

مروان نے ان جان بنکر کہا۔ میں نے تو کوئی ایسی بات ہے جسے آپ اتنا طول دے رہے ہیں۔

معاویہ نے کہا۔

چونکہ تو مدینہ میں رہتا ہے۔ اس لیے فرزند رسول تیرے لیے ایک خطرہ ہے تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے اس خطرہ سے نجات دلاؤں اور خود اپنے پاس خطرہ کو رکھوں۔

لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔

پھر معاویہ نے سعید ابن عاص کو بلایا اور اس سے کہا۔

حسینؑ کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔؟

سعید نے کہا۔

معاویہ ہمیں بھی معلوم ہے اور تجھے بھی معلوم ہے کہ فرزند رسول تیرے لیے خطرہ نہیں ہے تو جتنا بھی سوچ رہا ہے یزید کی خاطر سوچ رہا ہے۔ اور تیری یہ فکر فضول ہے۔ کیونکہ فرزند رسول یزید پر ہر طرح سے بھاری ہے تو نے دین و دنیا کو پس کر رکھا ہے اور اپنے باطن کو ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن یزید کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے بدتر ہے۔ اگر یزید نے فرزند رسول پر قابو کر اسے قتل کر ڈالا تو بھی اموی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی اور اگر فرزند رسول نے یزید کو زیر کر لیا تو بھی اموی حکومت کا تیا پانچا ہو جائے گا۔ اس لیے اس سلسلہ

میں جو کچھ کر سکتا ہے وہ یزید ہی کر سکتا ہے۔ اور یزید میں اتنی گہری اور دور کی سوچ نہیں ہے۔ بحیثیت باپ ہونے کے تجھے جو کچھ یزید کے لیے کرنا تھا تو نے کر دیا ہے۔ یزید کو ولی عہد بنا دیا ہے۔ اب اسے سنبھالنا یزید کا کام ہے اگر اس میں اہلیت ہوگی تو سنبھال لے گا اگر اہلیت نہ ہوئی تو تجھے کوئی بھی دوش نہ دے گا۔

لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اس سلسلہ میں اپنے کو ہلکان نہ کر، نہ اپنی صحت خراب کر اور نہ اپنی نیند۔

سعید کا یہ مشورہ معاویہ کو بہت پسند آیا۔ اور اس نے یزید کو اپنی طرف سے سیاسی نشیب و فراز سمجھا دیئے۔

لیکن یزید بدنہاد میں وہ سوچ کہاں تھی کہ ظاہر و باطن میں تضاد رکھ کر وقت گزارتا۔ اس نے تو تخت حکومت سنبھالتے ہی آل محمد کے خلاف موروثی عداوت کو اگلنا شروع کر دیا۔ اور والی مدینہ کو پہلا جو خط لکھا اس میں دو ٹوک لفظوں میں لکھ دیا کہ اگر فرزند رسول بیعت نہ کرے تو جواب کے ساتھ ہی اس کا سر بھی آنا چاہیے۔

پھر ابن زیاد جیسا بدمزاج گورنر مل گیا۔

ابن زیاد نے یزید کے کندھے پر رکھ کر وہ تیر چلائے کہ پھر نہ تو معاملات خود زیاد کے قابو میں رہے اور نہ یزید کے بس میں رہے۔

اگر یزید میں سیاسی شعور یا انسانی اخلاق کی رتی بھی ہوتی تو وہ ابن زیاد کو لکھتا کہ ہمارا کام ہو گیا ہے۔ اب رسول زادیوں کو باعزت مدینہ پہنچا دے۔ لیکن اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ سرہائے شہداء اور اسیران آل محمد میرے پاس شام بھیج دے

یزید کا یہ حکم اولاً۔ موروثی دین دشمنی کا مظہر تھا۔ ثانیاً اس کی اخلاقی پستی اور انسانیت دشمنی کا ثبوت تھا۔ اور ثالثاً سیاسی بے بصیرتی کی دلیل تھا۔

چنانچہ ابن زیاد نے حکم یزید سے اسیران آل محمدؐ اور سرہائے شہداء کو سوئے شام روانہ کیا۔

سروں اور اسیروں کی روانگی میں اختلاف :۔

بعض مورخین کے مطابق زجر ابن قیس۔ شمر۔ خولی۔ اور عمرو ابن حجاج زبیدی کو چالیس افراد دے کر صرف سروں کو ایک دن پہلے روانہ کیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار سپاہی کے ساتھ اسیران آل محمد کو روانہ کیا۔

بعض مورخین کے مطابق سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ ایک ہی دن روانہ ہوئے۔

بعض مورخین کے مطابق سرہائے شہداء نیزوں پر بلند تھے۔

بعض مورخین کے مطابق سرہائے شہداء صندوقوں میں بند تھے۔

مشترکہ نکات :۔

تمام اسیران آل محمدؐ رسن بستہ تھے۔

تمام مستورات کے ہاتھ پس گردن بند تھے۔

جناب سجاد کے گلے میں طوق۔ ہاتھوں میں زنجیر اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔

جناب سجاد کے گلے میں ایک رسی تھی جس کا دوسرا سرا اونٹ کی گردن میں بندھا تھا تاکہ آپ پیچھے نہ گریں۔

جناب سجاد کے دونوں پاؤں اونٹ کے زیر شکم سے بندھے ہوئے تھے۔

احکام ابن زیاد:۔

۱۔ ویران راستہ چھوڑ کر آباد راستہ اختیار کیا جائے۔

ب۔ جتنا ممکن ہو سکے جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ج۔ راستہ میں صرف وہیں رکا جائے جہاں رکنا ناگزیر ہو۔

د۔ اسیران آل محمدؐ پہ قیام وطعام میں ہر ممکن سختی کی جائے۔

ہ۔ اگر سواریوں کے تھک جانے کی وجہ سے ان کو قیام کرنا پڑے تو امکانی طور پر اسیران آل محمدؐ کو سایہ میں نہ بیٹھنے دیا جائے۔

و۔ جہاں تک ممکن ہو اسیران آل محمد کو بھوکا اور پیاسا رکھا جائے۔

ز۔ جس شہر کے قریب سے گزر ہو اس شہر میں سروں اور اسیروں کی تشہیر ضرور کرائی جائے۔

ح۔ جس شہر میں بھی جاؤ وہاں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی بھی کوشش کرو۔

پہلی منزل:۔

کربلا:۔

(مورخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں کہ کوفہ میں مدت حبس کتنی تھی اور کوفہ سے شام کی طرف روانگی کب ہوئی جہاں تک جغرافیہ اور روایت کا تعلق ہے تو اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ اسیران آل محمدؐ کو پہلا چہلم شام کی طرف جاتے ہوئے کربلا میں آیا

اسکی تفصیل ہم معالی السبطین کے ترجمے میں پیش کر چکے ہیں۔ شائقین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مترجم)

دوسری منزل:۔

قادسیہ:۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق سہل سے روایت ہے کہ جب اسیران آل محمدؐ کا قافلہ کوفہ سے سوئے شام روانہ ہوا تو میں بھی ان کے عقب میں حسب ضرورت رقم لے کر روانہ ہوا۔ کربلا سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری منزل قادسیہ تھی۔ بیرون قادسیہ ان لوگوں نے قیام کیا۔ سروں کو سامنے رکھا۔ قیدیوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ ان کے قریب ایک دیوار تھی۔ اس دیوار سے ایک ہتھیلی نمودار ہوئی۔

اس پر لکھا ہوا تھا۔

اترجوا امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب فلا واللہ لیس لھم شفیع وھم یوم القیامۃ فی العذاب۔

وہ لوگ جنہوں نے فرزند رسول کو قتل کیا ہے کیا قیامت میں جد حسینؑ کی شفاعت کی امید کر سکتے ہیں۔ بخدا یہ امید ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کی شفاعت کریں گے۔ یہ لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

یہ دیکھ کر یہ لوگ پریشان ہو گئے اور خوف کے مارے وہاں زیادہ قیام نہ کیا۔

اور کوچ کا حکم دیا۔ جب یہ لوگ کوچ کر رہے تھے اس وقت ایک ہاتف غیبی نے انہیں پکار کر کہا۔

ماذا تقولون	جب تم سے آنحضورؐ نے سوال
اذ قال النبی لکم	کیا کہ تم آخری امت تھے تم
ماذا فعلتم وانتم	نے میری ذریت اور اہلبیت
اخر الامم بعترتی	سے میرے بعد کیا سلوک کیا کہ
وباھلبیتی بعد مفتقدی	ان میں سے کچھ کو قید کر دیا اور
منھم اساری واخری	کچھ کو خاک و خون میں غلطان
ضرجوا بدم۔	کر دیا۔ تو کیا جواب دو گے

تیسری منزل:۔

دیر راہب:۔

علامہ دیریانے حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ قادسیہ سے کوچ کرنے کے بعد یہ لوگ ایک دیر راہب میں آئے جو راستہ میں پڑتا تھا۔ انہوں نے یہاں قیام کیا۔ گرجا کی بیرونی دیوار پر وہی سابقہ شعر لکھا ہوا تھا۔ جو منزل قادسیہ پر ایک ہتھیلی پر لکھا ہوا نمودار ہوا تھا۔

ان لوگوں نے پادری سے پوچھا یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب لکھا ہے؟

پادری نے جواب دیا۔ یہ شعر آپ کے نبی کی ولادت سے پانچ سو برس کا پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ جہاں تک لکھنے والے کا تعلق ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس نے لکھا ہے۔

چوتھی منزل:

جصاصہ:

قادسیہ کے بعد یہ لوگ جصاصہ میں آئے۔ یہاں مختصر قیام کیا اور تکریت کی طرف آگے بڑھے۔ جصاصہ سے چلتے وقت ان لوگوں نے والی تکریت کے نام پیغام بھیجا کہ ہمارے ساتھ شہداء کے سر اور قیدی ہیں۔ ہمیں گھوڑوں کے لیے چارے اور اپنے لیے کھانے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں قیدیوں کی تشہیر کے لیے بھی مناسب انتظام کیا جائے۔

پانچویں منزل:

تکریت:

جب والی تکریت کو ان کا خط ملا تو اس نے اسی وقت راستہ پر جھنڈیاں لگانے کا حکم دیا۔ ڈھول اور باجے کے طائفے منگوائے۔ تمام شہر کو آراستہ کیا اطراف و نواح سے ممکنہ حد تک رؤسا کو مدعو کیا۔ اور اعلان کرایا کہ باغیوں کے سر اور ان کے قیدی آ رہے ہیں۔ فتح یزید کا جشن ہے۔ جس میں شرکت ضروری ہے۔

تکریت میں نصرانی بھی رہتے تھے۔ ایک نصرانی نے کوفہ میں اسیران آل محمدؐ اور سرہائے شہداء کو دیکھا تھا اور اہل کوفہ سے ان کا تعارف سن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام نصرانی برادری کو جمع کیا اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا کہ یہ کسی باغی کا سر اور قیدی نہیں ہیں بلکہ آل محمدؐ ہیں۔ اور جسے باغی بتایا جا رہا ہے۔ وہ علیؑ و زہراؑ کا فرزند حسینؑ ہے۔

تمام نصرانی اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ ان لوگوں نے اندر سے گھروں کے دروازے بند کر دیئے۔ اور اپنے مذہب کے مطابق توبہ و استغفار کرکے قاتلان آل محمدؐ سے بارگاہ خالق میں اعلان برات کرنے لگے۔

تکریت کے مسلمانوں کو بھی رفتہ رفتہ پتہ چل گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی خوش آمدید سے انکار کر دیا۔ جب لشکر یزید کو یہ اطلاع ملی تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں عوام زیادہ نہ بھڑک جائیں اور اور قیدی ہی نہ چھین لیں اس خطرہ کے پیش نظر ان لوگوں نے والی تکریت کو پیغام بھیجا کہ ہماری مطلوبہ اشیاء ہمیں بیرون تکریت پہنچا دی جائیں۔ ہم شہر میں داخل ہوتے بغیر اگلی منزل کی طرف جانا چاہتے ہیں۔

والی تکریت نے ان کا مطلوبہ سامان فراہم کر دیا اور یہ لوگ تکریت سے باہر باہر دیر عروہ کی طرف بڑھ گئے۔

چھٹی منزل:۔

دیر عروہ:۔

دیر عروہ میں بھی یہ لوگ زیادہ قیام نہ کر سکے۔ اس سے آگے بڑھے اور صلبا کا رخ کیا۔

ساتویں منزل:۔

صلبا:۔

یہاں بھی ان لوگوں کی خاص پذیرائی نہ ہو سکی اس مقام سے آگے بڑھ کر ان لوگوں نے وادی النخلہ کا رخ کیا۔

آٹھویں منزل:

وادی نخلہ:

صلبانا کے بعد اس قافلے نے رات وادی النخلہ میں آکر بسر کر ساری رات یہ لوگ خواتین جنات کا نوحہ دیکا سنتے رہے۔

نویں منزل:

مرشاد:

وادی النخلہ کے بعد قافلہ مرشاد میں آیا۔ مرشاد کے لوگ ایک طرف تو سروں اور قیدیوں کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے اور دوسری طرف محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج کر ان کے دشمنوں پر لعنت کر رہے تھے۔

دسویں منزل:

ارمینا:

مرشاد کے بعد ارمینا میں آئے۔ اس جگہ ان کا بہت معمولی قیام رہا کوئی خاص تعاون نہ ہوا وہاں سے آگے بڑھ کر لبنا میں آئے۔

گیارھویں منزل:

لبنا:

لبنا خاصہ بڑا شہر تھا۔ لوگ خوشحال تھے۔ لبنا کی عورتیں، بوڑھے اور بچے سب

گلیوں میں نکل آئے۔ آل رسول کے سروں اور قیدیوں کو دیکھ رو تے بھی تھے اور ان کے قاتلوں پر لعنت بھی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے ظالمین آل محمدؐ کو اپنے شہر سے یہ کہہ کر بھگا دیا۔

اے اولاد انبیاء کے قاتلو! ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

یہ لوگ وہاں سے نکل تو آئے لیکن والی لبنا نے اپنی فوجی طاقت استعمال کر کے تمام شیعان آل محمدؐ کے گھر منہدم کر دیئے۔

لبنا سے آگے بڑھ کر کحیلہ میں آئے۔

بارہویں منزل:۔

کحیلہ:۔

کحیلہ کے متعلق مورخین کو معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں فوج یزید کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ کحیلہ سے آگے بڑھ کر جہینہ آئے۔

تیرہویں منزل:۔

جہینہ:۔

جہینہ کے والی کو خط لکھا گیا کہ ہمارے ساتھ ایک باغی کا سر اور اس کے قیدی اہلبیت ہیں۔ ہمیں استقبال چاہیئے

والی جہینہ نے اپنی استطاعت کے مطابق ہر ممکن انتظام کیا۔ اور شہر سے تین میل باہر آ کر ان کا استقبال کیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں اطلاع پھیل گئی کہ یہ کسی باغی کا سر نہیں ہے۔ بلکہ فرزند رسول حسینؑ ابن فاطمہ کا سر ہے۔ ان لوگوں کو جب اس کی تحقیق

ہو گئی تو انہوں نے چار ہزار مسلح افراد جمع کیے۔ جن میں اکثریت بنی ادس اور بنی خزرج
سے تھی۔

جب فوج یزید کو پتہ چلا تو انہوں نے جہینہ کا راستہ ہی چھوڑ دیا اور راستہ کاٹ
کر تل اعفر کی جانب چل دیئے۔

چودہویں منزل:۔

تل اعفر:۔

جہینہ سے ناکامی کے بعد خوف و ہراس کے مارے ان لوگوں نے تل اعفر کا راستہ
اختیار کیا۔

تل اعفر پر بھی ان کے پاؤں نہ جم سکے۔

ایک شخص کو بطور قاصد ان لوگوں نے والی موصل کے نام پیغام دے کر بھیجا
کہ ہمارے ساتھ باغیوں کے سر اور ان کے قیدی اہل بیت ہیں ہمیں شام جانا ہے اور
گھوڑوں کے لیے چارہ اور اپنے لیے کھانا چاہتے۔

علاوہ ازیں ہم ابن زیاد کے حکم سے سروں اور قیدیوں کی تشہیر بھی کرنا
چاہتے ہیں۔

پندرہویں منزل:۔

موصل:۔

والی موصل نے عمائدین شہر کو جمع کر کے انہیں حقیقت حال سے مطلع کیا۔
ان لوگوں نے پوچھا آپ کا کیا مشورہ ہے۔

والی نے کہا۔

میرا مشورہ کیا ہو سکتا ہے اگر آپ تعاون کریں تو میں کہوں گا کہ اس بدنصیبی کو ہمیں شہر میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اور نہ ہی میں یہ چاہوں گا کہ ہمیں حکومت کا مقابلہ کرنا پڑے۔

ایک طرف اللہ کا عذاب ہے۔ نبی کریم کی مخالفت ہے۔ اور آل محمدؐ کی توہین ہے۔ جب کہ دوسری طرف حکومت یزید کی مخالفت کا خطرہ ہے۔ میرا خیال ہے، ہم انہیں ان کا مطلوبہ سامان فراہم کر دیں۔ اور انہیں لکھ دیں کہ آپ کا شہر میں داخل ہونا موصل کے عوامی جذبات کے خلاف ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہیں کوئی ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ لہذا آپ شہر سے کم سے کم تین میل قیام کر لیں۔

تمام عمائد شہر نے والی موصل کو دعائیں دیں اور اس سے ہر قسم کا تعاون کیا۔ یہ لوگ بیرون شہر موصل تین میل کے فاصلہ پر رہ گئے۔ ان ظالموں نے سر مظلوم کو ایک پتھر پر رکھا۔

مشہد النقطہ :-

سر مظلوم سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا۔ اور پتھر پہ نشان ہو گیا۔ ہر سال یوم عاشور اس پتھر سے تازہ خون ابلتا تھا اور دور دراز سے لوگ یوم عاشور جمع کر سارا دن نوحہ و بکا کرتے رہتے تھے۔ عبد الملک ابن مروان کے دور تک یہ پتھر یہیں رہا۔ عبد الملک کو اس کا شکوہ کیا گیا اس نے پتھر کو وہاں سے ہٹانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد کسی نے اس پتھر کو نہ دیکھا۔ وہاں ایک قبہ بنا دیا گیا جو مشہد النقطہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہر سال بلا تفریق مذہب یوم عاشور لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ سارا دن نوحہ و بکا

کرتے ہیں اور ارباب حاجات اپنی حاجات کی منتیں مانتے ہیں۔

روضتہ الشہداء کے مطابق روم کے ایک پہاڑ میں ایک شیر نما پتھر ہے۔ جو قدرتی تخلیق ہے کسی مصوری کا شاہکار نہیں ہے ہر سال یوم عاشور اس شیر نما پتھر کی آنکھوں سے پانی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ جو غروب آفتاب تک رہتا ہے اطراف و نواح کے تمام لوگ یوم عاشور یہاں آتے ہیں۔ سارا دن مصروف گریہ و بکا رہتے ہیں۔

بیمار۔ بے اولاد۔ اور دیگر صاحبان ضرورت اس شیر نما پتھر کی آنکھوں سے بہنے والا پانی جمع کر کے گھر لے جاتے ہیں۔ اللہ اس کے طفیل ان کی حاجات پوری کر دیتا ہے۔

بعض مورخین نے واقعہ موصل یوں لکھا ہے کہ۔ راوی شیعان آل محمدؐ سے ہے اس کا بیان ہے کہ میں گھر میں بیٹھا تھا کہ یکایک بہت سا شور بلند ہوا۔ اس شور میں آہ و بکا کی آوازیں بھی تھیں اور تالیوں اور خوشی کے نعروں کی آواز بھی تھی میں گھر سے باہر آیا اور اس شور و غل کی وجہ پوچھی مجھے بتایا گیا کہ فرزند رسولؐ اور اس کے احباء و اقرباء کے سر اور آل محمدؐ کے قیدی لاتے جا رہے ہیں۔ میں تحقیق کے لیے آگے بڑھا۔ جب تصدیق ہو گئی کہ واقعاً سچ ہے اور میں نے آنکھوں سے دیکھ بھی لیا کہ نیزوں پر سر ہیں اور بے پالان کے اونٹوں پر بے مقنع و چادر مستورات ہیں تو واپس گھر چلا آیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ جی بھر کے رویا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنی دیر تک روتا رہا۔ اسی عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔ عالم خواب میں میں نے بہت سی مستورات دیکھیں جنہوں نے ایک سیاہ پوش مستورہ کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اور بے تحاشا ماتم کر رہی تھیں۔ وہ سیاہ پوش مستورہ اس مکان میں داخل ہوئی جس میں

سر رکھے گئے تھے۔

اس بی بی کے دائیں کندھے پر سبز اور بائیں کندھے پر پھٹی ہوئی سرخ قمیض تھی اس نے آگے بڑھ کر سر مظلوم کربلا اٹھایا۔ اور اسے سینہ سے لگایا اور فرمایا۔

یا ولدی یا حسینؑ — میرے حسینؑ بیٹے تجھ کو کس نے

من قتلك وفجعني بك۔ — شہید کر کے مجھے درد رسیدہ کیا ہے۔

یا ولدی من غسل نحرك بدمائك۔ — بیٹے کس نے تیرے گلے کو تیرے خون سے غسل دیا ہے۔

پھر اس مستور نے سر مظلوم سے ٹپکنے والے خون سے اپنی پیشانی کو رنگین کیا میں نے ایک عورت سے سوال کیا۔

یہ مستور کون ہے؟

اس نے کہا۔ تو نہیں پہچان رہا۔ یہ دختر رسولؐ اور مادر حسینؑ زہراؑ ہے۔

(مترجم۔ یہ بعید نہیں ہے۔ اور نہ ہی سابقہ واقعہ سے متضاد ہے کیوں کہ ممکن ہے اس محب آل محمدؐ نے یہ شور و غل اس وقت سنا ہو جب یہ افواہ تھی کہ سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ کو شہر موصل میں لایا جا رہا ہے۔ اور وہ تصدیق کے لیے باہر نکلا ہو۔ تصدیق کے بعد اس نے یہ سب کچھ عالم خواب میں ہی دیکھا ہو۔

ش

سولہویں منزل:۔

نصیبین:۔

موصل میں رات گزارنے کے بعد یہ لوگ نصیبین آئے والی نصیبین منصور ابن الیاس تھا اسے بھی پہلے یہ لوگ خط لکھ چکے تھے اس نے ان کی ہدایت کے مطابق شہر کو آراستہ کیا۔

جب سر ہائے شہداء اور اسیران آل محمد اس شہر کے بازار میں داخل ہوئے اس شہر کی مستورات نے چھتوں پر چڑھ کر سنگباری کی بنت زہراؑ نے اپنے بندھے ہاتھوں کو بلند کر کے عرض کیا یا الٰہا آل محمدؐ کی اس توہین کو اس شہر والوں کے لیے عبرت بنا دے۔

اس دعا کے بعد آسمان سے بجلی گری جس سے آدھا شہر جل کر راکھ بن گیا جو لوگ آل محمدؐ کے قتل اور قید پر خوشیاں منا رہے تھے۔ بجلی گرنے کے بعد انہیں اپنی تباہی اور اپنے جل کر راکھ ہو جانے والوں پر گریہ سے فرصت نہ مل سکی۔ اور دوسروں کے لیے بھی درس عبرت بن گئے۔

اب یزیدی فوج کے لیے اس شہر میں کچھ نہ رہ گیا تھا۔ یہ خود ڈر گئے اور وہاں سے جلد از جلد نکلنے کی کوشش کی۔ اور قریۃ الاخرین کے والی سلیمان ابن یوسف کو پیغام بھیجا۔

سترہویں منزل:۔

قریۃ الاخرین:۔ قاموس کے مطابق یہ شہر سلیمان اور اس کے بھائی کا تعمیر کردہ

تھا۔ اس شہر کے دو دروازے تھے ایک سلیمان کے نام سے اور دوسرا اس کے بھائی کے نام سے معروف تھا۔ دونوں بھائی پکے یزیدی تھے۔ سلیمان کا بھائی جنگِ صفین میں حضرت علی کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا تھا۔ اس وقت اس کا والی سلیمان تھا لیکن دوسرا حصہ اس کے بھتیجے کے پاس تھا۔ ان لوگوں نے بھی اپنی طرف سے شہر کو خوب سجایا۔ لیکن ان میں یہ جھگڑا ہو گیا کہ سروں اور قیدیوں کو کس دروازہ سے گزارا جائے۔ سلیمان کا مطالبہ تھا کہ میرے دروازہ سے گزارا جائے اور اس کا بھتیجا چاہتا تھا کہ میرے دروازہ سے گزارا جائے ابھی ان کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ قافلہ آگیا اس جھگڑے نے طول پکڑ لیا۔ دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں تیر چلنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان خود واصل جہنم ہو گیا۔ یزیدیوں نے جب یہ حال دیکھا تو شہر میں داخل ہوئے بغیر ہی آگے بڑھ گئے۔

اٹھارویں منزل:۔

آمد:۔

نصیبین کے بعد آمد میں آئے۔ مورخین کو اس منزل کے سلسلہ میں کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

انیسویں منزل:۔

عین الورد:۔

آمد کے بعد عین الورد آئے۔ اس جگہ بھی مورخین کو کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں مل سکا۔

بیسویں منزل :-

میافارقین :-

یہ شہر میانامی ایک عورت کا تعمیر کردہ تھا اور اسی کے نام سے معروف ہے چونکہ سابقاً قافلہ سالاروں کو کہیں اطمینان نہ مل سکا تھا۔ ہر جگہ خطرات تھے۔ یہاں انہیں کافی تحفظ میسر آگیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے سواریوں اور اپنی تھکن دور کرنے کی خاطر دس دن قیام کیا۔

اکیسویں منزل :-

دوغان :-

میافارقین سے چل کر انہوں نے دریائے فرات عبور کیا اور دوغان آئے۔

بائیسویں منزل :-

راس عین :-

دوغان سے آگے بڑھ کر راس عین میں آئے۔ یہاں بھی مختصر سا قیام کیا۔ ان لوگوں نے یزیدیوں کا پرجوش استقبال کیا۔ استقبال میں فتح و مسرت کا ہر سامان بھی موجود تھا۔ باب الاربعین سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازہ سے نکل کر حلب کی طرف بڑھ گئے

تیئسویں منزل:

حلب:

والی حلب کو پہلے مطلع کیا جا چکا تھا۔ جب یہ قافلہ حلب پہنچا تو شہر کو پہلے سے آراستہ کیا جا چکا تھا۔ ہر جگہ جشنِ مسرت میں طبل بج رہے تھے۔ اور رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں۔ یزیدی خوش تھے۔ لیکن محبان آل محمدؑ اپنے گھروں میں صف ماتم بچھا کر بیٹھے تھے۔

حلب میں ان لوگوں نے کافی وقت کے لیے قیام کیا۔ چاشت کے وقت سے لے کر عصر تک ایک چوک پر سر مظلوم زہراؑ کا نیزہ نصب رہا۔ تماشبین تماشہ بھی دیکھتے تھے اور خوشی سے فتح یزید کے نعرے بھی لگاتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔

دیکھو یہ اس باغی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور یہ اس کے اہلحرم ہیں۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق حلب کا یہ چوک جس میں سر مظلوم کو نصب کیا گیا تھا آج بھی قضائے حاجات کے لیے معروف ہے بڑے بڑے درد رسیدہ اس چوک میں آ کر طلب حاجت کرتے ہیں اور ذات احدیث اس مقام کی برکت سے ان کی حاجت برآری فرماتی ہے۔

چوبیسویں منزل:۔

معمورہ:۔

بیرون حلب ایک پہاڑ کے دامن میں یہ شہر تھا۔ انتہائی آباد اور خوش حال تھے۔ اس کے تمام باشندے یہودی تھے۔

معمورہ کا حکمران عزیز تھا۔

واقعہ شیریں

روضتہ الشہداء کے مطابق جب جناب شہر بانو مظلوم کربلا کی زوجیت میں آئی تھیں تو اس مخدرہ کے ساتھ ایک سو کنیزیں تھیں۔ چالیس کنیزوں کو تو اس مخدرہ نے زوجیت مظلوم کربلا میں آنے کی خوشی میں اسی دن آزاد کر دیا تھا۔ بقیہ ساٹھ میں سے پچاس کو اس مخدرہ نے کسی نہ کسی موقع پر آزاد کر دیا۔ دس کنیزیں بچ رہی تھیں ان میں سے شیریں انتہائی حسین خوش خلق اور دانا تھی۔ ایک دن مظلوم کربلا اور جناب شہر بانو اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ شیریں کسی کام سے گھر میں آئی فرزند رسول نے شیریں کے حسن اور عقل کی تعریف فرمائی۔

جناب شہر بانو نے اپنے طور پر یہ سمجھا کہ فرزند رسول کو شاید شیریں پسند ہے۔

بی بی نے عرض کیا۔ حضور اگر قبول فرمائیں تو میں شیریں آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔

آپ نے فرمایا۔

شہر بانو! اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں آپ کا یہ ہبہ قبول کرتا ہوں اور اسے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔ جناب شہر بانو نے انھیں اسی وقت ایک انتہائی قیمتی خلعت شیریں کو عنایت کی۔

جناب سید الشہداء نے فرمایا۔ شہر بانو قبل ازیں تم نے نو سے کنیز آزاد کی ہے کسی کو اتنی قیمتی خلعت سے نہیں نوازا اس شیریں میں کون سی خصوصیت ہے۔

بی بی نے عرض کیا۔

میرے آقا! میری نگاہ میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے اور میرے خیال میں میں نے ابھی تک شیریں کا حق ادا نہیں کیا۔ مجھے تو اس سے بھی زیادہ کچھ ہی کرنا چاہیے تھا۔

مظلوم کربلا نے فرمایا وہ کیسے؟

بی بی نے عرض کیا۔ نو سے کنیزیں نے آزاد کی تھی اور میں آپ کی ایک کنیز ہوں۔ جب کہ شیریں کو آپ نے آزاد کیا ہے۔ اگرچہ شیریں میرے ہم پلہ نہیں کیونکہ میں آپ کے والد محترم امیر المومنین کی آزاد کردہ ہوں۔ لیکن شیریں کو میں آپ سے کم بھی نہیں سمجھتی کیونکہ شیریں فرزند نبیؐ اور زہراؑ کی آزاد کردہ ہے۔

مظلوم کربلا نے جناب شہر بانو کا شکریہ ادا کیا۔

شیریں یہ سب کچھ کھڑی سن رہی تھی۔ جب آزاد بھی ہو گئی اور اسے خلعت بھی مل گئی۔ اپنے دونوں آقاؤں کی باتیں بھی سن لیں۔ فوراً آگے بڑھی اور جناب سید الشہداء کے قدموں میں بیٹھ کر عرض کیا۔

میرے آقا! نہ میرے پاس وہ زبان ہے جس سے میں آپ کا یا اپنی مخدومہ کا شکریہ

ادا کروں۔ اور نہ ہی میرے پاس وہ الفاظ ہیں جن سے شکریہ ادا کروں۔ میں تو پہلے بھی انہی مخدومہ کے کسی ایک احسان کا بدلہ ادا نہیں کرسکتی اور پھر میری کنیزی کی زندگی کا یہ آخری احسان جو انہوں نے مجھ پر فرمایا ہے کہ مجھے عتیقۃ الحسینؑ۔ عتیقہ فرزند زہرا بنا دیا ہے۔ اس احسان کا بدلہ تو میری نسلیں بھی ادا کرنا چاہیں تو تاقیامت ادا نہ ہو سکے۔

وہ کون کنیز ہے جو میرے ساتھ آئی تھیں آج کے بعد میرا مقابلہ کر سکے۔ میں اپنے اس شکریہ کی ادائیگی کی خاطر آپ دونوں سے ایک درخواست کروں گی اگر قبول فرمالیں۔

مظلوم کربلا اور جناب شہر باز دونوں نے بیک وقت فرمایا۔ شیرین آج جو چیز مانگنا چاہے مانگ لے۔

(ممکن ہے شیرین نے یہاں یہ وضاحت چاہی ہو کہ۔ آج جو مانگوں تو مل جائے گا اور کل نہیں ملے گا۔ اور جواب میں جناب مظلوم کربلا نے فرمایا ہو۔ شیرین وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ ہر ایک وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ آج ہم آباد ہیں ہو سکتا ہے کل ایسا نہ ہو۔ مترجم)

شیرین نے عرض کیا۔

قبلہ صرف یہی کچھ مانگتی ہوں کہ آج تک تو میں نے آپ کی اور انہی مخدومہ کی خدمت کنیز بن کر خدمت کی ہے اور آج کے بعد میں آزاد ہو کر آپ کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں۔ اور آپ دونوں مجھ سے سلوک اس طرح کریں گے جس طرح زمانہ کنیزی میں کیا کرتے تھے۔ کیونکہ مجھے آزادی کی نسبت آپ کی کنیزی میں جسقدر فخر اور عزت کا احساس ہوتا ہے وہ آزادی میں نہیں ہوتا۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔
شیریں جیسے تیری مرضی
جب جناب سجاد کی ولادت کے بعد جناب شہر بانو کی وفات ہوئی تو شیریں ایک مرتبہ پھر دوہرے غم میں مبتلا ہو گئی۔ ایک طرف اپنی مخدومہ سے فراق کا غم، اور دوسری طرف یہ غم کہ کہیں مظلوم کربلا کسی سے میری شادی کر کے اس گھر سے باہر جانے کا حکم نہ دیں۔ چنانچہ۔
شیریں نے اپنے کو جناب سجاد کی خدمت میں مصروف کر دیا۔ ہر وقت جناب سجاد اور ثانیہ زہراؑ کی خدمت میں معروف رہنے لگی جب امام حسینؑ کربلا آئے تو شیریں آپ کے ساتھ ہی تھی۔
چونکہ یزیدی مسلمان کنیزان اہل بیت سے امتیازی سلوک کرتے تھے۔ مثلاً بنات زہراؑ کو رسن بستہ کرتے تھے لیکن کنیزوں کو آزاد رکھتے تھے۔ جس سے ان کا صرف اور صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ۔
رسول زادیاں جب اپنے کو اپنی کنیزوں میں رسن بستہ دیکھیں گی تو ان کے غم و اندوہ اور درد دل میں اور اضافہ ہوگا۔
اس لیے جب قافلہ اسیران آل محمدؐ حلب سے چل کر معمورہ پہنچا تو شیریں نے دختر زہراؑ کی خدمت میں عرض کیا۔
بی بی اگر آپ اجازت دیں تو میں معمورہ میں جا کر اپنی ایک سہیلی سے مل کر کچھ چادریں لے آؤں۔
ثانیہ زہراؑ نے فرمایا۔ شیریں تجھے معلوم ہے کہ تو آزاد ہے۔ تجھے مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔

شیرین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اور عرض کیا۔ بی بی میں نے کبھی اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھا اور نہ ہی سمجھنا چاہتی ہوں۔ مجھے آزادی کی نہیں آپ کی کنیزی کی ضرورت ہے اور اسی میں میرا فخر اور عزت ہے۔

ثانیہ زہرا نے فرمایا۔

اگر تجھے امید ہے تو جا۔ ممکن ہے میرے نانا کی امت کو شرم آ جائے اور تیری لاتی ہوئی چادریں ہم سے نہ چھینے۔

چونکہ رات کا تہائی حصہ گزر چکا تھا تمام سپاہی نشہ شراب میں دھت خراٹے لے رہے تھے۔ جو دو ایک پہرہ کی خاطر جاگ رہے تھے وہ بھی اونگھ رہے تھے اس لیے شیریں سے کسی نے نہیں پوچھا کہ کہاں جا رہی ہے۔ شیریں جب معمورہ کے دروازہ پر آئی تو دیکھا دروازہ بند تھا۔

شیریں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے کسی نے نام لے کر پوچھا۔ کیا شیریں ہے۔

شیریں نے کہا۔ ہاں شیریں ہوں۔

دروازہ کھلا۔ شیریں اندر گئی تو معمورہ کا والی عزیز خود دروازہ پر موجود تھا۔ شیریں انہیں پہچانتی تھی کہ یہ والی معمورہ ہے شیریں نے اپنی سہیلی کے گھر کا پتہ پوچھا۔

عزیز نے کہا۔ شیریں میں اس شہر کا والی عزیز ہوں۔

شیریں نے کہا۔

سہیلی کے گھر بھی مجھے جانا ہے لیکن مجھے آپ سے بھی ایک سوال کرنا ہے

کہ نہ تو آپ نے مجھے کبھی دیکھا ہے اور نہ آپ میرے واقف ہیں۔ پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں شیرین ہوں۔ اور دروازہ کے اندر سے آپ نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ میں شیرین ہی دروازہ پر ہوں۔

عزیز نے کہا۔ آپ اندر تشریف لائیں۔ میرے گھر چلیں۔ میں آپ کو آرام سے بٹھا کر بتاتا ہوں کہ مجھے کیسے پتہ چلا ہے۔ عزیز شیرین کو اپنے گھر لایا۔ اور اسے بتایا کہ:

ابھی ابھی میں سو رہا تھا۔ عالم خواب میں میں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ اور جناب ہارون کو دیکھا ہے۔ ان کے گریبان چاک تھے۔ دونوں کے سروں میں خاک تھی اور ان کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

میں نے عرض کیا۔

میرے آقا آخر کیا ماجرا ہے اور آپ کیوں غمزدہ ہیں؟

جناب موسیٰ نے فرمایا۔

اے عزیز کیا تو اتنا بے خبر ہے۔ ہمارے اور آپ کے نبی محمدؐ کا فرزند میدان کربلا میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید کر دیا گیا ہے۔ تیرے شہر کے باہر دامن کوہ میں اس کا اس کے احباء اور اقرباء کے سر اور محمدؐ زادیوں کا قیدی قافلہ آج رات گزار رہا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ میرے آقا۔ کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ محمد واقعاً برحق نبی تھا؟

جناب موسیٰ نے فرمایا۔ ہم نہ صرف محمدؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ بلکہ تجھے یہ بتا دیں کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ نے ہم سے اس کی نبوت کا اقرار لے کر ہی

منصب نبوت عطا کیا تھا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ عیسیٰ سے آدم تک ہم تمام گروہ انبیاء ہر اس شخص سے بری ہیں جو نبوت محمدؐ کا قائل نہ ہو۔

میں نے عرض کیا۔

میرے آقا آپ کو معلوم ہے کہ معمورہ کی تمام آبادی آپ کو نبی مانتی ہے اور ہم تمام یہودی کہلاتے ہیں۔

آپ نے مجھے تو بتا دیا ہے اور مجھے یقین بھی آگیا ہے لیکن میں دوسروں کو کیسے یقین دلاؤں گا اور میرے پاس میرے اس واقعہ کی صداقت کی یہ کون سی علامت ہوگی۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

تجھے دو نشانیاں میں بتاتا ہوں۔ ایک نشانی تو تنہا دیکھے گا اور دوسری میں اپنے علماء کو شریک کرسکتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ وہ کون سی نشانیاں ہیں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

تو ابھی اٹھ جا۔ شہر پناہ کے دروازہ پر جا وہاں ایک عورت دروازہ کھٹکھٹائے گی اس کا نام شیریں ہے وہ اپنی ایک سہیلی سے دختران زہرا کی خاطر کچھ چادریں مانگنے آئی ہے۔

وہ مستقبل میں تیری ہونے والی بیوی ہوگی۔

اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تو اپنے علماء کو ساتھ لے کر سر فرزند رسول کے پاس جا کر انہیں میرا اور ہارون کا سلام پہنچا دینا وہ سر تجھے جواب دے گا۔

یہ ہے وہ وجہ کہ میں نے تیرا نام لیا ہے چونکہ مجھے یقین تھا کہ میرا خواب

سچا ہے اس لیے کسی جھجک کے بغیر میں نے تیرا نام لے کر سوال کیا ہے۔ اور دروازہ کھولا ہے۔

اب تو میں طلوع صبح کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی خود آؤں گا اور بنات زہرا کے لیے چادریں بھی لاؤں گا۔ اور سر فرزند رسول کو حضرت موسیٰ و ہارون کا سلام عرض کر کے اسلام بھی قبول کروں گا

شیریں واپس آگئی۔ اور تمام واقعہ ثانیہ زہرا کو سنایا۔

طلوع صبح کے بعد عزیز کچھ رقم اور چادریں لے کر آیا۔ سالار قافلہ شمر کو اس نے رقم دی پھر شیریں کو کو بلا کر اسے چادریں دیں۔ اس کے بعد سر فرزند زہرا کے پاس آکر حضرت موسیٰ و ہارون کا سلام عرض کیا۔

سر غریب زہرا نے سلام کا جواب دیا۔ جناب سجاد کی خدمت میں حاضر ہوا اسلام قبول کیا۔ اور آپ سے شیریں کی خواہش کی۔ ثانیہ زہرا نے شیریں کو نہ صرف اجازت دی بلکہ حکم دیا کہ تو اب یہیں رہ جا تیرا سفر ختم ہو گیا ہے۔

بہتے آنسوؤں سے شیریں نے ایک ایک زہر آزادی سے الوداع کی۔ جناب سجاد نے عزیز کا شیریں سے نکاح پڑھا اور شیریں معمورہ کی شاہزادی بن کر معمورہ ہی میں رہ گئی۔ ان ظالموں نے معمورہ سے روانگی کے بعد نبی زادیوں سے عزیز کی دی ہوئی چادریں پھر چھین لیں۔

راہ شام میں چند واقعات:۔

یہ ایسے واقعات ہیں جن کے متعلق مورخین نے کوئی تعیین نہیں کی کہ کس کس منزل پر پیش آتے ہیں۔

تعیین منازل ویسے بھی انتہائی مشکل ہے کیونکہ جو ظالم تھے وہی مورخ تھے۔

اور ان کی طرف سے یہ تعیین نہ صرف مشکل تھی، بلکہ ناممکن تھی۔ جہاں تک اصل واقعات کا تعلق ہے تو چونکہ انہیں منظر عام پر آنا تھا۔ اس لیے قدرت نے ان کا انتظام اس طرح فرما دیا کہ۔

اموی پردہ پوشی کے باوجود ان واقعات کے چشم دید گواہوں نے کسی نہ کسی کے سامنے یہ واقعات سنا دیئے۔

ہم ان واقعات کو ایک جگہ لکھ رہے ہیں، اس لیے یہ نہ سمجھ لیا جاتے کہ واقعہ ایک ہے اور راوی مختلف ہیں بلکہ ہر واقعہ علیحدہ اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اور ممکن ہے ہر منزل پر کوئی نہ کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہو۔ لیکن بعض اوقات اموی حکومت کے دستر خوان پر پلنے والوں کے ہتھے چڑھ گئے ہوں اور انہوں نے ان واقعات کو چھپا لیا ہو۔

اور جو واقعات غیر جانبدار افراد کے سامنے آئے ہوں انہوں نے ان کو محفوظ کر لیا ہو۔

کنز المذکرین میں شعبی سے مروی ہے کہ ایک سال ایام حج میں دوران طواف ایک شخص کو میں نے دیکھا اس نے غلاف کعبہ ہاتھ میں لے رکھا تھا۔

اور کہہ رہا تھا۔

بارالہا! مجھے معاف کر دے۔

لیکن مجھے امید نہیں کہ تو معاف کرے۔

میں نے اس سے پوچھا۔

بندہ خدا یہ غلاف کعبہ ہے کچھ سوچ کر کہہ۔

وہ کہنے لگا۔ میں سوچ کر ہی تو کہہ رہا ہوں۔

میں نے کہا۔
اتنا کونسا بڑا جرم کیا ہے کہ تجھے امید بخشش نہیں۔
اس نے بتایا کہ میں ان پچاس افراد سے ایک تھا جو کوفہ سے شام تک سر غریب زہرا کو لے جانے پر مامور تھے۔ جس کے گرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ ایک ہم سر شام شراب پی کر سو گئے میں نے عالم خواب میں ایک بادل دیکھا وہ بادل زمین پر اترا اس پر حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ باہر نکلے
پھر ایک دوسرا بادل اترا اس میں سے جناب خاتم الانبیاء باہر آئے۔ وہ تمام اس صندوق کے گرد بیٹھ گئے جس میں فرزند رسول کا سر تھا تمام کے انبیاء کے گریبان چاک تھے۔ ان کے سر خاک آلودہ تھے۔ کافی دیر تک مصروف نوحہ و بکا رہے۔
پھر میں نے ملک الموت کو دیکھا وہ ہمارے قریب آیا اور باری باری ایک ایک کی روح قبض کرنے لگا۔ جب میرے انچاس ساتھیوں کی روح قبض کر چکا اور میری طرف متوجہ ہوا۔
تو میں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ الامان	پناہ اے رسول کونین پناہ۔
الامان واللہ ما	بخدا وہ نہ تو ان کے ساتھ شریک
شایعت فی قتل ولا	قتل تھا اور نہ ان کے اس فعل
رضیت به۔	پر راضی ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تجھے رسوا کرے۔ جو کچھ میری ذریت کے ساتھ ہوتا رہا تو اسے دیکھتا تو رہا؛

میں نے عرض کیا۔
ہاں قبلہ یہ جرم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے۔
آپ نے ملک الموت سے فرمایا۔
اسے چھوڑ دے آخر ایک دن اسے مرنا ہی تو ہے۔ اور دوسروں کو مطلع بھی کرنا ہے۔
چنانچہ ملک الموت نے مجھے چھوڑ دیا۔
صبح کو اٹھ کر میں نے تمام سپاہیوں کو یہ واقعہ سنایا۔ اور وہاں سے بھاگ کر یہاں آگیا۔
سرکار علامہ ابن طاؤس نے اس سلسلہ سند سے شعبی سے روایت کی ہے کہ مجھے الولیعہ نے بتایا ہے کہ میں طواف بیت اللہ میں مصروف تھا کہ ایک شخص کو دیکھا جس نے غلاف کعبہ ہاتھ میں لے رکھا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اے اللہ مجھے معاف فرما دے لیکن مجھے نظر نہیں آتا کہ تو معاف کرے۔
میں نے اس سے کہا بندہ خدا اللہ سے ڈر اور اس طرح نہ کہہ۔ اگر تیرے گناہ ذرات ریگ، قطرات باران اور برگ ہائے اشجار کی مانند ہوتے پھر تو اس جگہ اللہ سے معافی مانگتا تو اللہ تجھے یقیناً معاف کر دیتا۔ کیوں کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔
اس نے کہا۔
ممکن ہے میرے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں۔
میں نے کہا۔
آخر بات کیا ہے تو اتنا کیوں مایوس ہے؟

اس نے کہا۔ اگر آپ اتنا ہی اصرار کرتے ہیں تو آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے کیا کیا ہے۔

میں ان پچاس بدنصیبوں میں ایک تھا جنہیں کوفہ سے شام تک سر مظلوم کی نگرانی سونپی گئی تھی۔ ہمارا معمول تھا ہر شام کو ہم سر مظلوم نیزہ سے اتار کر صندوق میں مقفل کر دیتے تھے۔ اور صندوق کے ارد گرد بیٹھ کر شراب نوشی کرتے تھے۔ ایک رات میرے تمام ساتھیوں نے شراب پی۔ لیکن اتفاقاً میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے شراب نہ پی۔ میرے تمام ساتھی نشہ شراب میں مدہوش ہو گئے۔ چونکہ میں اپنے حواس میں تھا۔ اس لیے کافی رات گزرنے کے بعد میں نے پہلے بادل کی گرج پھر بجلی کی کڑک سنی۔ پھر بجلی کی چمک ہوئی جس میں مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے آسمان کے دروازے کھل گئے ہوں اور ان دروازوں سے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور جناب خاتم الانبیاءؐ ایک ایک کر کے زمین پر اترنے لگے۔ ان کے ساتھ جبریل اور دیگر بہت سے ملائکہ بھی تھے۔ وہ اسی جگہ آئے جہاں میں اور میرے ساتھی تھے۔ جبریل نے آگے بڑھ کے صندوق سے سر مظلوم نکالا، سینہ سے لگایا۔ بوسہ دیا اس نے حضرت آدمؑ کو دیا۔ اسی طرح تمام انبیاء نے یکے بعد دیگرے سر مظلوم کو بوسے دیئے۔ سرور انبیاءؐ کو تمام انبیاء نے رو رو کر پرسہ دیا۔

جبریل نے عرض کیا۔

قبلہ اللہ نے مجھے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں ان تمام ملاعین کو خواہ جہاں کہیں ہوں تباہ و برباد کر دوں۔

حضرت خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا۔ نہیں جبریل! میں یوم محشر ان لوگوں کو دربار خالق

ں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد ملائکہ ہماری طرف آئے اور میں نے عرض کیا۔

الامان الامان یارسول اللہ۔

آپ نے فرمایا۔ جا اللہ تجھے معاف نہ کرے دنیا میں تجھے اماں دیتا ہوں۔

جب صبح کو میں اٹھا تو میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تمام کے تمام جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

ایک روایت کے مطابق قاتلین حسینؑ میں سے ہر ایک کے ہاتھ بھی خشک ہو گئے تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ :

میں بجلی کی کڑک کی آواز سنی۔ اور کسی نے کہا کہ نبی کریمؐ تشریف لا رہے ہیں پھر میں نے گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور اسلحہ کی کھنک کی آواز بھی سنی۔ میں نے دیکھا تو آنحضور کے ساتھ ملائکہ کی ایک قطار بھی تھی۔ میں نے جب کسی سے پوچھا تو مجھے بتایا کہ۔ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور دیگر ملائکہ کروبین ہیں۔ آنحضور نے سر کو اٹھایا تمام ملائکہ اور انبیاء سے اپنے بیٹے کی مظلومیت بیان کر کے اپنی امت کا شکوہ کیا۔

(اس کے بعد وہی واقعہ ہے جو سابقاً عرض کیا جا چکا ہے۔ مترجم)

امام بخاری نے یہ واقعہ ذرا اور طرح سے روایت کیا ہے اس لیے مناسب ہوگا اگر قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ابوالحنوق نے بیان کیا ہے کہ پچاس افراد بہت سر مظلوم کربلا کی حفاظت کرتے تھے۔

ایک رات میں بھی ان میں سے تھا۔ میرے دیگر ساتھی تو سو گئے لیکن مجھے نیند

نہیں آ رہی تھی۔ میں نے آسمان سے ایک ایسی ہولناک آواز سنی جس سے میں ہوز کر رہ گیا۔ اس آواز کے بعد میں نے ایک شخص کو آسمان سے اترتے دیکھا اس کا رنگ گندمی اور لباس سفید تھا۔ وہ اسی جگہ آیا جہاں سر غریب کا صندوق رکھا ہوا تھا اس نے صندوق کھول کر سر نکالا میں اٹھا تاکہ اس سے سر لے لوں۔ وہ سر کو بوسے دے کر رو رہا تھا۔ جب میں دو قدم اس کی طرف چلا تو ایک ہاتف غیبی نے کہا۔ خبردار آگے نہ بڑھنا اور وہ سر لیا حضرت آدم سر کو سینہ سے لگائے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح آئے۔ پھر حضرت ابراہیم آئے۔ پھر جناب اسحاق آئے پھر جناب خاتم الانبیاء آئے ان کے بعد جناب حمزہ۔ ان کے بعد حضرت علیؑ پھر امام حسنؑ پھر جعفر طیار۔ ان تمام کے گریبان چاک تھے سر میں خاک تھی۔ اور آنسو بہہ رہے تھے ہر ایک نے باری باری سر کو اٹھایا سینہ سے لگایا۔ ان کا بوسہ لیا اور آنحضور کو پرسہ دیا۔ اتنے میں آسمان سے ایک عظیم الجثہ فرشتہ نازل ہوا جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں آگ کا گرز تھا۔ اس نے میرے سوتے ہوئے ساتھیوں میں سے ایک ایک کو آتشیں گرز مارنا شروع کیا۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میں چیخا۔

بخدا میں ان کے ساتھ آنے پر راضی نہ تھا۔ ان لوگوں نے مجھے مجبور کیا ہے آنحضور نے اس فرشتہ سے فرمایا۔

اسے صرف ایک طمانچہ لگا کر چھوڑ دے تاکہ صبح دوسروں کو بتانے کے لیے بھی کوئی بچ جائے۔

چنانچہ اس فرشتہ نے میرے دائیں رخسار پر طمانچہ مارا جس سے میرا دہ رخ سیاہ کوئلہ ہو گیا۔ میں بے ہوش ہو کر گر گیا جب مجھے ہوش آیا تو وہ خواب میرے ذہن میں تھا میں اٹھا اپنے اردگرد دیکھا تو میرے تمام ساتھی راکھ کے ڈھیروں میں تبدیل ہو

چکے تھے۔ صندوق ویسے کا ویسا مقفل تھا۔

اس واقعہ کی اطلاع میں نے شمر کو دی اس نے مجھے حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا۔

مؤلف:۔

یہ وہی ابوالحتوق ہے جس نے میدان کربلا میں امام مظلوم کی پیشانی پر سہ شعبہ تیر مارا تھا۔

پچیسویں منزل:۔

دیر نصاری:۔

خوارج حسینیہ میں ابو سعید شامی سے مروی ہے کہ میں ان افراد میں سے تھا جو سر مظلوم کربلا کے نگران تھے۔

معورہ کے بعد جب دیر نصاری پر پہنچے تو ہمیں اطلاع ملی کہ نصر خزاعی نے کچھ لشکر جمع کر لیا ہے اور وہ سرہائے شہداء اور اسیران آل محمد چھیننا چاہتا ہے چنانچہ ہم نے باہمی مشورہ سے وہ رات اسی دیر نصاری میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ گرجا کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

شمر نے باہر سے باآواز بلند۔ یا اہل الدیر۔ کہہ کر پکارا۔ گرجا کا بڑا پادری گرجا کی چھت پر آیا۔

اوپر سے جھانک کر اس نے پوچھا۔

تم کون ہو؟

اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟

شمر نے کہا۔ ہم ابن زیاد کے سپاہی ہیں۔ اور کوفہ سے شام جا رہے ہیں۔

پادری نے کہا۔
کس لیے جارہے ہو؟
شمر نے کہا۔ ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ابن زیاد نے عراق میں اسے قتل کیا ہے۔ ہم اس باغی اس کے انصار کے سر اور باغی کے اہل حرم کو اسیر کر کے یزید کے پاس لے جارہے ہیں۔
جب پادری نے سر مظلوم کو دیکھا تو اسے آپ کی زخمی پیشانی سے آسمان تک مسلسل نور کی ایک کرن نظر آئی۔ وہ دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اور کہنے لگا تمہارا لشکر بہت زیادہ ہے۔ اور ہمارا گرجا چھوٹا ہے۔ تم یہیں باہر رات گزار لو۔
شمر نے کہا۔
رات تو ہم باہر گزار لیتے لیکن ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس باغی کے کچھ معاون ہم سے سرہائے مقتولین اور قیدی چھیننا چاہتے ہیں اس لیے ہمیں بھی گرجا میں پناہ چاہیے۔
پادری نے کہا۔ ٹھیک ہے اگر تمہیں اعتبار ہے تو سرہائے مقتولین اور قیدی گرجا کے اندر بھیج دو۔ صبح کو لے لینا۔ اور تم بے فکر ہو کر گرجا سے باہر ہی رات گزار لو۔
اس سے آگے اس پادری کا بیان ہے کہ۔
میں اس سر کو دیکھ کر متاثر اور مرعوب تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جب ان لوگوں نے سر کو صندوق میں مقفل کر کے میرے حوالہ کیا تو نے میں نے دل میں یہی سوچا کہ یہ سر کسی باغی کا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی یہ معزز مستورات۔ جنہوں نے چادروں کی عدم موجودگی میں بالوں سے منہ چھپا رکھے ہیں باغی ہو سکتی ہیں۔ میں نے ان مستورات کو مع جناب سجاد

گے ایک مناسب مکان دیا۔ دیگر سروں کو علیحدہ کمرہ میں رکھا اور سر غریب کو گرجا سے متصل اپنے حجرہ کے قریب ایک تنہا حجرہ میں رکھا۔

میں نے دیکھا جس کمرہ میں میں نے سر غریب ازہراؑ رکھا تھا وہ تمام کمرہ اس طرح منور ہوگیا جیسے اس میں ہزار شمع جل رہی ہو۔ میں اسی عالم حیرت میں تھا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے کمرہ کی چھت میں شگاف ہوا ہے۔ اور کوئی چیز کمرہ میں آئی ہے۔ میں اس کمرہ کی چھت پر گیا۔ روشندان سے دیکھا تو نور کی ایک عماری تھی۔ جس سے کچھ سیاہ پوش مستورات نکل رہی تھیں۔ میں نے ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا سر جھکا لو آنکھیں بند کر لو رسول عالمین کی بیٹی اپنے مظلوم بیٹے کے پاس آرہی ہے یہ سنکر میری آنکھیں از خود بند ہوگئیں پھر مجھے صرف آواز سنائی دے رہی تھی نظر کچھ نہیں آتا تھا۔

پھر اسی ہاتف غیبی کی آواز آئی۔

اب مادر نبی آدم جناب حوا سر غریب کو سینہ سے لگا کر بوسہ دے رہی ہیں اور دختر محمد مصطفیٰؐ کو پرسہ دے رہی ہے۔

اب صفیہ بنت عبد المطلب اپنے نواسے کے سر کو بوسے دے کر بنت خاتم الانبیاء کو پرسہ دے رہی ہے۔

اب سارہ زوجہ خلیل اللہ اپنے بیٹے کو گلے لگا کر مظلومۃ الامۃ ام الحسینؑ کو پرسہ دے رہی ہے۔

اب راحیل مادر یوسف کے پاس سر مظلوم کربلا ہے۔

اب ہاجرہ مادر اسماعیل نے سر غریب گود میں لے رکھا ہے۔

اب یوخابد ام موسیٰ نے مظلوم زہراؑ کے سر کو جھولی میں لے رکھا ہے۔

اب آسیہ زوجہ فرعون کے پاس سر حسینؑ ہے۔

اب ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے نواسے کو اٹھا رکھا ہے۔

اب دخترِ مصطفیٰ نے اپنے بیٹے کو گود میں لیا ہوا ہے اور اس کے گلوئے نازنین سے ٹپکنے والے خون سے اپنی پیشانی اور سر کے بال رنگین کر رہی ہے۔

اب بنت مصطفیٰ عالم غش میں ہیں۔

پھر یکایک میرے کانوں تک کمرہ کے اندر سے گریہ کی آواز آنے لگی۔ میں نے سنا جناب زہراؑ فرما رہی تھیں۔

السلام علیك یاقتیل الام۔	اے محروم ماں کے مقتول بیٹے میرا سلام ہو۔
السلام علیك یامظلوم الام۔	اے مجروح ماں کے مظلوم بیٹے ماں کا سلام ہو۔
السلام علیك یا سقید الام۔	اے بے بس ماں کے شہید بیٹے ماں کا سلام۔
السلام علیك یاروح الام۔	اے روح مادر میرا سلام۔
لا یداخلك هم ولا غم۔	بیٹے اب تمام غموں سے آزاد ہو گئے ہو۔
فان الله سیفرج عنی دعنك۔	کبھی تو اللہ تیرے اور میرے مصائب کو ختم کرے گا اور تیرا
دیاخذ لی بشارك۔	انتقام مجھے دکھائے گا۔

یہ بین سن کر میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنا وقت بے ہوش رہا۔ بعد میں مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کمرہ ویسے کا ویسا تھا۔ اس میں کوئی آواز نہ تھی۔

اور خاموشی تھی۔ میں چھت سے نیچے اترا۔ کمرہ کا دروازہ کھولا۔ صندوق سے سر نکالا۔ جو خاک و خون میں غلطاں تھا۔ مشک و عنبر سے غسل دیا۔ سجادہ پر رکھا۔ قبلہ رخ بیٹھا اور یوں مخاطب کیا:

یارأس من رؤس بنی آدم	اے بنی آدم کے سروں میں سے محترم سر۔
یاعظیم. یاکریم جمیع المخلائق اظنك	اے تمام مخلوق سے زیادہ معزز اور مکرم سر میرے خیال میں آپ
انت من الذين مدحهم فی التوراة والزبور والانجیل	ان میں سے ہیں۔ جن کی اللہ نے توراۃ زبور اور انجیل میں تعریف فرمائی ہے۔
وانت الذی اعطاك فضل التاویل لان	آپ وہ ہیں۔ جنہیں اللہ نے تاویل کی عنایت سے نوازا ہے۔ کیونکہ
خواتین سادة الدنیا والاخرة تبکین علیك ونیدین	دنیا اور آخرت کے سرداروں کی مستورات آپ پر روتی ہیں اور آپ کی غربت کا ماتم کرتی ہیں
انا اریدان ان اعرفك باسمك ونسبك۔	میں چاہتا ہوں کہ آپ کو آپ کے نام اور نسب سے پہچانوں۔

سر مظلوم نے جواب دیا۔

انا المظلوم۔	میں مظلوم ہوں۔
انا المقتول۔	میں کشتہ جور و جفا ہوں۔

انا المهموم۔	میں پسر مردہ غمزدہ ہوں
انا المغموم۔	میں مصیبت زدہ ہوں۔
انا الذی ظلما قتلت۔	میں وہ ہوں جسے ظلم سے قتل کیا گیا ہے۔
انا الذی ظلمت۔	میں وہ ہوں جس پر ہر قسم کا ظلم کیا گیا ہے۔

پادری نے عرض کیا۔ آپ کو اپنی عظمت کا واسطہ مجھے اشارات سے نہیں وضاحت سے اپنا تعارف کرائیں۔

سر سے آواز آئی۔

اے پادری اگر تو میرا نسب پوچھنا چاہتا ہے تو سن۔

انا ابن محمد المصطفیٰ۔	میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن علی المرتضیٰ۔	میں علیؑ مرتضیٰ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن فاطمۃ الزہرا۔	میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن خدیجۃ الکبریٰ۔	میں خدیجہ الکبریٰ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن عروۃ الوثقیٰ۔	میں عروۃ الوثقیٰ کا فرزند ہوں۔
انا شہید کربلا۔	میں شہید کربلا ہوں۔
انا قتیل کربلا۔	میں کربلا کا مقتول ہوں۔
انا مظلوم کربلا۔	میں کربلا کا مظلوم ہوں۔
انا عطشان کربلا۔	میں کربلا میں بھی پیاسا ذبح کیا گیا ہوں۔

انا مهتوك كربلا۔ میں وہ کربلا میں جس کا لباس اتار لیا گیا ہے۔

جب میں نے سر کی یہ باتیں سنیں تو میں نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کیا جو تعداد میں ستر تھے انہیں یہ تمام واقعہ سنایا۔ ان لوگوں نے اپنے جسم سے صلیبیں نوچ کر پھینک دیں۔ عمامے زمین پر ڈال دیے گریبان چاک کر لیے۔ ماتم کرتے ہوئے جناب سجاد کے پاس آئے۔ اسلام قبول کیا اور اجازت جنگ مانگی۔

آپ نے فرمایا۔

نہیں اب میں کسی جنگ کا متحمل نہیں۔ اللہ ہمارا انتقام عنقریب لے گا اور آپ لوگ سن لیں گے۔

اسی راوی ابوسعید رومی سے روضۃ الشہداء میں یہی واقعہ مزید تفصیل سے مروی ہے۔

صرف چند مقامات پر فرق ہے ایک اس واقعہ میں۔ نصر خزاعی کا بتایا گیا ہے۔ اور روضۃ الشہداء میں مسیب ابن قعقاع خزاعی کا نام ہے۔ اس واقعہ میں پادری کے نام سے بتایا گیا ہے۔ اور روضۃ الشہداء میں گرجا کے نگران اعلیٰ کا نام لیا گیا ہے۔

اس واقعہ میں پادری کے شاگردوں کا ذکر ہے۔ اور روضۃ الشہداء میں گرجا میں رہنے والے تمام افراد کا ذکر ہے۔

ممکن ہے دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہوں۔ کیونکہ تقریباً ہر منزل پر سر مظلوم کے پاس انبیاء اور امہات انبیاء اور ازواج انبیاء کی آمد کا تذکرہ ملتا ہے۔ راوی کا ایک ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ کوفہ سے شام

تک ان ملاعین کو پورے راستہ پر یہ خطرہ رہا کہ کہیں شیعیان آل محمدؐ سر اور اسیران آل محمدؐ چھین نہ لیں۔ نصر خزاعی نے اپنے مقام پر کوشش کی ہوگی۔ اور مسیب ابن منقاع خزاعی نے اپنے طور پر کوشش کی ہوگی۔ مترجم)۔

۲۶ ویں منزل:۔

حلب:۔

دیر نصاریٰ سے یہ قافلہ آگے بڑھا تو حلب پہنچا۔ بیرون حلب ایک جگہ ان لوگوں نے ایک یہودی کے پاس قیام کیا۔ جب کھانا کھا چکے تو انہوں نے شراب پی۔ جب شراب کے نشہ میں بدمست ہوتے تو یہودی سے کہنے لگے۔

ہمارے پاس حسینؑ کا سر ہے۔

یہودی نے کہا۔ ذرا مجھے دکھاؤ۔

انہوں نے سر یہودی کے حوالہ کیا۔

اس نے کہا۔ صبح لے لینا۔

انہوں نے کہا۔ ٹھیک ہے، ہم حفاظت سے بچ جائیں گے۔

یہودی سر کو لے کر اندر گیا۔ یہودی دیکھ رہا تھا کہ سر سے نور کی ایک کرن پھوٹ کر آسمان تک جا رہی ہے۔ اس نے سر کو مشک و عنبر سے غسل دے کر ایک طشت میں رکھا اور عرض کیا۔

اشفع عند جدك — اپنے نانا کے حضور میری شفاعت کرنا۔

سر نے جواب دیا۔

شفاعتی للمحمد — میری شفاعت ان کے لیے ہے
یبین و لست — جو میرا نانا کی نبوت کے قائل
بمحمدی۔ — ہیں اور تو انہیں نبی نہیں مانتا

یہ سنکر یہودی مرعوب ہو گیا۔ اس نے اپنے تمام کنبہ کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ یہ سر دختر محمد مصطفیٰ کے جگر پارہ کا ہے۔

پھر سر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

کاش مجھے آپ کے نانا کا زمانہ نصیب ہوا ہوتا اور میں اسلام قبول کر لیتا۔

کاش مجھے آپ کا علم ہوتا اور میں اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ درجہ شہادت حاصل کرتا۔

سر سے آواز آئی۔ کوئی بات نہیں اگر آج بھی اسلام قبول کرے تو میں تیری شفاعت کروں گا۔

یہ بات اس یہودی کے پورے کنبہ نے سن لی تھی۔ سب نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

خرائج میں ابوالفرج نے مہران ابن الخشن سے روایت کی ہے کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا وہ کہہ رہا تھا۔

یا رالہا مجھے بخش دے۔ ویسے میں جانتا ہوں تو مجھے نہیں بخشے گا۔

یہ سنکر میں کانپ گیا اور اس کے قریب جا کر اسے کہا۔

بندہ خدا! اس وقت تو حرم خدا اور رسول میں ہے آج کا دن بھی محترم ہے اور یہ مہینہ بھی محترم ہے۔

یہ کیا کہہ رہا ہے۔

اس نے کہا میرا گناہ ان سب باتوں سے عظیم ہے۔
میں نے کہا، کیا تیرا گناہ کوہ تہامہ سے بھی بڑا ہے۔
اس نے کہا۔ ہاں میرا گناہ کوہ تہامہ سے بڑا ہے۔
میں نے کہا۔ کیا تیرا گناہ کرہ ارض پر نصب شدہ تمام پہاڑوں سے بھی بڑا ہے۔
اس نے کہا۔ میرا گناہ کرہ ارض پر نصب شدہ تمام پہاڑوں سے بڑا ہے۔
میں نے کہا۔ کیا اس قابل ہے کہ تو مجھے بتا سکے؟
اس نے کہا۔ ہاں اس قابل ہے کہ میں تجھے بتا سکوں۔
میں نے کہا۔ کیا اسی جگہ بتانے کے قابل ہے۔
اس نے کہا۔
جب بتانے کے قابل ہے تو ہر جگہ بتانے کے قابل ہے لیکن ذرا تفصیل طلب ہے اس لیے طواف کنندگان کے لیے باعث تکلیف ہوگا۔ آپ طواف سے فارغ ہو لیں پھر میں باہر چل کر آپ کو بتا دوں گا۔
جب میں طواف سے فارغ ہوا تو اسے ساتھ لیا۔ حرم سے باہر آیا اور اسے کہا اب بتا۔
اس نے کہا۔
میں ان بدنصیبوں میں سے ایک ہوں جو میدان کربلا میں فوج یزید میں تھے اگرچہ میں نے وہاں ظلم کیے کم ہیں۔ لیکن دیکھے زیادہ ہیں۔ ان تمام مظالم کی تفصیل نہ بتا سکوں گا اور نہ آپ سن سکیں گے۔
پھر میں ان کم بختوں سے ہوں جو کوفہ سے شام تک سرہائے شہداء۔ اور

اسیران آل محمدؐ لانے والے تھے۔ چونکہ ہر رات باری باری پچاس آدمیوں کو سر مظلوم زہرا کی نگرانی پر مامور کیا جاتا تھا۔ اس لیے ایک رات جب اس گروپ کی باری آئی جس میں میں بھی تھا سر مظلوم ایک لمبے نیزہ پر نصب تھا۔ ہم نے نیزہ کو گرجا کی ایک دیوار کے قریب زمین میں نصب کیا۔ خود کھانے کی خاطر دستر خوان لگایا۔ ابھی ہم نے کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ دیوار سے ایک ہتھیلی برآمد ہوئی۔

اس پر لکھا ہوا تھا۔

ترجوا امة قتلت حسين۔ شفاعة جده يوم الحساب۔	کیا وہ لوگ جنہوں نے امام حسین کو قتل کیا ہے وہ یوم قیامت جد حسین کی شفاعت کی امیدوار ہو سکتے ہیں۔

ہم بہت زیادہ گھبرا گئے۔ ہم میں سے بعض نے اس ہتھیلی کو پکڑنا چاہا لیکن وہ غائب ہو گئی۔ ہم کھانے کی طرف متوجہ ہوئے پھر وہی ہتھیلی سامنے آئی اب اس پر لکھا ہوا تھا۔

فلا والله ليس لهم شفيع وهم يوم القيامة فى العذاب۔	بخدا جد حسینؑ تو کیا ان کی کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا اور وہ لوگ قیامت میں دائمی عذاب میں ہوں گے۔

اب پھر ہم سے کھانا چھوٹ گیا اور ہمارے کئی ساتھی جلدی جلدی اس ہتھیلی کو پکڑنے کی خاطر اٹھے لیکن وہ پھر غائب ہو گئی۔

ہم ایک مرتبہ پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر وہی ہتھیلی دیوار سے نمودار ہوئی

اس پر لکھا ہوا تھا۔

قد قتلوا الحسینؑ	ان لوگوں نے ایک جابر و ظالم
بحکم جور و خانو	کے حکم سے حسینؑ کو شہید کیا ہے
حکمھم حکم	ان کا یہ حکم کتاب خدا کے صریحًا
الکتاب۔	خلاف تھا۔

اس وقت میں نے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کھانے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا اتنے میں گرجا کے پادری نے چھت کے اوپر سے ہمیں جھانکا اسے نیزہ کی نوک پر سر سے نور کی ایک کرن تا آسمان جاتی ہوئی نظر آئی۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ہر طرف فوج ہی فوج تھی۔

اس نے ہم سے پوچھا۔

آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟

ہم نے کہا۔ ہم عراق سے آرہے ہیں۔ حسین سے جنگ تھی۔

اس نے پوچھا۔ کیا حسین ابن فاطمہ بنت محمدؐ سے جنگ تھی۔

ہم نے کہا۔ ہاں اسی حسین سے جنگ تھی۔

اس نے کہا۔ لعنت ہو تم پر اگر عیسیٰ ابن مریم کا کوئی بیٹا ہوتا تو اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتے۔ خیر تمہاری مرضی۔ اب میری ایک درخواست ہے۔ اگر تم لوگ قبول کر لو تو؟

ہم نے پوچھا۔ بھلا کیا درخواست ہے۔

اس نے کہا۔ اپنے امیر لشکر سے پوچھو۔ کہ میرے پاس موروثی طور پر دس ہزار درہم ہے۔ وہ مجھ سے لے لے اور یہ سر کوچ کے وقت تک مجھے دے دے جب کوچ

کرو گے تو واپس لے لینا۔

ہم نے جا کر شمر کو اطلاع دی۔

اس نے کہا۔ ٹھیک ہے ہمارا مقصد تو حصول دولت ہے۔ درہم گن کر لے لو۔ اور سر دے دو۔ اس میں دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ ہم سر کی حفاظت سے بھی بچ جائیں گے۔

ہم نے اسے کہا۔ درہم لے آ۔

وہ درہم لے آیا۔

ہم نے صراف کو بلایا۔ جو ترازو بھی ہمراہ لایا تھا۔ اس نے درہموں کا وزن کیا انہیں پرکھا۔ اور پانچ پانچ ہزار کی دو تھیلیوں میں ڈالا ہے اور سر راہب کے حوالہ کر دیا۔

راہب نے اس سر کو پہلے مشک عنبر سے غسل دیا۔ پھر اپنی گود میں رکھا اور ساری رات گریہ کرتا رہا جب صبح کو ہم نے اس سے سر واپس مانگا تو اس نے سر سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے سر میں اپنے سوا کسی پر کوئی حکومت نہیں رکھتا آپ قیامت کے دن اپنے نانا کے سامنے شہادت دیں گے کہ میں۔ اللہ کو ایک اور آپ کے نانا کو اللہ کا آخری رسول ماننے کا اعلان کرتا ہوں۔

پھر اس نے شمر سے کہا۔ میری ایک درخواست ہے اگر تو قبول کرے۔

شمر نے کہا۔ بتا کیا ہے؟

اس نے کہا۔ جتنی توہین تم اس سر کی اب تک کر چکے ہو۔ اس کی اللہ سے معافی مانگو اور مزید توہین نہ کرو۔

شمر نے ہنس کر کہا۔

ٹھیک ہے اب نہیں کریں گے۔

(روایت کا بقیہ حصہ ہم آگے حادثات شام میں بیان کریں گے)۔

حارث ابن وکیدہ سے مروی ہے کہ میں بھی ایک رات ان افراد سے تھا جو سر مظلوم زہرا کی نگرانی کرتے تھے۔ میں نے سر کو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے سنا۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ کہ بغیر جسم کے سر کیسے تلاوت کرتا ہے۔ یہی سوچ رہا تھا کہ۔

سر مظلوم نے فرمایا۔

اے ابن وکیدہ۔ ہم گروہ آئمہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ہمارے لیے جسم و سر کا رابطہ ضروری نہیں ہوتا۔

ابن وکیدہ کہتا ہے کہ میں نے دل میں سوچا کہ سر کو ان سے چرا کر کربلا لے جاؤں اور جا کر دفن کر دوں۔

سر مظلوم نے فرمایا۔ اے ابن وکیدہ۔ یہ کام تیرے بس میں نہیں ہے ایسا مت کرنا۔ میرے سر کی اس توہین کی نسبت میرا قتل زیادہ اہم تھا۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دے۔ عنقریب یہ لوگ جہنم کے آتشیں طوق گلے میں پہن کر جہنم میں ہوں گے۔

۲۷ ویں منزل:۔

سر مدین:۔

حلب سے آگے یہ قافلہ مقام سر مدین میں آیا۔ یہ بہت آباد شہر تھا لوگ خوشحال

تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ آج فوج یزید نے فرزند رسول کو شہید کیا ہے۔ تو ان لوگوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ شہر پناہ پر چڑھ گئے۔ اور ان ملاعین پر لعنت کرکے ان کو پتھر مارنے لگے اور کہنے لگے اے فرزند رسول کے ملعون قاتلو! ہمارے شہر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ رہے گا اس وقت تک ہم تمہارے نجس قدم اپنے شہر میں گوارا نہیں کریں گے۔

یہ دیکھ کر جناب ام کلثوم زینب نے بھی ایک مرثیہ پڑھا۔ اور اس مرثیہ میں بنت زہراؑ نے کوفہ سے سردین تک اپنی حالت ان لوگوں کا قیدیوں سے سلوک اور سر غریب زہرا سے سلوک اور راستہ میں پیش آنے والے عبرت ناک واقعات کا ذکر کیا۔

۲۸ منزل۔

قنسرین:

سردین سے آگے یہ قافلہ قنسرین میں آیا۔ ابن شہر آشوب کے مطابق اس قافلہ نے قنسرین سے باہر ایک گرجا کے قریب قیام کیا۔ گرجا کے پادری نے چھت کے اوپر سے انہیں دیکھا۔ پھر سر کو دیکھا سر سے نکلنے والی نور کی کرن کو دیکھا۔ پادری نے دس ہزار درہم دے کر ان سے ایک رات کے لیے سر لیا۔ جب پادری سر لے کے چلا تو اس نے ہاتف غیبی کی ایک آواز سنی۔

طوبیٰ لك وطوبیٰ لمن عرف حرمته۔	تجھے بھی جنت کی بشارت ہو اور ہر اس شخص کو جنت کی بشارت ہو جو اس کی حرمت کو پہچانتا ہو۔

یہ آواز سنکر پادری نے اپنا سر سوئے آسمان بلند کیا۔
اور عرض کی۔ اے رب عیسٰی تجھے نبوت عیسیٰ کا واسطہ اس سر کو حکم دے کہ میرے ساتھ بات کرے۔

سر مظلوم کربلا نے فرمایا۔ بتا تو کیا چاہتا ہے۔

پادری نے کہا۔

میں آپ سے تعارف چاہتا ہوں آپ کون ہیں؟

سر مظلوم نے فرمایا۔

انا ابن محمد المصطفیٰ	میں محمدؐ مصطفےٰؐ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن علی المرتضیٰ۔	میں علیؑ مرتضیٰؑ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن فاطمۃ الزھرا۔	میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں۔
انا المقتول بکربلا۔	میں کربلا کا مقتول ہوں۔
انا المظلوم۔	میں مظلوم ہوں۔
انا العطشان۔	میں پیاسا ہوں۔

اس کے بعد سر خاموش ہو گیا۔

پادری نے اپنا منہ سر مظلوم پر رکھا اور کہا۔ جب تک میرے ساتھ میری شفاعت کا وعدہ نہیں کروگے اپنا منہ نہ ہٹاؤں گا۔

سر مظلوم نے فرمایا۔ میرے نانا کا دین قبول کرے میں شفاعت کا وعدہ کروں گا۔

پادری نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اعلان اسلام کیا۔

ان ملاعین نے پادری سے سر اور رقم لی اور آگے بڑھ گئے۔ آگے جا کر جب

انہوں نے رقم کو دیکھا تو وہ سنگریزے بن چکی تھی۔ انہوں نے انہیں وہیں ایک گڑھے میں دبا دیا۔ اور پادری پر غصہ کرنے لگے کہ اس نے ہم سے دھوکا کیا ہے۔ ایک دو سپاہی واپس پلٹے اور انہوں نے اس پادری کو شہید کر دیا۔ کاش یہ ظالم اپنے ساتھ قدرت کا سابقہ سلوک دیکھتے تو اپنے جرائم میں مزید اضافہ نہ کرتے۔

۲۹ ویں منزل:۔

حران:۔

قنسرین سے آگے بڑھ کر یہ لوگ حران آتے۔ بیرون حران ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی کا گھر تھا جو یحیی حرانی کے نام سے معروف تھا۔ یحیی نے ان کا آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ انہیں فتح کی مبارک باد دی۔ اس نے سروں کو لمبے لمبے نیزوں پر سوار دیکھا سب سے زیادہ لمبے نیزے پر سر مظلوم کربلا تھا۔ جو ماہ دو ہفتہ کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے دیکھا سر مظلوم کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ جب قریب گیا تو اس نے آواز سنی۔

آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے۔ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون یہ سنکر اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ اس نے دل میں سوچا اگر اس کے نانا کا دین دین حق نہ ہوتا تو جسم کے بغیر سر اس طرح تلاوت نہ کرتا۔

اس نے ان ملاعین سے پوچھا۔

یہ سر کس کا ہے۔

انہوں نے کہا۔ حسین ابن علی ابی طالب کا سر ہے۔

اس نے پوچھا۔ ان کی والدہ کا کیا نام ہے۔

انہوں نے کہا۔ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ۔

یحیٰ حرانی نے کہا۔ اب صداقت محمد کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھا۔ اور اسلام قبول کر لیا اس کے پاس اس وقت جتنے کپڑے تھے۔ وہ لایا اور بنات زہرا میں تقسیم کیے جب ان ملاعین نے دیکھا تو وہ کپڑے بھی چھین لیے۔

یحیٰ نے کہا۔ ظالمو! تمہیں شرم نہیں آتی دختران زہرا ؑ سے یہ سلوک کرتے ہو۔

انہوں نے کہا۔ تجھے یزید سے خوف نہیں آتا کہ تو اس کے دشمنوں کی حمایت کرتا ہے۔

اس نے کہا۔ مجھے اللہ کے سوا کسی سے خوف نہیں آتا۔ جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ ملعون ہے۔ اور جو ملعون کی حمایت کرتے ہیں وہ بھی ملعون ہیں۔

انہوں نے کہا۔ تو نے اب کے پھر اگر یزید کے سلسلہ میں کوئی بات کی تو تیرا سر اتار دیا جائے گا۔

یحیٰ نے کہا۔ اب حق کو پہچان لینے کے بعد مجھے زندگی سے پیار ہی نہیں رہا یہ کہہ کر یزید پر ایک مرتبہ پھر لعنت کی۔ ان لوگوں نے تلواریں نکالی۔ یحیٰ نے تلوار الم کر لی۔ اور حملہ کر دیا پانچ ملاعین کو فی النار کر کے آپ جام شہادت نوش کیا۔

۲۰ویں منزل :۔

بعلبک :۔

حران سے آگے بعلبک آتے اور بعلبک کے لوگوں نے ان کا خاصا شاندار استقبال کیا۔

ثانیہ زہرا نے اہل بعلبک کو بددعا دی۔

۲۱ویں منزل :۔

اندرین :۔

بعلبک سے آگے بڑھے تو ان لوگوں نے اندرین کے والی نصر ابن عتبہ کو جشن فتح کا لکھا۔ شام کا یہ دوسرا شہر تھا۔ نصر نے پورے شہر کو آراستہ کیا۔ جشن فتح منایا۔ لوگوں نے عید کے لباس پہنے۔ اور استقبال کے لیے تیار ہوتے۔ ادھر قدرت نے ان پر ایسا بادل مسلط کیا جو پورے شہر پر چھا گیا اس سے بجلی چمکنے لگی اور ہر بار بجلی کی چمک سے شہر کے کسی نہ کسی گھر کو آگ لگ جاتی تھی۔ حتیٰ کہ تمام کا تمام شہر جل گیا اور جشن فتح منانے والے جشن فتح بھول کر اپنا مال و اسباب سمیٹنے اور اپنے اپنے مردوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہو گئے۔

جب یہ ملاعین آئے تو انہوں نے شہر کو ویران اور اہالیان شہر کو اپنے غم میں مصروف دیکھ کر یہاں قیام نہ کیا اور آگے بڑھ گئے۔

۳۲ ویں منزل:۔

معرة النعمان:۔

شامی علاقہ کی دوسری منزل ہے۔

پہلی منزل ایدرین تھی۔

معرة النعمان ایک صحابی رسول۔ نعمان ابن بشیر کی وجہ سے اس کا نام بھی معرة النعمان ہے۔ یعنی وہ اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ یہیں بیمار ہوئے اور اسی جگہ فوت ہو کر دفن ہو گئے۔

معرة النعمان کے یزیدی گورنر نے اس قافلہ کا استقبال کیا۔ رہنے کو جگہ کھانے کو طعام اور پینے کو پانی مہیا کیا۔

۳۳ ویں منزل:۔

شیزر:۔

شیزر یہ لفظ حیدر کا ہم وزن ہے۔ معرة النعمان کے بعد جب یہ قافلہ شیزر میں آیا۔ شیزر حماۃ کے قریب ہے۔

شیزر کے ایک بوڑھے نے لوگوں کو بتایا کہ جس ہستی کو یہ ملاعین باغی کا سر بتا رہے ہیں فی الواقع یہ نواسہ رسول کا سر ہے۔

یہ بات سنکر شیزر کے تمام جوان اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ان ملاعین کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ جوانوں نے اپنے شہر میں داخل ہونے کا واحد راستہ پل کاٹ دیا۔ خندق میں

ہر طرف سے آگ جلادی۔ ہتھیار نکالے اور دیوار بن کر سامنے کھڑے ہو گئے۔

خولی نے کہا۔ اے جوانو! کیا تم شام کے علاقہ میں رہنے سے تھک گئے ہو؟

جوانوں نے کہا۔ ہم تھکے تو نہیں۔ البتہ رسول کے نواسہ پر ہونے والے مظالم کی داستان سنکر زندگی سے ضرور اکتا گئے ہیں۔

فوج یزید نے جب ان جوانوں کے جذبات دیکھے تو انہوں نے خود شیزر میں داخل ہونے سے گریز کیا۔ البتہ یزید کو والی شیزر کی شکایت لکھ دی۔

یزید نے جوابی کاروائی کے بطور والی شیزر کو معزول کر کے اس کا تمام گھر لوٹنے کا حکم دیا۔

۲۴ ویں منزل:۔

کفر طاب:۔

شیزر کے بعد کفر طاب آتے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اہل کفر طاب نے اپنی فصیل کے دروازے بند کر دیئے۔

خولی نے ان لوگوں کو کافی دھمکایا۔

بڑے بوڑھے تو خولی کی دھمکیوں میں آکر جوانوں سے کہنے لگے کہ۔ فساد اچھا نہیں ہوتا۔

ہم حکومت وقت سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حکومت سے بگاڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے فوج یزید ناراض نہ ہو۔ آخر کوفہ سے لے کر ہماری اس بستی تک بھی تو یہ لوگ ہر بستی اور ہر شہر میں آل محمدؐ کی تشہیر کرتے رہے ہیں

اگر ہماری بستی میں بھی تشہیر ہوگئی تو ان کی عظمت میں کون سا فرق آجائے گا۔

لیکن جوان اپنی بات پر ڈٹے رہے اور انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ لوگوں کی یہ مصلحت اندیشی نہ ہوتی تو آج کن لوگوں میں یہ ہمت کیسے ہوتی کہ آل رسول کے مردوں کو شہید کر کے ان کی مستورات کو بے پالان کے اونٹ پر سوار کر کے بستی بستی تشہیر کرائے۔

آپ اگر ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے تو نہ دیں لیکن آپ ہماری مخالفت نہ کریں اگر آل رسول حق پر کٹ مرے ہیں تو ہم بھی ان کی اقتداء میں حق پہ جان دے دیں گے۔

جوانوں کے یہ جذبات دیکھ کر بوڑھے پہلے تو خاموش ہو کر بیٹھ گئے، پھر رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے جوانوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

کفرطابی جوانوں نے پہلے تو اپنی بستی کے گرد کھدی ہوتی خندق پر بنے ہوئے پل کو کاٹ دیا۔

پھر ان جوانوں نے فوج یزید پر حملہ کر دیا۔ فوج یزید دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ تو قیدیوں اور سرہائے شہداء کو لے کر آگے بڑھ گئے اور دوسرا حصہ کفرطابی جوانوں سے مصروف پیکار ہو گیا۔

جب جوانوں نے دیکھا کہ قیدی اور سرہائے شہداء یہاں سے چلے گئے ہیں تو انہوں نے بھی اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں۔ اس مختصر سی جنگ میں پانچ صد یزیدی اور ستر کفرطابی کام آئے۔

جب ام کلثوم زینب بنت علیؑ نے کفرطابی جوانوں کا یہ جوش و جذبہ دیکھا۔ تو بی بی نے جناب سجاد سے پوچھا۔

اس شہر کا کیا نام ہے؟

جناب سجاد نے نام بتایا۔

تو بی بی نے ان کے حق میں حسب ذیل دعا فرمائی۔

اعذب اللہ شرابھو	اللہ ہمیشہ انہیں میٹھا پانی
وارخص اسعارھم	نصیب اور گرانی کبھی نہ دیکھیں
ورفع ایدی الظلمۃ	اگر پورہ کرہ ارض ظلم وجور سے
عنھم فلوان الدنیا	پر ہو جائے تو بھی اللہ انہیں
مملوۃ ظلما وجوراً ما اتا	عدل و انصاف کے سایہ میں خوش و
لھم الاقسطاد عدلا۔	خرم رکھے۔

۳۵ ویں منزل:۔

حماۃ:۔

کفر طاب کے بعد یہ قافلہ حماۃ میں آیا۔ حماۃ میں قیام شہر میں نہ ہو سکا کیوں کہ اہالیان شہر نے والی حماۃ سے اختلاف کیا تھا۔ البتہ والی حماۃ نے بیرون شہر ایک باغ میں اس قافلہ کو پانی اور کھانا فراہم کیا۔

ہمارے معاصرین میں سے ایک صاحب علم و فضل نے بتایا ہے کہ میں حج پر جا رہا تھا اتفاقاً حماۃ سے گزرا۔ نماز کا وقت تھا۔ ایک باغ میں بوسیدہ سی مسجد دیکھی وہاں گیا۔ وضو کر کے مسجد کے ہال میں نماز پڑھی مسجد کی ایک دیوار پر پرانا سا پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں قریب گیا۔ پردہ کو ہٹایا تو دیکھا دیوار میں ایک پتھر نصب ہے اس پتھر پر ایک گڑھا سا پڑا ہوا ہے۔ اور کچھ خون کے تازہ دھبے بھی موجود ہیں

میں نے خادم مسجد سے سوال کیا کہ یہ خون، یہ پتھر، یہ پردہ۔ یہ سب کیا ہے؟

اس نے جواب دیا۔ جب قافلہ آل محمدؐ اس جگہ سے گزرا تھا تو حماۃ کے دوران قیام اسی باغ میں اسی پتھر پر سر نواسۂ رسول رکھا گیا تھا۔ اسی وقت سے آج تک یہ خون بھی موجود ہے۔ اور یہ گڑھا بھی پتھر پر سر رکھنے سے پیدا ہو گیا حتیٰ کہ گڑھے میں کٹی ہوئی رگوں کی جگہ بھی واضح نظر آ رہی ہے۔ روزانہ چوبیس گھنٹوں میں سے کسی وقت اس دیوار سے تلاوت قرآن کی آواز بھی ضرور آتی ہے اور ہر سال شب عاشور نصف شب گزرنے کے بعد اس پتھر سے نور کی ایک کرن پھوٹتی ہے۔ جو عصر عاشور تک رہتی ہے۔ اور گڑھا خون سے پر ہو جاتا ہے پھر اسی طرح منجمد ہو جاتا ہے جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں۔ کئی برسوں سے میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ آج تک اس پتھر کو یا اس خون کو ہٹانے کی جرات کسی میں نہیں ہوئی۔

مجھے ایک عرصہ ہو گیا ہے یہ حالات دیکھ رہا ہوں۔ میرے والد نے بھی مجھے یہی کچھ بتایا تھا اور میرے دادا نے میرے والد کو بھی یہی کچھ بتایا تھا روایت یہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

میں وہاں سے باہر آیا۔ شہر حماۃ میں متعدد افراد جن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے۔ جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے ان سے اس پتھر، خون اور گڑھے کے سلسلے میں دریافت کیا۔ سب نے وہی کچھ بتایا جو خادم مسجد نے بتایا تھا۔

البتہ بعض افراد نے یہ اضافہ کیا کہ اگر حکومت معتدل اور آل محمد دشمن نہ ہو تو یوم عاشور دور دراز سے شیعہ یہاں آتے ہیں۔ اور سارا دن اس پتھر گڑھے اور خون کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ماتم اور سینہ زنی کرتے رہتے ہیں۔

۳۶ ویں منزل:۔

حمص:۔

حماۃ کے بعد یہ قافلہ حمص میں آیا۔ والی حمص خالد ابن نشیط کا بھائی تھا چونکہ والی حمص کو پہلے سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس لیے اس نے اطراف و نواح سے لوگوں کو بلا لیا تھا۔ والی حمص کی قیادت میں یہ لوگ بصورت جلوس تین میل تک بغرض استقبال گئے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے علم تھے جن پر فتح یزید کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ خوشی کا تمام سامان موجود تھا۔

جب اہالیان حمص کو علم ہوا تو وہ سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اسیران آل محمد کی حمص میں تشہیر نہیں ہونے دی جائے گی۔ چنانچہ یہ لوگ اس دروازہ پر جا کر جمع ہو گئے۔ جس سے ذریت نبی کو لایا جانے والا تھا۔ جونہی والی حمص کی قیادت میں اسیران آل محمدؑ داخل ہوئے۔ تو اہالیان حمص نے والی حمص اور اس کے ساتھ جشن فتح میں شریک ہونے والوں پر سنگ باری شروع کر دی چھبیس یزیدی فی النار ہو گئے۔

ان کا جشن غم میں بدل گیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ لوگ واپس ہو گئے۔

حمص کے جوانوں نے مشورہ کیا۔ کہ ان طاغین نے سر فرزند رسول لے کر واپس

کربلا لے جائیں اور وہاں دفن کردیں۔

چنانچہ انہوں نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن فوج یزید انہیں جل دینے میں کامیاب ہوگئی۔ فوج یزید حمص سے سیدھا راستہ لینے کی بجائے سوق الطعام اور حربسہ کی طرف ہوگئی۔ وہاں سے انہوں نے والی بعلبک کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

۲۷ ویں منزل:۔

بعلبک :۔

والی بعلبک نے کنیزوں کا ایک طائفہ نے کر اس قافلہ کا استقبال کیا۔ کنیزیں دف بجا کر رقص کر رہی تھیں۔ اور فتح یزید کے اشعار گا رہی تھیں۔ والی بعلبک نے یزیدی سالاروں اور سپاہیوں میں سے ہر ایک کو جی بھر کے طعام کے بعد شراب سے سیراب کیا۔ بعلبک سے باہر مقام ثمانین پر ان لوگوں نے قیام کیا۔ جناب ام کلثوم زینب نے جناب سجاد سے پوچھا۔

بیٹے یہ کون سا شہر ہے۔

جناب سجاد نے عرض کیا۔

پھوپھی اماں! اسے بعلبک کہا جاتا ہے۔

بی بی نے دست دعا بلند فرماتے اور عرض کیا۔

ابا واللہ خضرا تهم	اللہ انہیں ویران کرے اور کبھی
ولا اعذب اللہ شرابهم۔	ٹھنڈا پانی انہیں نصیب نہ ہو
ولا رفع ایدی الظلمۃ	ان ظالموں کے سر سے کبھی جابر و
عنهم۔	ظالم حکمران کا ہاتھ دور نہ ہو۔

یہ ملاعین خود تو اس حال میں تھے۔ دوسری طرف آل محمدؐ سے انکا سلوک یہ تھا کہ۔

سید نے کتاب الاقبال میں ابو محمد ابن علیؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب سجاد سے کوفہ سے شام تک کے سفر کا حال پوچھا۔

تو انہوں نے فرمایا۔

وہ شخص کیا حال دے سکتا ہے۔ جس کے ہاتھوں میں رسیاں، گلے میں خاردار طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں۔ پاؤں برہنہ پشت اونٹ کے زیر شکم بندھے ہوں۔ گلے، ہاتھوں اور پاؤں سے خون بہہ رہا ہو۔ اس کے عقب میں رسن بستہ مائیں، بہنیں اور پھوپھیاں بے پالان کے اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور ان کے ارد گرد نیزہ بردار سفاک ہوں۔ بیوی کے اونٹ کے ساتھ شوہر کا نیزہ پر سر ہو۔ بہن کے اونٹ کے ساتھ بھائی کا سر نیزہ ہو۔ اور بیٹی کے اونٹ کے ساتھ باپ کا سر نیزہ پر ہو۔ پس ہم اگر بیٹی باپ کا سر دیکھ کے۔ ماں بیٹے کا سر دیکھ کے اور بیوی شوہر کا سر دیکھ کے آنسو بہاتی تھی تو نیزہ بردار سپاہی پشت کو نوک نیزہ سے زخمی کر دیتے تھے۔

کوفہ سے شام تک ہمارے لیے دو اہم مسائل تھے۔ ہمیں نہ بھوک کی فکر ہوتی تھی۔ نہ پیاس کی شدت کا احساس ہوتا تھا۔ نہ تھکاوٹ کا خیال آیا تھا۔ اور نہ ہی تمازت آفتاب سے تھکتے تھے صرف اور صرف دو باتیں ہمارے لیے پریشانی کا باعث تھیں۔

ایک غم پردہ کا ہوتا تھا

اور دوسرا بے ساختہ بہنے والے آنسوؤں کا روکنا۔

❁

۲۸ ویں منزل:۔

دیر راہب:۔

بعلبک سے روانگی کے بعد اگلی رات دیر راہب میں گزارنے کی خاطر قیام کیا۔ یہاں جناب سجادؑ نے حوادث زمانہ پر ایک مرثیہ پڑھا۔ یہ پہلی رات تھی جس میں ان ملاعین نے سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند رکھا اور صندوقوں میں بند نہیں کیا۔

جب یہ ملاعین مخمور ہو کر خراٹے لینے لگے تو راہب نے گرجا کے اندر سے تسبیح و تہلیل کی آواز سنی اس نے گرجا کی چھت پر چڑھ کے دیکھا تو اسے گرجا کے ہر طرف نیزوں پر بلند سر نظر آتے جو مختلف سن و سال کے تھے اور ہر سر سے نور کی ایک کرن تا آسمان جا رہی تھی۔

راہب نے دیکھا جیسے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور ان میں سے ملائکہ گروہ در گروہ ہو کر زمین پہ اتر رہے ہیں۔ جو ایک سر کے قریب آ کر کہہ رہے ہیں۔

السلام علیك یابن رسول الله

السلام علیك یا ابا عبد الله

راہب یہ دیکھ کر جیسے مدہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ صبح ہو چکی ہے اور قافلہ کوچ کی تیاری کر رہا ہے۔

راہب نے باواز بلند پوچھا۔

سالار قافلہ کون ہے؟

ان لوگوں نے خولی کا بتایا۔

راہب نے پوچھا۔ یہ سر کن لوگوں کے ہیں؟

خولی نے کہا۔ یہ باغی تھے جنہوں نے یزید کی حکومت سے بغاوت کی تھی۔ ابن زیاد نے انہیں قتل کیا ہے اور ہم ان کے سر یزید کے پاس لے جا رہے ہیں

راہب نے پوچھا۔

باغیوں کے سردار کا کیا نام تھا؟

خولی نے کہا۔ اس کا نام حسینؑ ابن علی ابن ابی طالب تھا۔ اس کی ماں فاطمہ بنت محمدؐ تھی۔ اور نانا محمد مصطفیٰؐ تھا۔

راہب نے کہا۔ اللہ تم پر لعنت کرے۔ آج میرے سامنے بہت سے راز آشکار ہو چکے ہیں۔ میں کافی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ یہ آسمان کا رنگ کیوں سرخ ہے اور زمین کیوں خون ابل رہی ہے۔ ہمیں اپنے بزرگوں نے اسی کی اطلاع دے رکھی تھی کہ جب فرزند رسول ظلم و بربریت سے شہید ہو گا تو آسمان کا رنگ خون آلود ہو جائے گا اور زمین سے خون ابلے گا۔

بھلا تمہیں کیا معلوم کہ ایسا کب ہوتا ہے۔

ہاں ایسا اس وقت ہوتا ہے جب نبی یا وصی نبی بے گناہ ظلم و جور سے شہید کیا جاتے۔

اچھا کیا میری ایک درخواست قبول کرو گے؟

خولی نے کہا۔ کیا بات ہے بتا۔

راہب نے کہا۔ صرف ایک گھنٹہ کے لیے مجھے یہ سر دے دو پھر واپس لے لینا۔

خولی نے کہا۔ تجھے معلوم ہے کہ ہم شام کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اور اب

میں یہ سر یزید سے قبل کسی کو نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ وہی مجھے اس کا انعام بھی دے گا۔

راہب نے کہا۔ تجھے یزید سے کتنے انعام کی توقع ہے۔

خولی نے کہا۔ کم از کم۔ مجھے ایک ایسی تھیلی تو دے گا جس میں دس ہزار متقال نقدی ہو گی۔

راہب نے کہا۔ اتنا انعام مجھ سے لے لے اور صرف ایک گھنٹہ کے لیے سر مجھے دے دے۔

خولی نے کہا۔ جا تھیلی لے آ۔

راہب نیچے اترا۔ تھیلی اٹھا کر۔ لایا خولی کے حوالہ کی۔ خولی نے سر مظلوم راہب کو دے دیا۔

راہب نے سر لیا۔ اسے بوسہ دیا۔ گریہ کیا اور عرض کیا۔

اے سید الشہداء میں بدنصیب تھا کہ آپ کی نصرت نہ کر سکا۔ آج تک میں نصرانی تھا۔ لیکن رات کو جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ میرا زنگ کفر دور ہو چکا ہے۔ اپنے نانا کے سامنے میرے اسلام کی گواہی دینا۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له۔

واشهد ان محمداً رسول الله۔

واشهد ان عليا ولى الله۔

اس کے بعد اس نے سر واپس کر دیا۔ یہ ملاعین وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں انہوں نے وہ رقم تقسیم کی۔ انہوں نے دیکھا ہر درہم پر لکھا ہوا تھا۔

سيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔

خولی نے سپاہیوں سے کہا کہ اس رقم کو یہیں زمین میں دفن کر دو اور کسی کو نہ بتانا کہ ہمارے ساتھ کیا پیش آیا۔ جب یہ لوگ ان درہموں کو دفن کر چکے تو ہر سپاہی نے ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔

اترجوا امة قتلت حسین کیا وہ لوگ جنہوں نے فرزند رسول کو شہید کیا ہے قیامت

شفاعة جده یوم الحساب کے دن اس کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتے ہیں۔

یہ اشعار سنکر ان کی وحشت اور خوف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

انہیں کسی نے اطلاع دی کہ خریر خزاعی تمہارے عقب میں ہے اور وہ تم سے سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ لینا چاہتا ہے چنانچہ انہوں نے وہ راستہ بدل لیا اور عسقلان کی طرف روانہ ہو گئے۔

۳۹ ویں منزل:

عسقلان:

سادہ لوح ایسے قاری جو صرف کوفہ سے شام تک کی راہ کو دیکھتے ہیں ان کے خیال میں عسقلان کا آل محمدؐ کے راستہ میں آنا انتہائی ناممکن ہے کیونکہ عسقلان راستہ سے بہت دور ہے۔ لیکن جب محققین ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں جن حالات میں یہ قافلہ آیا تھا تو ان کے لیے راستہ سے بہت دور ہٹے ہوئے شہر عسقلان میں آنا حیرت انگیز نہیں رہتا۔ کیونکہ۔

یزیدی فوج کے لیے کوفہ سے شام تک قدم قدم پر کانٹے تھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوتا گیا ویسے ان کے کانٹے بڑھتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی راستہ سے دائیں ہٹ کر یہ لوگ بہت دور نکل گئے۔ اور کبھی بائیں ہٹ کر بہت دور نکل گئے۔

والی عسقلان یعقوب عسقلانی تھا جو میدان کربلا میں بھی موجود تھا خولی نے اسے اپنی آمد سے مطلع کیا۔ اس خبیث نے رقاص طائفے منگواتے۔ تمام شہر کو آراستہ کیا۔ جگہ جگہ سنہرے اور روپہلے دروازے بناتے۔ اور ہر چوک پر راگ ورنگ اور رقص وسرور کی محفلیں جمائیں۔ بیرون شہر قافلہ کا استقبال کیا۔ بیرونی تجار میں سے بنی خزاعہ کا ضریر خزاعی بھی تھا۔ جب اس نے شہر میں یہ مسرت دیکھی۔

تو کسی سے پوچھا یہ کیسی خوشی ہے؟

اس نے پوچھا۔

کیا تو مسافر ہے؟

ضریر نے کہا۔ اگر مسافر نہ ہوتا۔ تو کیوں پوچھتا؟

اس شخص نے کہا۔

عراق میں سے ایک شخص نے یزید کی حکومت سے بغاوت کر دی تھی اور وہ عراق چلا گیا تھا یزید نے والی عراق کو اس سے نمٹنے کا حکم دیا۔ چنانچہ والی عراق ابن زیاد نے اس باغی اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب یزیدی فوجی جشن فتح مناتے ہوئے باغیوں کے سر اور قیدی ہمارے شہر لا رہے ہیں۔

ضریر نے کہا۔ اس باغی کا نام کیا تھا۔

اس نے بتایا۔ اس کا نام حسینؑ تھا۔ اس کے باپ کا نام علیؑ تھا۔ ماں کا نام فاطمہ بنت محمدؐ تھا۔ دادا ابوطالب اور نانا محمدؐ تھا۔

ضریر یہ سنکر کانپ گیا۔ اس دروازہ پہ آیا جس سے اسیران آل محمدؐ کو گزارا جانے والا تھا۔ پہلے پہلے رقص کرنے والی طوائف آئیں۔ پھر بے ریش لڑکے ناچتے ہوتے گزرے۔ پھر سرہائے شہداء آئے۔ ان کے بعد جناب سجاد آئے ان کے عقب میں رسول زادیاں رسن بستہ آئیں۔

ضریر جناب سجاد کے قریب ہوا۔ گریہ سے بے حال تھا سلام کیا۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ بندہ خدا تجھے کیا ہوا لوگ مکانوں کی چھتوں پر بھی تالیاں بجارہے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تو کیوں رو رہا ہے۔

ضریر نے گلوگیر آواز سے کہا۔

قبلہ کاش میں اندھا ہوتا اور یہ منظر نہ دیکھتا میں تو یہاں مسافر ہوں بغرض تجارت آیا ہوں۔ ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ فرزند رسول شہید ہوگیا اور دختران زہراؑ پابند رسن لائی جارہی ہیں۔

امام سجاد نے فرمایا۔ تجھ سے مودت آل محمدؐ کی خوشبو آتی ہے اللہ تجھے جزائے خیر دے۔

ضریر نے عرض کیا۔

قبلہ اگر کوئی حکم ہو تو فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔

ضریر۔ یہاں کیا حکم ہوگا۔

اگر تیرے بس میں ہو تو میرے مظلوم بابا کا سر اٹھانے والے سے کہدے

کہ سر کو مستورات سے آگے لے جائے تاکہ لوگ میرے بابا کی تلاوت میں مصروف رہیں۔ اور بنی زادیوں کا پردہ محفوظ رہے۔

ضریر فوراً گیا۔ سر مظلوم اٹھانے والے کو پچاس دینار دے کر آگے جانے پر راضی کر لیا۔

پھر خدمت امام میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

قبلہ کوئی اور حکم؟

آپ نے فرمایا۔

ضریر اگر کچھ بچے ہوتے کپڑے ہوں تو ان لٹی ہوئی زہرزادیوں کو دے دے تاکہ اپنے بالوں کو چھپالیں۔

ضریر نے کپڑے تقسیم کیے۔ ابھی کپڑوں کی تقسیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ شمر ملعون نے دیکھ لیا۔ سپاہیوں کا دستہ لے کر ضریر کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔

اے جوان تو کون ہے؟

تجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے قیدی ہیں اور کس کے قیدی ہیں۔ تو نے کس سے اجازت لی ہے کہ ان میں کپڑے تقسیم کر رہا ہے؟

ضریر نے کہا۔ او ملعون اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ مجھے معلوم ہے کہ قید کرنے والا والی جگر خوار ماں کا بیٹا ہے۔ اور قید ہونے والی رسول زادیاں ہیں۔

شمر نے ایک طرف سپاہیوں کو نیزوں سے چادریں چھیننے کا حکم دیا۔ اور دوسری طرف ضریر کو گرفتار کرنے کا کہا۔

عزیر نے جب دیکھا تو تلوار نکال لی۔ ہر طرف سے عزیر پہ پتھر، تیر، نیزے اور تلواریں برسنے لگیں۔ تنہا ایک شخص کہاں تک مقابلہ کر سکتا تھا۔ آخر نڈھال ہو کر گر گیا۔ یہ لوگ عزیر کو مردہ سمجھ کر آگے بڑھ گئے۔

رات گئے عزیر کو ہوش آیا۔ اپنے جسم کو دیکھا ہر جگہ زخم ہی زخم تھے زمین پر گھسٹتا گھسٹتا باہر کی طرف روانہ ہوا۔ اس قبرستان میں آیا جس میں انبیاء اور اولیائے ماسلف کے مزارات تھے ایک جگہ سے عزیر کو گریہ کی آواز محسوس ہوتی اسی طرف آیا۔ دیکھا تو چند لوگ بیٹھے آنسو بہا رہے تھے۔

عزیر نے کہا۔

اے بندگان خدا! تمہارا پورا شہر خوشی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہر شخص عید منا رہا ہے۔

ہر گھر میں فتح کا جشن ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے مصروف گریہ ہو۔ کہیں تم بھی میری طرح مسافر ہو۔

یا اہل شہر کی عید سے اتفاق نہیں رکھتے۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

بندہ خدا! اگر تو آل محمدؐ کے محبوں سے ہے تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر فرزند رسول پر گریہ کر۔

اگر جاسوس ہے تو جا کر یعقوب کو اطلاع کر دے تاکہ وہ ہمیں محبت آل محمد کے جرم میں قتل کر دے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو اپنی راہ لے ہمیں اپنا کام کرنے دے۔

عزیر نے اپنے جسم کے زخم دکھائے اور کہا۔ اے محبان اہل بیت میرے جسم

کے یہ زخم گواہ ہیں کہ میں نے آل محمدؐ کی محبت کی قیمت ادا کی ہے۔ پھر ضریر نے شروع سے لے کر آخر تک اپنا تمام واقعہ سنایا ان لوگوں میں سے کچھ اٹھے اور اپنے اپنے گھروں میں گئے۔ کوئی مرحم اور پٹی کا سامان لایا۔ کوئی پانی لایا اور کوئی کھانا لایا۔ ضریر کے زخم دھوئے۔ مرحم پٹی کی۔ کھانا کھلایا۔

سرزمین شام

سرزمین شام وہ خطہ ہے جس کی تعریف اور مذمت دونوں چیزیں روایات و احادیث میں ملتی ہیں۔

مناسب ہوگا اگر مختصراً ہم مدح و ذمہ کی دونوں روایات قارئین کے سامنے پیش کر دیں اور امکانی طور پر ان میں تطبیق کی کوشش بھی کریں۔

مذمت شام:

تفسیر علی ابن ابراہیم میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ جب حضرت علیؑ کو معاویہ کی بغاوت کی اطلاع کے ساتھ یہ خبر موصول ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب لشکر ہے۔

تو حضرت علیؑ نے فوج کے متعلق سوال کیا۔

من ای القوم۔ معاویہ کا لشکر کس علاقہ سے ہے۔

جواب میں عرض کیا گیا۔
سب کے سب اہل شام ہیں۔
تو آپ نے فرمایا۔

لا تقولوا من اهل	اہل شام مت کہو بلکہ اہل بدبختی
الشام بل قولوا	کہو یہ لوگ اس شہر کے باسی
من اهل الشوم	ہیں۔ جس پر حضرت داؤد نے
هم انبياء مصر لعنوا	لعنت کی تھی اور اللہ نے
على لسان داؤد وجعل الله	اسی سرزمین کے باسیوں کو
منهم القردة والخنازير۔	سور اور بندر مسخ کیا تھا۔

قصص میں جناب صدوق سے مروی ہے کہ امام محمد باقر فرمایا کرتے تھے۔

نعم الارض الشام	سرزمین شام بہترین سرزمین
وبئس القوم	ہے لیکن باشندگان شام
اهلها اليوم۔	بدترین ہیں۔

مجالس المومنین میں سرکار مفید کے ذریعہ امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ۔

لما قتل الحسینؑ بکت	جب فرزند رسول شہید ہوئے
علیه السماوات السبع	تو سات آسمان ساتوں زمینیں
والارضون السبع وما	جو کچھ ان میں سے جنت کے
فیهن وما بینهن ومن ینقلب	ساکنین اور ہر منظر آنے والی

فی الجنة وما یری وما لا یری	اور نہ آنے والی ہر چیز نے
الا ثلاثة اشیاء فانها لم تبک	گریہ کیا لیکن بصرہ، دمشق
علیه البصرة والدمشق وال الحکم۔	اور آل حکم یہ تین نہیں روتے

کامل الزیارۃ کے مطابق امام صادق نے فرمایا ہے کہ۔

امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کے غم میں بصرہ، دمشق اور آل عثمان کے علاوہ کائنات عالم کی ہر چیز نے گریہ کیا۔

کامل الزیارۃ ہی میں حسین ابن ثویر سے مروی ہے کہ امام صادق نے فرمایا ہے۔

شہادت فرزند رسول پر کائنات عالم کی ہر چیز نے گریہ کیا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ بصرہ۔ دمشق اور آل عثمان۔

ان روایات کی طرح دیگر روایات بھی بکثرت موجود ہیں جن میں دمشق کا نام لیکر اہل دمشق کی مذمت کی گئی ہے۔ جہاں تک روایات مدح کا تعلق ہے وہ بھی از روئے تعداد کم نہیں ہیں۔

جن میں بتایا گیا ہے کہ سرزمین شام محل انبیاء ہے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مدح و ذم کی ان دونوں قسم کی روایات میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے کیوں کہ جہاں تک بذات خود سرزمین کا تعلق ہے وہ کئی اعتبار سے مقدس ہے۔ لیکن جہاں تک اہالیان شام کا تعلق ہے وہ ہر لحاظ سے ہر دور میں قابل مذمت رہے ہیں۔ اکثر انبیاء اسی خطہ میں آتے۔ اور اسی خطہ کے باشندوں نے خون انبیاء سے اپنے ہاتھ سرخ کیے۔ جناب دانیال کو انہی لوگوں نے زندہ درگور کیا۔ جناب عیسیٰ کو انہی لوگوں نے سولی پر چڑھانے کی کوشش کی۔

جناب ذکریا کو انہی لوگوں نے آرا سے دو نیم کیا۔
جناب مریم کی عصمت کو انہی لوگوں نے داغدار کیا۔
بت تراشی اور بت پرستی انہی لوگوں کا شعار تھی۔
تاریخ کا معتدبہ حصہ اہالیان شام کے ان جیسے سیاہ کارناموں سے سیاہ ہے۔ ناقہ صالح کو پئے کرنے والے یہی شامی تھے۔
پھر خاتم الانبیاء کے فرزند گرامی کا بے گناہ خون بھی انہی کے دامن پہ نمایاں ہے۔
سب سے بڑھ کر وہ ظلم جو کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کی ذریت پر نہیں کیا وہ ظلم بھی انہی شامیوں نے اپنے حصہ میں لیا اور نبی زادیوں کو سر و پا برہنہ بے پالان کے اونٹوں پر دربار یزید میں پیش کیا۔
یہ شامی ہی تھے جنہوں نے فرزند رسول کے سر پہ مے نوشی کی۔ اور دستر خوان لگا کر کھانا کھایا۔
یہ شامی شہزادہ یزید ہی تھا جس نے اپنی کل۔ تین برس کی حکمرانی میں تین وہ کام کیے۔ جن سے آج تک تاریخ اسلام کی پیشانی عرق آلود ہے
اپنی حکومت کے پہلے سال فرزند خاتم الانبیاء کو شہید کیا اور نبی زادیوں کو رسن بستہ اپنے دربار میں پیش کیا۔
حکومت کے دوسرے سال اس نے مدینۃ الرسول میں قتل و غارتگری کا عمومی حکم دیا جس کے متعلق تواتر کے ساتھ احادیث نبویہ موجود ہیں کہ اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے والا جہنمی کتا ہوگا
اس ظالم کی فوج نے اس بے دردی سے مدینہ میں سفا کا نہ مظاہرہ

کیا کہ۔

التبر المذاب کے مطابق بروایت واقدی ابن اسحاق ابن ہشام جب مدینہ کے مہاجرین و انصار کا وفد شہادت غریب رسول کے بعد یزید کے پاس دمشق آیا اور شکوہ کیا۔ تو اس مسلمان نما کافر نے اس وفد کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ ارکان وفد کو چڑانے کی خاطر ان کی موجودگی میں بھرے دربار میں شراب پیتا رہا طنبورہ بجاتا رہا۔ اور نبی کریم اور نبوت کا مذاق اڑاتا رہا۔

یہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ارکان وفد واپس مدینہ آئے اور انہوں نے تمام موجود صحابہ کو دربار دمشق کی جملہ کیفیات سے مطلع کیا۔ تو انہی صحابہ نے اس کی بیعت کی جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا اور اس کے مقرر کردہ والی مدینہ عثمان ابن محمد ابن ابوسفیان کو مدینہ سے باہر نکال باہر کیا۔ جن صحابہ نے ابوبکر کی بیعت کی تھی۔ ابوبکر کے حکم سے عمر کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ سے اس کی بنائی گئی شورہ کمیٹی کو قبول کیا تھا۔ عثمان کی بیعت کی تھی۔ اور ام المومنین عائشہ کے جھنڈے تلے۔ جمع ہو کر خلیفہ وقت کے خلاف جنگ جمل میں حصہ لیا تھا۔

انہی صحابہ نے غسیل ملائکہ کے پوتے عبداللہ ابن حنظلہ کی بیعت کر لی تھی۔

ابن حنظلہ نے منبر پر بیٹھ کر اعلان کیا تھا۔

لوگو! ہم نے یزید کی بیعت کا جوا اس وقت اتارا ہے جب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اگر اب اس بیعت پر رہے تو ہم پر آسمان سے عذاب خدا نازل ہو گا۔

یزید وہ شخص ہے جس کی نگاہ میں۔ ماں۔ بیٹی۔ بہن اور بیوی سب برابر ہیں۔ فسق و فجور کی اس انتہا کو پہنچ گیا ہے کہ اس وقت وہ ماں۔ بہن اور بیٹی تک

سے منہ کالا کر چکا ہے۔

سرعام شراب پیتا ہے۔ اولاد انبیاء کا قاتل۔ قیامت کا منکر۔ وحی کا انکاری اور قرآن کا منکر ہے۔

بخدا! اگر میرے ساتھ ایک بھی شخص نہ ہوتا یا اب نہ رہے تو میں تنہا میدان میں کمر اتار کر تحفظ ناموس اسلام کی خاطر جو کر سکوں گا کروں گا۔

جب یزید کو یہ اطلاع ملی تو اس نے مسلم ابن عقبہ کو شامیوں کا ایک لشکر دے کر مدینہ فتح کرنے کی خاطر بھیج دیا۔

مدائنی نے اپنی کتاب۔ وقعۃ الحرہ۔ میں نقل کیا ہے کہ۔

فوج یزید تین دن تک مدینہ میں عام قتل و غارت کرتی رہی۔ عصمت دری کی انتہا ہو گئی۔ قریش انصار اور مہاجرین سرداروں میں سے سات سو افراد قتل ہوئے۔

دس ہزار مقتول ایسے تھے جو عوام سے غیر معروف تھے مدینہ کی گلیوں میں خون سیلاب کی طرح بہتا تھا۔ خون کی سطح اتنی بلند ہوئی کہ روضہ رسول تک پہنچ گیا۔

مسجد نبوی خون سے لبریز ہو گئی۔

شعبی کے مطابق واقعہ حرہ کے بعد مدینہ کی دس ہزار کنواری لڑکی نے بچے جنے۔

تیسرا کام جو اس خبیث نے کیا وہ تھا بیت اللہ پر آتش بازی جس کے نشانات آج تک کوہ فاران کے پتھروں پر بصورت سیاہی نظر آتے ہیں۔ ہوا یوں کہ عبداللہ ابن زبیر جو ام المومنین عائشہ کا بھانجہ اور ابو بکر کا نواسہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ

فرزندِ رسول کی شہادت کے بعد عام لوگ یزید سے متنفر ہو چکے ہیں۔ اب لوہا گرم ہے۔ اگر میں بھی اقتدار سے اپنا حصہ بانٹ لوں تو میرے مقدر بھی کھل جائیں گے۔

یہ چونکہ مکہ میں امام حسینؑ سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ اور امام حسینؑ کی مکہ میں سکونت کے عرصہ میں جس قدر ذہنی تکلیف اسے تھی اور کسی کو نہ تھی۔ امام حسینؑ تو مکہ سے سوئے کربلا روانہ ہو گئے تھے۔

لیکن اس نے مکہ کو مستقل اڈہ بنا لیا۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد جب واقعہ حرہ پیش آیا تو اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔

چنانچہ اس نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے لوگوں سے بیعت لینے میں مصروف ہو گیا۔ جب یزید کو اطلاع ملی تو اس نے مسلم ابن عقبہ کے نام مدینہ میں ہی حکم بھیجا کہ مدینہ کے مہاجرین و انصار کی سرکوبی کے بعد مکہ میں ابن زبیر کی خبر بھی لے لینا۔

یہ خبیث تو راستہ ہی میں فی النار ہو گیا۔ اس نے حصین ابن نمیر کو اس مہم کا انچارج بنا دیا۔ حصین نے یزید کو مسلم کی خبر ہلاکت دینے کے ساتھ ساتھ اپنے متعلق پوچھا۔ یزید نے اس کی فوج سالاری پر صاد کر دی اور آگے لشکر لے کر آگیا۔ مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زبیر نے مکہ سے نکلنے سے انکار کر دیا۔

اس نے توپیں نصب کیں اور خانہ خدا پر آتش باری شروع کر دی۔ بیت اللہ منہدم ہو گیا۔ غلاف کعبہ جل گیا بیت اللہ کو جلانے کے بعد تیسرے ماہ یزید اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

نسب یزید:۔

کامل الزیارۃ میں داؤد ابن فرقد سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا ہے فرما رہے تھے۔

جناب یحییٰ اور فرزند رسول کا قاتل حرامزادہ تھا۔

سوال:۔

بعض افراد یہ سوال کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قاتل سے مراد یزید نہیں بلکہ شمر ہے کیونکہ یزید تو شام میں تھا جس شخص نے خنجر بدست ہو کر امام حسینؑ کو شہید کیا وہ یزید نہیں شمر تھا پھر یزید کو حرامزادہ ثابت کرنے کی خاطر کیسے قاتل فرزند رسول بنایا جاتا ہے؟ یا یزید کو قاتل امام حسینؑ ثابت کر کے کیسے حرامزادہ کہا جا سکتا ہے۔

اس انکار کے لیے ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے امام اہل سنت سبط ابن جوزی کا پیش کردہ جواب سامنے رکھ دیتے ہیں۔ بالکل یہی سوال سبط ابن جوزی سے کیا گیا تھا۔

اس نے جواب میں یہ شعر پڑھ کر سنا دیا۔

سہم اصاب ورامیہ بذی سلم من بالعراق لقد ابعدت مرماک

اگر ایک شخص مقام ذی سلم پر کھڑے ہو کر تیر مارے اور وہ تیر عراق کے کسی باشندے کو جا لگے تو قاتل وہی تیر انداز ہوگا۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ تیر انداز نے بڑا لمبا نشانہ

لیا ہے۔

یزید جونہی اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا تو اس نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ یزید نے والی مدینہ کو خط لکھا۔ خط لکھ لینے کے بعد ہر قاری سمجھ سکتا ہے کہ فرزند رسول کا قاتل یزید کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ خط ملاحظہ فرمائیے۔

روضۃ الصفاء

ان ابی معاویۃ الذی	میرا باپ معاویہ جو روئے ارض
کان خلیفۃ الارض	کے مشرق و مغرب کا حکمران تھا
شرقاً وغرباً استراح	دنیا سے آخرت کی طرف چلا
عن الدنیا وصار الی	گیا ہے۔ اس نے مجھے اپنی
الاخرۃ ولقد جعلنی	زندگی میں ولی عہد بنا دیا تھا اور
خلیفۃ فی حیوٰتہ و	مجھے وصیت کی تھی کہ ابو تراب ؑ
اوصی الی ان احذر من	کی اولاد سے ہوشیار ہوں۔
ولد ابی تراب وانت	اے ولید تجھے علم ہونا چاہیے
یا ولید لتعلمن ان	کہ اللہ جو جبار اور منتقم ہے
المنتقم الجبار لیاخذ من	وہ خون عثمان کا بدلہ آل ابو طالب
آل ابی طالب ثاو الشہید	سے لے گا اور اس انتقام کا ذریعہ
المظلوم عثمان ابن عفان	آل ابو سفیان کو بنائے گا۔
ولیجعلن الواسطۃ فی ذٰلک	میرے اس خط کے مضمون

آل ابی سفیان فحیث ما
وقفت علی مضمون الکتاب
فخذ من اھل المدینة
بیعتی ولاتمھل وخذ
بیعتی من الاشراف
الاربعة وبالخصوص
من الحسین ابن علیؑ
واضرب عنقه ان امتنع
منها وابعث الی برأسه
والسلام ۔

سے آگاہی کے بعد اہل مدینہ
سے بیعت لے کسی کو مہلت
نہ دے۔ مدینہ کے چار شرفاء
سے بھی بیعت لے بالخصوص
حسینؑ ابن علی سے میرے لیے
بیعت لے اگر وہ میری بیعت
سے انکار کرے تو اس کی
گردن مار کے سر میری طرف
بھیج دے۔
والسلام

خط کا اصل متن روضۃ الصفاء سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مندرجات پر غور فرمائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ قاتل فرزند رسول کون ہے؟

فرزند رسول کو کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟
کیا فرزند رسول کا جرم بیعت سے انکار تھا؟
کیا ابن زیاد نے اپنی طرف سے فرزند رسول کو شہید کرنے کا حکم دیا تھا؟

I۔ یزید کہتا ہے میرا باپ مشرق و مغرب کا حکمران تھا۔
II۔ میرے باپ نے زندگی میں مجھے ولی عہد بنا دیا تھا۔
III۔ میرے باپ نے مجھے اولاد علیؑ سے ہوشیار رہنے کی وصیت کی تھی یزید کا یہ جملہ ان لوگوں کے لیے مقام فکر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ معاویہ نے یزید

کو وصیت کی تھی کہ حسینؑ ابن علی تیرا رشتہ دار ہے۔ اس سے حسن سلوک کرنا۔

IV۔ اللہ انتقام عثمان آل ابوطالب سے بواسطہ آل ابوسفیان لے گا۔ اس جملہ سے یزید کی بدباطنی صاف واضح ہے۔ یزید نے بیعت کو تو صرف بہانہ بنایا تھا۔ فی الواقع انتقام عثمان کے بہانہ سے یزید آل ابوطالب کو نابود کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ یزید کا انفرادی نظریہ نہیں تھا بلکہ یزید کو حکومت میں وراثۃً ملا تھا۔ عثمان کا نام بھی صرف امت مسلمہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ اصل میں مقتولین بدر کا انتقام تھا جو آل ابوطالب سے لیا جاتا تھا کیونکہ ملکی کفار کی اکثریت اولاد ابوطالب کے ہاتھوں فی النار والسقر ہوئی تھی۔

V۔ چار شرفاء سے بیعت لینا اور بالخصوص حسینؑ ابن علی سے بیعت لینا۔ اگر حسینؑ بیعت سے انکار کرے تو اس کا سر تن سے جدا کر کے میری طرف بھیجنا۔

یعنی اگر دوسرے انکار کر دیں تو کوئی حرج نہیں لیکن حسینؑ انکار کرے تو اسے قتل کر دینا۔

کیا اس خط سے یہی نہیں سمجھا جا رہا کہ۔

یزید کو وصیت میں جو کچھ کہا گیا تھا یزید اس پر عمل کر رہا تھا۔ معاویہ نے یہی کہا ہوگا۔ بیٹے علیؑ اور حسنؑ کو تو میں نے سنبھال لیا ہے اب ابوطالب کی اولاد سے حسینؑ باقی ہے اور اسے تو نے ختم کرنا ہے۔

مثالب الصحابہ کے مطابق۔ میسون بنت بجدل کلبی اگرچہ معاویہ کی زوجیت

ہیں تھی لیکن اس کے مراسم اپنے باپ کے غلام سے تھے۔ اور یزید اسی غلام کا بیٹا تھا۔

حبیب السیر کے مطابق جب یزید اپنی ماں میسون کے شکم میں تھا معاویہ نے میسون کو طلاق دے دی تھی۔ کیونکہ اسے پتہ چل گیا تھا کہ میسون کے اپنے باپ کے غلام سے تعلقات ہیں۔

یزید کو عداوت آل محمدؐ ورا ثتہ ملی تھی۔ معاویہ نے یہ عداوت یزید کی رگ رگ میں بٹھادی تھی۔ خود معاویہ عداوت آل محمدؐ پر پلا بڑھا تھا۔

زمخشری کی ربیع الابرار اور ابن عبدربہ کی عقد الفریہ کے مطابق جب معاویہ کو فرزند رسول امام حسن کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔

کافی میں امام صادق سے مروی ہے آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

شارکھم فی الاموال والاولاد۔	تو بنی آدم کے مال اور اولاد میں شریک رہ جانا تجھے اجازت ہے۔

یہ آیت ذات احدیث کی جانب سے شیطان کو خطاب ہے۔ جب شیطان رجیم ہو کر بارگاہ خالق سے نکلنے لگا تھا اور اس نے مہلت مانگی تھی تو ذات احدیث نے وقت معلوم تک کی مہلت دینے کے بعد اسے یہ فرمایا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ شیطان جب شریک اولاد ہونا چاہتا ہے تو وہ عورت سے وہی سلوک کرتا ہے جو شوہر کرتا ہے۔

کسی نے عرض کیا۔

قبلہ پتہ کیسے چلتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔

ہماری محبت یا ہمارے بغض سے۔ ہمارا محب اپنے باپ کا اور ہمارا دشمن شیطان کا نطفہ ہوتا ہے۔

عداوت فرزند رسول و یزید:۔

بعض حقائق نا آشنا مورخین یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مابین نسبی عداوت تھی۔ اس سلسلہ میں ایک خود ساختہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ۔ ہاشم اور امیہ جڑواں بھائی تھے۔ دونوں کی پشتیں باہم ملی ہوئی تھیں انہیں تلوار سے جدا کیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کاہنوں نے کہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہمیشہ تلوار چلتی رہے گی۔ یہی نسبی عداوت تھی جو واقعہ کربلا کا سبب بنی ہے۔

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دعوے صرف دعوے ہی رہ جاتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت سامنے نہیں آتی۔

کیونکہ اولاً محقق مورخین اس واقعہ ہی سے انکار کرتے ہیں کہ ہاشم اور امیہ جڑواں تھے۔ ان کے مطابق امیہ ہاشم کا بھائی نہیں بلکہ غلام تھا۔

ثانیاً تاریخ بتاتی ہے کہ ہاشمی اور اموی عداوت اس وقت سامنے آئی جب آنحضورؐ نے تبلیغ اسلام شروع کی۔ تبلیغ اسلام سے قبل بنی ہاشم کے اقتدار سے حسد کرنے والے دیگر قبائل میں سے بنی امیہ بھی ایک قبیلہ تھے۔ جس طرح دیگر قبائلی عرب بنی ہاشم کا کعبہ پر اقتدار گوارا نہیں کرتے تھے اسی طرح بنی امیہ

کو بھی یہ اقتدار چبھتا تھا۔ چونکہ بنی امیہ نسبتاً دیگر قبائل سے افرادی اعتبار سے زیادہ تھے اس لیے دیگر حاسد قبائل بنی ہاشم کے خلاف انہیں ہی آگے رکھتے تھے۔

تبلیغ اسلام کے آغاز سے قبل کسی بھی تاریخ میں ہاشمی اور اموی کھلے میدان میں ایک دوسرے سے نبرد آزما نظر نہیں آتے۔

ثالثاً:۔

اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو فتح مکہ کے وقت جناب عباس جو بنی ہاشم سے تھے ہی ابوسفیان کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے آنحضورؐ کی خدمت میں لائے تھے اور ابوسفیان نے شکست تسلیم کر لی تھی۔ نسبی عداوت کا تو تقاضا یہ تھا کہ جناب عباس ابوسفیان کو قتل ہونے دیتے۔ پھر یہ جناب عباس ہی تھے جن سے مدینہ میں ابوسفیان نے کہا تھا کہ۔

مسلمان ہمیں طعنے دیتے ہیں کہ تم دشمن اسلام تھے۔ آپ آنحضورؐ سے سفارش فرمائیں کہ وہ ہمیں اپنے قرب کا موقعہ دیں تاکہ مسلمانوں کے طعنے کم ہو جائیں۔

چنانچہ جناب عباس ہی کی سفارش پر آنحضور نے معاویہ کو اپنے پاس خط لکھنے کی خاطر بٹھایا۔

جسے بعد میں کاتب وحی کا لقب دے دیا گیا۔

اور اگر نسبی عداوت ہوتی تو جناب عباس ابوسفیان کی سفارش کیوں کرتے؟

تبلیغ اسلام کے بعد ابولہب جو بنی ہاشم سے تھا آنحضور کے دشمنوں سے شمار ہوتا تھا۔

اگر مقصد اختصار نہ ہوتا تو اس ضمن میں مسلمہ تاریخوں سے ہاشمی اور اموی کی بے شمار ایسی مثالیں پیش کی جاتیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ خاندانی عداوت کا واقعہ خانہ ساز ہے۔

بعض مورخین نے ایک سبب کسی عورت کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ۔ کہ یہ واقعہ فوری عداوت کا باعث بنا تھا۔ لیکن یہ واقعہ بھی ان مورخین کی ذہنی ساخت ہے۔ کیونکہ۔

اولاً تو یہ واقعہ خود متنازعہ فیہ ہے۔ بعض مورخین نے عبداللہ ابن عامر کی بیوی بتائی ہے اور بعض مورخین نے عدی ابن حاتم کی بیوی کا نام لیا ہے۔ یہ مورخین آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ان میں سے کون تھی؟

ثالثاً

تاریخ کربلا میں کسی بھی مقام پر نہ تو فوج یزید کی طرف سے اور نہ انصار حسینؑ کی طرف سے اس واقعہ کا کہیں تذکرہ ہوا ہے۔ اگر فوری سبب عداوت یہی ہوتا تو کم از کم کہیں تو اس کا تذکرہ بھی آتا۔ تاریخ کربلا میں اگر کچھ ملتا ہے تو وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ۔

فوج یزید کی طرف سے خون عثمان کے انتقام کا نعرہ لگا ہے۔ اور انصار فرزند رسول کی طرف سے دین خدا اور توحید و رسالت کا نعرہ لگا ہے۔

ممکن ہے۔ بعض خام ذہن یہ خیال کریں کہ۔ چونکہ ایک عورت کی بات تھی۔ اس لیے اسے بیچ میں نہیں لایا گیا۔ تو ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

اگر یزید کا دوسرا بر فسق و فجور سامنے لایا جا سکتا ہے تھا تو پھر اس واقعہ کے تذکرہ میں کیا حرج تھا۔

جب کہ ظاہری لحاظ سے اس واقعہ میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی آپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

چونکہ واقعات دو ہیں اس لیے میں دونوں واقعات کے مشترکہ نکات پیش کر رہا ہوں۔

یزید نے ام خالد کو دیکھا یا اپنے کمرہ میں اس کی دیوار پر منقش تصویر دیکھی۔ یزید اس پر عاشق ہو کر صاحب فراش ہو گیا۔ معاویہ نے وجہ پوچھی۔ اور جب اسے معلوم ہوا تو اس نے عمرو عاص سے مشورہ کیا۔ عمرو عاص نے کہا اس عورت کے شوہر کو انعامات سے نوازا اسے شام میں بلا۔ پھر میں سنبھال لوں گا۔

معاویہ نے بے شمار انعامات بھجوائے۔ شام آنے کی درخواست کی دولت کی چکا چوند دیکھ کر وہ آپ میں نہ رہا۔ اور شام آ گیا۔ فوراً شرف باریابی ملا دربار میں بیٹھنے کے بعد عمرو عاص نے پوچھا:

کیا تیری بیوی بھی ہے؟

اس نے کہا:

ہاں میں شادی شدہ ہوں اور بیوی ہے۔

عمرو نے سر پیٹ لیا۔

اس نے پوچھا۔

کیا بات ہے۔

عمرو نے کہا۔
معاویہ تجھے اپنی بیٹی رملہ کا رشتہ دینا چاہتا تھا۔
اس نے کہا۔ اب کیا ہوگا۔
عمرو نے کہا۔ اگر معاویہ تجھ سے بیوی کا پوچھے تو کہہ دینا کہ میری بیوی نہیں ہے۔
اس نے کہا ٹھیک ہے۔
کچھ دیر بعد معاویہ نے احوال پرسی کی۔ اور اسی دوران معاویہ نے پوچھا۔
کیا تیری بیوی ہے۔
اس نے کہا نہیں ہے۔
معاویہ نے کہا۔
اگر ہو تو وہ مطلقہ بائنہ ہوگی
اس نے کہا۔ ہاں۔
معاویہ نے کاتب سے کہا۔ یہ لکھ لے۔
کاتب نے طلاق لکھ لی۔
پھر معاویہ نے ابوہریرہ کو اس عورت کے پاس بھیجا کہ جا کر اسے ایک تو اطلاع دے کہ تجھے تیرے شوہر نے طلاق دے دی ہے۔ اور دوسرے یزید کے لیے خواستگاری کر۔ ساتھ ہی معاویہ نے کافی سے زیادہ تحائف بھی دیئے ابوہریرہ تحائف لے کر مدینہ آیا۔
اس نے پہلے عبداللہ ابن عمر سلام علیک سلیک کے بعد اسے تمام واقعہ

سنایا۔ عبداللہ نے کہا۔

یزید کے ساتھ میرا تذکرہ بھی کردینا۔

دوسرے نمبر پر عبداللہ ابن زبیر ملا۔ اس نے بھی ابوہریرہ سے اپنا نام پیش کرنے کو کہا۔

تیسرے نمبر پر امام حسینؓ ملے انہوں نے بھی اپنا نام فہرست میں شامل کرادیا۔

ابوہریرہ اس عورت کے پاس پہنچا اسے تمام حالات بتائے۔ پھر بتایا کہ یزید کے علاوہ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن زبیر۔ اور امام حسین بھی خواہشگار ہیں۔

عورت نے کہا۔

آپ مشورہ دیں میں ان میں سے کسے منتخب کروں۔

ابوہریرہ نے کہا۔

اگر ایسی جگہ جانا چاہتی ہے جہاں صرف دولت ہی دولت ہو دین کا نام نہ ہو تو یزید سے شادی کرلے۔

اگر۔ ایسی جگہ جانا چاہتی ہے جہاں صرف دین ہی دین ہو دنیا نہ ہو تو امام حسینؓ سے شادی کرلے۔

اگر ایسی جگہ جانا چاہتی ہے جہاں نہ دین ہو دنیا تو کسی اور کو منتخب کرلے۔

عورت نے کہا۔

دنیا جیسے تیسے گزر جائے گی۔ دین اچھا ہے لہٰذا میں امام حسینؓ کو منتخب

کرتی ہوں۔

چنانچہ ابوہریرہؓ اسی رقم کے حق مہر پر جو شام سے معاویہ کی طرف سے لایا تھا۔

امام حسینؑ سے عقد پڑھ دیا۔

کچھ عرصہ انتظار کے بعد اس شوہر نے عمرو عاص سے کہا کہ میں اپنی پہلی بیوی چھوڑ بیٹھا ہوں اور معاویہ ابھی تک اپنی بیٹی نہیں دے رہا۔

تو عمرو عاص نے مسکرا کے کہا۔

بندہ خدا! معاویہ کہتا ہے جب تو نے میری بیٹی کی خاطر اتنی حسینہ کو طلاق دے دی ہے تو کل اگر تجھے میری بیٹی سے بھی اچھی عورت مل جائے تو تو میری بیٹی کو بھی طلاق دے دے گا۔ ایسے بے اعتماد آدمی سے میں رشتہ نہیں کرتا۔

اب یہ روتا دھوتا واپس مدینہ آیا۔ بُرا حال تھا۔ امام حسینؑ سے بھی ملاقات ہوئی۔

آپ نے پوچھا۔

یہ کیا شکل بنا رکھی ہے۔

اس نے عرض کیا۔

دھوکا میں مارا گیا ہوں۔

آپ نے مسکرا کے پوچھا کیا بیوی کے لیے پریشان ہے؟

اس نے کہا۔

ہاں۔

آپ نے اسے بٹھایا۔ کھانا کھلایا۔

پھر اس عورت کو بلایا۔ اور فرمایا۔

جب سے تو میرے عقد میں آئی ہے میں نے تجھے ہاتھ تو نہیں لگایا؟

عورت نے کہا۔ نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تجھے موقع مل جاتے تو اپنے اس سابقہ شوہر سے شادی کرے گی۔

عورت نے کہا۔ ہاں کرلوں گی۔

آپ نے فرمایا۔

تو پھر اس وقت سے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ عدت گزارنے کے بعد اس سے شادی کرلینا۔

جب ابو ہریرہ واپس شام گیا۔ اور اس نے معاویہ کو واقعہ سنایا تو۔

معاویہ نے کہا۔

بندہ خدا! ہمارے پیسے سے لوگوں کی شادیاں کراتا پھرتا ہے۔ میں نے تجھے کس لیے بھیجا تھا اور تو کیا کر کے آیا ہے؟

ابو ہریرہ نے کہا۔

جہاں تک مال کا تعلق ہے تو وہ تجھے وراثت میں ابا جان سے نہیں ملا تھا۔ امت مسلمہ کا مال ہے۔ اس مال سے اگر تیرا بیٹا یزید شادی کرسکتا ہے تو فرزند رسول کیوں نہیں کرسکتا۔

جہاں تک عورت کا تعلق ہے اگر وہ تیرے بیٹے کو قبول کرلیتی تو میں زبردستی فرزند رسول سے نکاح نہیں کرسکتا تھا۔

یہ ہے واقعہ۔ اس واقعہ میں اگرچہ معاویہ اور عمر و عاص کی طرف سے فریب دیا گیا ہے۔ لیکن یہ ایسا فریب نہیں ہے جسے چھپانے کی ضرورت ہو کیونکہ اصل کمزوری تو اس عورت کے شوہر میں تھی اگر وہ معاویہ کی دامادی کا لالچ نہ کرتا تو معاویہ یا عمر و عاص اسے مجبور تو نہیں کر سکتے تھے۔

چونکہ یہ واقعہ واقعہ کربلا کے بعد بعض سیاسی مصالح کے پیش نظر گھڑا گیا ہے۔ اس لیے واقعہ کربلا میں اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ یہ تو صرف یزید کے دستر خوان پر پلنے والوں نے یزید کی طرف داری میں نواسہ رسول کو متہم کرنے اور خون حسین کے زور کو کم کرنے کی خاطر بنایا گیا ہے۔

اصل سبب عداوت:۔

جو سبب عداوت خود امام حسینؑ نے بتایا ہے اصل سبب عداوت ہے اور تاریخ بھی اسی سبب کی مؤید ہے۔

وہ سبب عداوت اس واقعہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

مروان جب معاویہ کی طرف سے مدینہ میں گورنر تھا۔ تو معاویہ نے مروان کو لکھا کہ۔

یزید کے لیے عبداللہ ابن جعفر طیار کی بیٹی کلثوم کا رشتہ مانگ۔

مروان نے جناب عبداللہ سے معاویہ کی خواہش کا تذکرہ کیا۔

جناب عبداللہ نے فرمایا۔

تجھے معلوم ہے کہ کلثوم جناب امیر کی نواسی اور امام حسینؑ کی بھانجی ہے۔

ہمارے خاندان کا بزرگ امام حسینؑ ہے۔ میں ان معاملات میں نہیں پڑتا۔
اس سلسلہ میں جو بات بھی کرنا ہو امام حسینؑ سے کر۔
مروان مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ امام حسینؑ بھی تشریف فرما تھے۔ کچھ اور معززین بھی بیٹھے تھے۔
مروان نے امام حسینؑ سے کہا۔ معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں عبداللہ ابن جعفر سے اس کی لڑکی کا رشتہ یزید کے لیے مانگوں۔ جناب عبداللہ نے آپ سے بات کرنے کو کہا ہے۔
آپ جس قدر مہر مقرر کریں۔ مجھے قبول کرنے کا اختیار ہے۔
معاویہ نے عبداللہ ابن جعفر طیار کے تمام قرضہ جات ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔
اگر یہ رشتہ ہو جائے تو ہماری باہمی صلح بھی ہو سکتی ہے۔
یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آج کل اہل بیت پر رشک کرنے والے کم ہیں اور یزید پر رشک کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔
آپ یہ تو جانتے ہیں کہ یزید ان افراد سے ہے جن سے مہر مانگنا باعث عیب ہے۔
آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یزید جیسا کفو ملنا مشکل ہے۔
آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید کا واسطہ دے کر بادلوں سے بارش بھی مانگی جا سکتی ہے۔
امام حسینؑ نے فرمایا۔ مروان تو نے اپنی باتیں کر لی ہیں۔ اور ہم نے سن لی ہیں اب میں بات کرتا ہوں تو سن۔

تیرا حق مہر کے متعلق یہ کہنا کہ ہم جتنا مانگیں تو ادا کرے گا۔ تجھے یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری بیٹیاں مہر سنت سے ایک پائی بھی زیادہ نہیں لیتیں اور وہ چار سو اسی درہم ہے۔

تیرا یہ کہنا ہے کہ معاویہ عبداللہ کے تمام قرض ادا کردے گا بھلا آج تک تو نے کبھی دیکھا ہے کہ ہماری بیٹیوں نے ہمارے قرض ادا کیے ہوں یا ہم نے اپنی بیٹیوں کو اپنے قرضوں کے عوض فروخت کیا ہو۔ وہ اور لوگ ہیں جو اپنی بیٹیاں قرضوں میں دیتے ہیں۔

جہاں تک تیرا یہ کہنا ہے کہ باہمی صلح ہو جائے گی تو یہ اس لیے درست نہیں کہ ہماری اور تمہاری باہمی جنگ دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کیلئے ہے اور دین میں لڑائی کے سلسلہ میں جب نسب کام نہیں آتے تو یہ عارضی رشتے کب فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔

تیرا یہ کہنا کہ یزید ان افراد سے ہے جن مہر کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تو تجھے معلوم ہو گا کہ مہر کا مطالبہ اس ہستی نے بھی کیا تھا جو یزید سے یزید کے باپ سے اور یزید کے دادا سے بدرجہا اشرف و اعلیٰ تھی۔

تیرا یہ کہنا کہ یزید جیسا کفو ملنا مشکل ہے۔ شاید تو یہ بات بھول گیا ہے کہ یزید کا کفو آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ دولت اور حکومت سے کفو نہیں بدل جاتے۔

تیرا یہ کہنا کہ۔ یزید کے واسطہ سے بارش مانگی جاتی ہے۔ سراسر بے ہودگی ہے۔ کیونکہ جس چہرہ کا واسطہ دے کر بارش مانگی جاتی ہے وہ صرف اور صرف ایک چہرہ تھا جو رسول اللہ کا تھا۔

تیرا یہ کہنا کہ آج کل اہل بیت کی نسبت یزید سے رشک کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو تجھے معلوم ہوگا کہ یزید پر رشک کرتے والے ہمیشہ جاہل اور بے دین رہے ہیں جب کہ ہم اہل بیت پر رشک کرنے والے ہمیشہ اہل عقل و خرد رہے ہیں

اس کے بعد آپ نے اسی محفل میں جناب کلثوم کا عقد جناب قاسم ابن محمد ابن جعفر طیار سے کر دیا۔ اور مدینہ میں اپنی جائیداد سے کچھ حصہ دونوں بچوں کے نام کر دیا۔

یہ ہے سبب عداوت جو امام حسینؑ نے بتایا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مابین اگر عداوت ہے تو وہ صرف اور صرف دین کی وجہ سے ہے۔ علاوہ ازیں نہ تو کوئی خاندانی دشمنی ہے اور نہ ہی نسبی عداوت ہے۔

علاوہ ازیں جتنی تمام باتیں ہیں وہ صرف اموی ٹکڑوں پر پلنے والوں کی خانہ ساز ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ حیثیت۔

ابوسفیان نے سرورِ کونین کے خلاف اسلام کی بدولت علم بغاوت بلند کیا تھا۔

معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف اسلام کی بدولت علم بغاوت بلند کیا تھا۔

یزید نے صرف اور صرف اسلام کی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا تھا۔

اسیران آلِ محمد شام میں

یزید کو اطلاع :-

جب یزیدی لشکر شام سے بارہ میل کے فاصلے پر پہنچا تو ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ اب ان لوگوں کی کربلا میں کاشت کی برداشت کے جذباتی لمحات قریب تر ہو چکے تھے۔ ان کی جیبیں انعام کی خاطر بے چین تھیں۔

امیر لشکر نے یزید کو اطلاعی عریضہ لکھا جس میں اسے بتایا کہ ہمارے ساتھ ذریت رسول کے سر ہیں۔ اور رسول زادیاں رسن بستہ ہیں ہمیں کس وقت اور کس دروازہ سے گزرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

عریضہ بھیجنے کے بعد یہ لوگ میخواری میں مصروف ہو گئے۔ ہر طرف رقص و سرور کی محفلیں گرم ہو گئیں۔ عید کا سا سماں تھا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق جب قاصد عریضہ لے کر یزید کے پاس آیا اس وقت یہ خبیث بیمار تھا۔ طبیب پہلو میں بیٹھا تھا اور یا شوربہ کرار ہا تھا۔

قاصد نے کہا۔

اللہ نے تیری آنکھیں ٹھنڈی
کر دی ہیں، ہم فرزند رسول کا سر
لاتے ہیں۔

اس نے طبیب سے کہا۔

اپنا کام جلدی ختم کر۔

طبیب نے اپنا حکمت دان سمیٹا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد یزید نے ابن زیاد کا مکتوب پڑھا۔ اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تعجب ہے ابن زیاد نے فرزند رسول کو شہید کر دیا ہے۔

نوٹ:۔

بعض مورخین نے یزید کے اس جملہ سے یہ سمجھا ہے کہ یزید کو اس وقت تک قتل اولادِ رسول کا علم نہ تھا۔ حالانکہ۔

یہ قطعی غلط ہے۔ اس خبیث کو سب کچھ معلوم تھا۔ کیونکہ ابن زیاد نے تیرہ محرم کو قاصد بھیج کر اسے اطلاع بھی دی تھی۔ اور مزید ہدایات بھی طلب کی تھیں۔ اور یزید نے اسے لکھا تھا کہ۔ اولادِ رسول کے بریدہ سر اور رسن بستہ زہرا دیاں شام روانہ کر دے۔ ابن زیاد نے یہ سب کچھ اسی کے حکم سے کیا تھا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ جب اسے واقعہ کربلا کے بعد فوراً جب ابن زیاد نے مطلع کیا تھا تو یزید نے اس واقعہ کا اظہار کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر نہیں کیا تھا اور اہل دربار و اہل شام میں سے کسی کو نہ بتایا تھا۔ اب جو قافلہ

اسیران آل محمدؐ کے پہنچ جانے کی اطلاع موصول ہوئی تو اس نے ازراہ تعجب یہ جملہ کہا اور اہل دربار کے سامنے شہادت فرزند رسول کی لعنت کو صرف ابن زیاد کی گردن میں ڈالنا چاہا۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں اس واقعہ سے قبل ازیں قطعاً لاعلم تھا۔

یزید نے اس وقت پورا ڈرامہ کھیلا خط پڑھنے کے بعد مذکورہ جملہ کہا۔ اور پھر خط ایک درباری کے حوالہ کر دیا۔

حالانکہ جب اسے پہلی مرتبہ شہادت فرزند رسول کی اطلاع ملی تھی تو اس نے شام اور اطراف شام کے کاری گر زرگروں کو بلا کر اپنے لیے ایک مثالی تخت اور تاج بنانے کا حکم دیا۔

اور جب اسیران آل محمدؐ کا قافلہ شام آیا تو اس نے وہی تخت لگانے کا حکم دیا۔ اور وہی نیا تاج سر پہ رکھا۔

پھر اس نے تمام شہر میں منادی کرائی کہ شام کو دلہن کی طرح آراستہ کیا جائے۔ تمام سرداران قبائل شیوخ محلہ اور سربراہان بلدیہ کو صفائی کا حکم دیا۔ دیواروں پہ قلعی کی جائے۔ چھتوں پر شمعیں اویزاں کی جائیں۔ دروازوں پر خوبصورت پردے لٹکائے جائیں۔ ہر چوک پر محراب بنائے جائیں۔ فضا کو معطر کیا جائے۔ گلی کوچوں میں گلاب پاشی کی جائے۔ محلات کو آراستہ کیا جائے۔ بازار سجائے جائیں۔ گھروں کی زیبائش کی جائے۔ گڑھوں کو پر کیا جائے۔ ڈھیروں کو ہموار کیا جائے۔

تمام اہل شہر کو حکم ملا عید کے لباس پہنیں۔ خوشی منائیں۔ خورد و کلاں ۔

پیر و جوان۔ امیر و فقیر۔ صغیر و کبیر۔ مرد و زن۔ آقا و غلام۔ جتنا ہو سکتا ہے اپنے کو مزین کریں۔ آج کوئی عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے۔ آج کوئی حرام محمد حرام نہیں۔ جو کریں جائز ہے کسی سے کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ ہر گھر کے صحن میں۔ ہر مکان کی چھت پر۔ ہر گلی میں۔ ہر موڑ پر۔ ہر چوک پر۔ اور ہر دکان کے سامنے ڈھول بجائے جائیں۔ گانے گاتے جائیں۔ طبلہ و سارنگی سے فضا گونجتی رہے۔

تین دن ان انتظامات میں صرف ہوتے اور یہ تین دن ذریت نبی کی رسن بستہ مستورات نے دمشق سے باہر انتظار میں گزارے۔

چوتھے دن اسیران آل محمد کو دربار میں لانے کا حکم ملا۔ منادی جگہ جگہ اعلان کر رہے تھے کہ۔

اہل حجاز سے ایک شخص نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور حجاز سے عراق کی طرف چلا گیا تھا۔

یزید کے عراقی گورنر نے اس باغی کو قتل کیا ہے اور اب اس باغی کے اہل خاندان رسن بستہ دمشق میں لاتے جا رہے ہیں۔ جو شخص بھی ہم بنی امیہ کے محب اور ہمارے دشمن کا دشمن ہے۔

جسے ہماری فتح کی خوشی ہے وہ ہر لحاظ سے اظہار مسرت کرے اور ہمارے ساتھ ہمارے جشن میں شرکت کرے۔

اس منادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گلی کوچہ میں رقص شروع ہو گیا۔ ہر طرف گانے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ چار سو ڈھول بجنے لگے۔

ایک سو بیس جھنڈے بنائے گئے۔ ہر جھنڈے تلے پانچ پانچ ہزار تماشائی کو جمع کر کے استقبال اسیران آل محمد کی خاطر روانہ کیا گیا۔

یہ بدھ کا دن تھا۔ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ تھی۔

جناب سجاد فرمایا کرتے تھے کہ اہل شام کے اس استقبال سے مجھے کربلا کے تمام واقعات بھول گئے تھے۔ مجھے اور نبی زادیوں کو ایک رسی میں باندھا گیا تھا ہمارے ارد گرد نیزہ برداروں کا گروہ تھا اگر ہم میں سے کسی کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکتا تھا تو پشت پر نیزوں سے خون کے فوارے ابل پڑتے تھے۔

بیرون دمشق سے اسیران آل محمد آئے۔ اندرون دمشق سے استقبال کرنے والے آئے جب یہ دونوں باہم ملے تو منادی نے ندا کی۔

یا اھل الشام انظروا	شامیو! دیکھو یہ ملعون کے
الی اھل بیت الملعون۔	اہل بیت ہیں۔

دونوں لشکروں کے سالار گلے ملے۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

جناب ام کلثوم زینب نے شمر سے فرمایا۔

تجھے معلوم ہے ہم نبی زادیاں ہیں؟

شمر نے کہا۔ میں جانتا ہوں تم محمدؐ کی اولاد ہو۔

بی بی نے فرمایا۔

اگر ہمیں نبی زادیاں نہیں سمجھتا تو تیری مرضی پر ہم انسان تو ہیں اور تجھے معلوم ہے کہ ہم رسن بستہ ہیں۔

شمر نے کہا۔ مجھے کیوں بتا رہی ہو۔ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ تم رسن بستہ ہو۔

بی بی نے فرمایا۔ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب کسی مجبور کی ضرورت بھی پوری کی جاتی ہے۔

شمر نے کہا۔ ہاں کی جاتی ہے۔ بتاؤ اگر کوئی ضرورت ہے اور میرے بس میں ہوا تو میں ضرور پوری کروں گا۔

بی بی نے فرمایا۔

اگر مہربانی کر سکے تو تین کام کر دے۔

شمر نے کہا۔ کون سے تین کام؟

بی بی نے فرمایا۔

پہلا کام تو یہ ہے کہ ہمیں ایک ٹکڑا کپڑے کا دے دو تاکہ ہم اپنے بال چھپالیں۔

شمر نے کہا۔ یہ نہیں ہوگا۔

بی بی نے فرمایا۔

اگر یہ نہیں ہوسکتا تو ایسا کر ہمیں کسی ایسے کوچہ سے لے جاؤ جس میں تماشائی کم ہوں۔

شمر نے کہا۔ اس وقت دمشق کا نہ کوئی کوچہ ایسا ہے اور نہ کوئی گلی جس میں تماشائیوں کی تعداد کم ہو۔ ایک ہفتہ ہو رہا ہے لوگوں کو صرف تمہارے استقبال کی خاطر بیرون دمشق سے بلایا جا رہا ہے۔ ابھی تک تو تمام لوگ جمع بھی نہیں ہوتے۔

بی بی نے فرمایا۔

پھر ایسا کرو ان سروں کو ہمارے درمیان سے باہر لے جاؤ تاکہ لوگ سروں کی طرف دیکھیں اور ہماری طرف متوجہ نہ ہوں۔

شمر نے کہا۔ اگر ایسا کرنا ہوتا تو یہ اہتمام کیوں کیا جاتا۔ تین دن تم لوگوں کو

باہر کیوں بٹھایا جاتا۔ تو میل کا سفر پیدل کیوں کرایا جاتا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہے کہ لوگ تمہارا استقبال کریں۔

سہل ابن سعد کا واقعہ :-

سہل ابن سعد شہرزوری کتاب ہے کہ میں بیت المقدس کی زیارت کے ارادہ سے شہرزور سے نکلا میری بدقسمتی تھی کہ یہ وہی دن تھے جب اسیران آل محمد شام آتے ہوئے تھے۔ ہوتے اتفاق یہ ہوا کہ جس دن میں دمشق میں آیا اسی دن اسیران آل محمدؑ کو داخل شہر کیا جا رہا تھا۔ میں نے جب عید کا یہ سماں دیکھا تو پوچھا کہ۔

اسلام میں آج کون سی عید ہے؟

لوگوں نے کہا۔

کیا تو مسافر ہے؟

میں نے کہا۔ اگر مسافر نہ ہوتا تو کیوں پوچھتا۔

انہوں نے کہا۔

ایک خارجی نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔ اللہ نے اپنے فضل سے یزید کو فتح عنایت کی ہے۔ آج اس کے اہل بیت دربار میں پیش کیے جا رہے ہیں اور یہ جشن فتح منایا جا رہا ہے۔

میں نے پوچھا۔ کیا نام تھا اس خارجی کا؟

انہوں نے بتایا۔

حسین ابن علی ابن ابی طالب۔

میں نے پوچھا کیا حسینؑ ابن فاطمہ بنت محمدؐ۔
انہوں نے کہا۔
ہاں ہاں وہی ہے۔
میں نے کہا۔
ظالمو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک تو فرزند رسول کو شہید کیا، دوسرا نبی زادیوں کو قید کیا اور تیسرا تم اسے خارجی بھی کہتے ہو۔
انہوں نے کہا اگر جان کی خیر چاہتا ہے تو حسینؑ کا نام نہ لے ورنہ مارا جائے گا۔
یہ سنکر میں خاموشی سے رونے لگا۔
پھر میں نے پوچھا۔ اسیران آل محمد کو کس دروازہ سے لایا جائے گا، مجھے بتایا گیا کہ۔
باب الساعات سے داخل شہر کیے جا رہے ہیں۔
میں باب الساعات کی طرف بڑھا۔ میں نے دیکھا نیزوں پر مختلف سن و سال کے سر معلق ہیں۔
فرزند رسول کا سر سب سے آگے ہے سر مبارک سے نور کی کرن پھوٹ کر تا آسمان بلند ہو رہی ہے۔ اور ان اصحاب الکہف والرقیم کا نوا من آیا تنا عجب کی تلاوت کر رہا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ جوں جوں سر قریب آتا جا رہا تھا۔ شامیوں کی مسرت بڑھتی جا رہی تھی۔ کوئی تالی بجاتا۔ کوئی ناچنے لگتا کوئی گا نا گاتا کوئی فتح کے گیت الاپتا۔
یوں تو میں نے تمام سر دیکھے اور مجھے سر مسکراتا ہوا نظر آیا۔ مگر جو عظمت

اور جلالت فرزند رسول کے سر میں تھی وہ کسی اور سر میں نہ تھی۔ عمر ابن منذر ہمدانی کے ہاتھ میں سر مظلوم کا نیزہ تھا۔

کامل البھیقہ کے مطابق سہل کہتا ہے کہ سر فرزند زہراؑ کو بلند ترین نیزے پر سوار کیا گیا تھا۔ آپ کی ریش مبارک گول تھی بالوں کی جڑیں سفید تھیں جن سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ آپ خضاب لگایا کرتے تھے۔ آپ کی نگاہیں سوئے آسمان تھیں۔

ہوا ریش مبارک کے بوسے لے رہی تھی کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہل رہی تھی۔ آپ کا چہرہ مبارک بالکل روئے امیر المومنینؑ کی طرح نظر آتا تھا۔

منتخب کے مطابق سہل کہتا ہے کہ میں سر مظلوم دیکھ کر بے اختیار ہو گیا۔ میں نے منہ پر طمانچے مارے۔ گریبان چاک کر ڈالا۔

اور یوں نوحہ خوانی کرنے لگا۔

واحزناه علی الابدان السیسة النازحة عن الاوطان. المدفونة بلا اکفان۔	ہائے فریاد! ان جسموں پر جنہیں وطن سے اور بے لباس رکھا گیا۔ اور بلا کفن دفن کیا گیا۔
واحزناه علی الخدا التریب و الشیب الخضیب۔	ہائے فریاد! ان رخساروں پر جنہیں خاک و خون میں غلطاں کیا گیا اور اس ریش مبارک پر جسے خون سے خضاب کیا گیا۔
یارسول الله لیتك	اے رسول کونین! کاش آج

عینیك تری راس الحسینؑ فی دمشق یطاف به فی الاسواق۔	آپ کی آنکھیں آپ کے حسین بیٹے کے سر کو دیکھتیں جسے دمشق کے گلی کوچوں میں پھرایا جا رہا ہے۔

اے رسول خدا! کاش آج آپ اپنی بیٹیوں کو رسن بستہ بازار شام میں دیکھتے۔

میرے اردگرد کے لوگ بھی رونے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ رش اور شوروغل اس قدر زیادہ تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ دمشق کی واضح اکثریت راگ ورنگ میں اس طرح محو تھی کہ انہیں اپنے اردگرد کسی رونے والے کا خیال بھی نہ تھا۔

ہم چند آدمی رو رہے تھے کہ اتنے میں بے پالان کے اونٹوں پر کچھ مستورات آئیں۔ ان کے سروں پر چادریں نہیں تھیں۔ انہوں نے اپنے چہروں کا پردہ بالوں سے بنایا ہوا تھا۔ ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مستور یوں بین کر رہی تھی۔

واہ محمداہ - و احسناہ - واحسیناہ لو نا یتم ما حل بنا من الاعداء۔	ہائے محمدؐ! ہائے علیؑ ہائے حسنؑ۔ ہائے حسینؑ کاش آپ دیکھتے کہ آج دشمنانِ اسلام نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔
یارسول اللہ انباتك	نانا رسولؐ! ایسے معلوم ہوتا

كانهن الاسارى	ہے جیسے ہم آپ کی بیٹیاں
من اليهود و	نہیں بازار شام میں یہود و نصاریٰ
النصارى۔	کے قیدی ہیں۔

یہی مستور کبھی شیر خوار کا نام لے کر بین کرتی تھی۔ کبھی سن رسیدہ بھائی کے نام سے بین کرتی تھی۔ کبھی پس گردن ذبح ہونے کا تذکرہ کرتی تھی اور کبھی تاراجی خیام کا ذکر کرتی تھی۔

میں اس اونٹ کے قریب گیا اور جا کر عرض کیا۔

السلام عليكم يا أهل بيت محمد و رحمة الله و بركاته۔

اس مخدرہ نے فرمایا۔

بندۂ خدا تو کون ہے؟ جو ہمیں بازار شام میں سلام کر رہا ہے۔ کربلا سے لے کر یہاں تک تو ہمیں کسی نے سلام کے قابل نہیں سمجھا؟

میں نے عرض کیا۔ میں سہل ہوں۔ میرا گھر شہر زور میں ہے۔ بیت المقدس کی زیارت کو جا رہا تھا۔ بدقسمتی آج اس شہر میں لائی ہے۔ میں نے تمام واقعات سن لیے ہیں۔

کہیں آپ دختر زہرا تو نہیں ہیں؟

بی بی نے فرمایا۔

ہوں تو دختر زہرا۔ لیکن تجھے کیسے پتہ چلا ہے۔

میں نے عرض کیا۔

بی بی! مدینہ میں تو آپ کا پردہ اس قدر معروف تھا کہ آپ کے پڑوسیوں نے بھی کبھی آپ کی آواز نہیں سنی تھی۔ میں بازار میں ذرا دور ہٹ کے کھڑا آپ کی

غربت پر رو رہا تھا۔
ساتھ شامی مردوں اور چھتوں پر چڑھی ہوئی عورتوں کی بے شرمی دیکھ رہا تھا ایک شامی عورت آپ کی طرف پتھر پھینک کر دوسری کو بتا رہی تھی کہ اس اونٹ پر بانی کی بڑی بہن ہے اسے زیادہ سے زیادہ پتھر مارو۔

بی بی نے فرمایا۔
اے سہل تو دیکھ رہا ہے کہ میرے نانا کی امت ہم سے کیا سلوک کر رہی ہے بخدا! اگر ہم ایسے زمانہ میں ہوتے جس زمانہ والوں نے ہمارے نانا کو نہ دیکھا ہوتا تو وہ بھی ہم سے ایسا سلوک ہرگز نہ کرتے۔
بخدا! میرا حسینؑ بھائی مظلومیت کے ساتھ شہید کیا گیا ہے اور ہمیں اس طرح قید کیا گیا ہے جس طرح غلاموں اور کنیزوں کو قید کیا جاتا ہے ہمارے سروں سے چادریں چھین لی گئی ہیں۔ اور ہمیں بے پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے کربلا سے شام لایا گیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔
بی بی! اگر میرے لیے کوئی حکم ہو تو میں حاضر ہوں۔

بی بی نے فرمایا۔
سہل اگر ہو سکتا ہے تو ان نیزہ برداروں سے سفارش کر دو تا کہ سروں کو اونٹوں سے آگے لے جائیں تا کہ دیکھنے والے میرے بھائی کی تلاوت قرآن میں مصروف ہو جائیں اور ہمارا پردہ محفوظ رہ جائے۔
میں اس شخص کے پاس گیا۔ اس سے درخواست کی۔ لیکن اس نے مجھے جھڑک دیا۔

میرے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہ تھا۔ میرا ایک عیسائی ساتھی تھا وہ بھی بیت المقدس کی زیارت کو جا رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر اور سر شبیر سے تلاوت قرآن سنکر اس کا آئینہ دل زنگ کفر سے صاف ہو گیا۔ اس نے تلوار کو میان سے نکالا اور اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔ کہہ کر اس مجمع پر پل پڑا۔ کئی ایک کو فی النار و السقر کیا۔ ادھر یزیدی فوج جمع ہو گئی اور اسے شہید کر ڈالا۔

بنت زہرا نے پوچھا۔
یہ کیسا شور ہے؟
میں نے عرض کیا۔
بی بی۔ میں تنہا تھا۔ میرے ایک نصرانی ساتھی کے پاس تلوار تھی۔ اللہ نے اس کے دل میں نور ایمان پیدا کیا۔ وہی آپ کی مظلومی پر لڑ رہا تھا۔ اور شہید ہو گیا۔

یہ سنتے ہی دختر زہرا کی صدائے گریہ بلند ہوئی اور مدینہ رخ ہو کر عرض کیا کہ۔

نانا تیری ذریت آج بازار شام میں اتنی مظلوم ہو چکی ہے کہ غیر مسلم ہماری مظلومیت پر ترس کھا رہے ہیں۔ لیکن آپ کی امت کے دل میں جیسے ہمارے لیے ترس کا ہر جذبہ فنا ہو گیا ہے۔

اے ماں زہرا! کاش آپ ہمیں بے مقنع چادر بازار شام میں دیکھتیں

علامہ مجلسی نے سہل کا یہی واقعہ قدرے اختلاف سے درج کیا ہے۔
سہل کہتا ہے کہ میں شہر زور سے بیت المقدس جا رہا تھا ۱۶ ربیع الاول

کا دن تھا۔ جب میں بازارِ شام میں آیا تو مجھے نیا رنگ نظر آیا۔ عید کا سماں تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دے رہے تھے۔ ہر شخص نے نیا لباس پہن رکھا تھا بازار سجے ہوتے تھے۔ ہر چوک پر محرابیں بنی ہوتی تھیں۔ ان پر قیمتی کپڑے آویزاں کیے گئے تھے۔ اور ہر چوک پر طوائف کا ایک ٹولہ مجمع لگا کر مصروف رقص و سرود تھا۔

میں نے دل میں کہا اسلام کی کوئی عید ایسی نہیں جسے ہم نہ جانتے ہوں آج کون سی عید ہو گی۔

ایک جگہ تین چار آدمی انتہائی سنجیدہ شکل بنائے کھڑے تھے۔ میں ان کے قریب آیا۔ اور ان سے پوچھا۔

آج اہلِ شام کی کون سی عید ہے؟

انہوں نے کہا۔

کیا تو مسافر ہے؟

میں نے کہا۔

اگر مسافر نہ ہوتا تو آپ لوگوں سے کیوں پوچھتا؟

وہ کہنے لگے۔

ہم سوچ رہیں ہیں کہ آج آسمان زمین پر گر کیوں نہیں جاتا۔ آج زمین اپنے باسیوں کو نگل کیوں نہیں جاتی۔

میں نے کہا۔

کچھ تو مجھے بھی بتاؤ بات کیا ہے۔ کچھ لوگ تو خوشی سے پھولے بھی نہیں سماتے اور آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔

وہ کہنے لگا۔ فرزندِ رسولؐ حسینؑ ابن فاطمہؑ کا سر عراق سے لا کر یزید کو تحفہ پیش کیا جا رہا ہے آج اس لیے جشن ہے۔

میں نے حیرت سے کہا، کیا حسینؑ ابن فاطمہؑ کے قتل کی خوشی ہو رہی ہے وہ کہنے لگے۔

اگر اعتبار نہ ہو تو ذرا سی دیر کے لیے رک جا اسی دروازہ سے سر حسینؑ اور ذریت رسولؐ کی رسن بستہ مخدرات کو لایا جائے گا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اعتبار کر لینا۔

ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ بے پالان کے اونٹوں پر قیدی آنا شروع ہوگئے۔ ہر اونٹ کے ساتھ ایک نیزہ بردار تھا اور نیزہ پر ایک شہید کا سر تھا۔

سب سے اگلے اونٹ پر میں نے ایک مستور کو دیکھا جس کی گود میں چار سال کے لگ بھگ کمسن بچی تھی۔ مستور کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ اس بی بی نے بچی کو کیسے سنبھال رکھا تھا۔ جب شامی مستورات چھت سے سنگ باری کرتی تھیں تو مستور اپنے کو بچی کی ڈھال بنا لیتی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر بچی سے پوچھا۔

بی بی آپ کہاں کے قیدی ہیں؟

بچی نے جواب دیا۔ ہم آلِ محمدؐ کے قیدی ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ میں آپ کے نانا رسولؐ کے صحابہ سے ہوں۔ اگر کوئی کام ہو تو بتائیں۔

بچی نے کہا، اگر ہو سکے تو ان سر ہائے شہداء اٹھانے والوں سے کہہ دیں کہ

سروں کو ذرا اونٹوں سے دور لے جائے۔

میں نیزہ بردار کے پاس گیا اور اسے جا کر چار سو دینار دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ سروں کو اونٹوں سے آگے لے جائے

میں نے پھر آ کر اس بچی سے پوچھا۔ بی بی اگر کوئی کام ہو تو بتا دیں ممکن ہے اس عالم غربت میں آپ کی مدد سے میری آخرت اچھی ہو جائے۔

کمسن بچی نے فرمایا۔ اگر ہو سکے تو کچھ چادر کے ٹکڑے لا دے تاکہ میری پھوپھیوں اور ماؤں کے بالوں کا پردہ بن جائے میں نے وہیں اپنے عمامہ کے ٹکڑے کیے اور ان مستورات میں تقسیم کر دیے۔ لیکن جونہی یزیدیوں نے دیکھا فوراً آگے بڑھے اور نیزوں کی انیوں سے وہ ٹکڑے اتار لیے۔

باب الساعات:۔

یہ خیال رہے کہ باب الساعات دمشق کے دروازوں میں سے کسی دروازہ کا مخصوص نام نہیں تھا۔ بلکہ اس دروازہ کا پہلا نام باب جیرون تھا۔ اور چونکہ اسیران آل محمد کو اس دروازہ پر کئی گھنٹے صرف اس لیے روکا گیا تھا کہ یزید سے اسیران آل محمدؐ پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ اور یزید اسیران آل محمد کو پیش کرنے کی اجازت میں اس لیے تاخیر کرتا رہا تاکہ دربار اس کی حسب منشا سجایا جا سکے۔

اس دن کے بعد سے اس دروازہ کو باب الساعات ہی کہا جانے لگا۔

اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یزید نے یہ اشعار کہے تھے۔

لما بدت تلك الرؤس واشرقت تلك الرؤس علی ربی جیرون

جب وہ سر ظاہر ہوئے اور جیرون کی بلندی پر آفتاب کی طرح
چمکے تو۔

صاح الغراب فقلت صح او لا تصح فقد قضیت من النبی دیونی۔

موت کے کوے نے چلا کر خبر موت دی میں نے کوے سے کہا
چاہے تو خبر موت دے یا نہ دے اب میں نے نبیؐ سے اپنے قرضے
چکا لیے ہیں۔

یزید کو بشارت

شیخ مفید، ابن نما اور دیگر مورخین کے مطابق عبداللہ ابن ربیع حمیری سے مروی ہے کہ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا جب زجر ابن قیس اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

یزید نے پوچھا۔

کیا خبر لایا ہے؟

زجر نے کہا۔

اے امیر المومنین اللہ کی طرف سے عنایت کردہ فتح و نصرت کی بشارت ہے۔

یزید نے کہا۔

اگر تم حسینؑ کو قتل نہ بھی کرتے تو بھی میرے لیے تمہاری اطاعت کافی تھی۔

اچھا جو ہونا تھا ہو گیا اب سر اور اسیران آل محمدؐ حاضر دربار کرو۔

دربار کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ ریشمی دریاں بچھائی گئی تھیں زنبوری پردے آویزاں تھے۔ منقش چادریں لٹک رہی تھیں، مصری تنائیں جھول رہی تھیں۔ رنگارنگ کپڑے تھے۔

صدر مجلس میں یزید کے لیے ہیرے اور جواہرات سے مرصع سونے کے پایوں والا تخت بچھا تھا۔

تخت یزید کے پاس دائیں بائیں ساگوان اور ہاتھی دانت سے بنائی گئی عمدہ ترین کرسیوں کی قطاریں تھیں۔

دروازہ پر ایک صف باوردی اور مسلح پولیس کی تھی۔

دوسری صف بے ریش غلاموں کی تھی۔

تیسری صف روسائے شام کی تھی۔

چوتھی صف میں بنی عک، بنی جذام، بنی نخم، بنی حمیر اور بنی اشعر کے سرکردہ افراد کی تھی۔

دربار کے سامنے والے دروازہ کو کھلا رکھا گیا تھا۔ اس پر ایک گیلری بنائی گئی تھی جس پر اموی عورتیں اپنے تمام تر بناؤ سنگھار اور کنیزوں کے ساتھ اسیران آل محمد کو دیکھنے کی خاطر بیٹھی تھی۔

شامی اور عثمانی روسا دائیں بائیں کرسیوں پر فاخرہ لباس کے ساتھ مسلح بٹھائے گئے تھے۔

تخت یزید کے عقب میں بیرونی ممالک کے سفرا اور تاجروں کو بٹھایا گیا تھا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق سہل سے مروی ہے دربار یزید میں داخلہ

باب خیزران سے ہوا تھا۔

نناوے علم تھے جن کے پھریرے ہوا میں لہرا رہے تھے سر فرزند رسول کا نیزہ خولی کے ہاتھ میں تھا۔

دوسرے نمبر پر جناب حر کا سر تھا جسے شمر نے اٹھا رکھا تھا۔

تیسرے نمبر پر حضرت عباس کا سر تھا جسے تشم جعفی نے اٹھا رکھا تھا۔ اور

چوتھے نمبر پر جناب عون ابن علیؑ کا سر تھا جو سنان ابن انس کے ہاتھ میں تھا۔

پانچویں نمبر پر شہزادہ علی اکبر کا سر تھا

چھٹے نمبر پر علی اصغر کا نیزہ حرملہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے بعد دوسرے سر بالترتیب لاتے گئے۔

کامل السقیفہ کے مطابق اسیران آل محمد کے قافلہ کو صبح طلوع آفتاب کے وقت دمشق کے دروازہ پر لایا گیا رش اتنا زیادہ تھا کہ بازار عبور کرتے کرتے زوال آفتاب ہو گیا۔ بعض روایات کے مطابق اذان مغرب کا وقت ہو گیا۔

اسیران آل محمد کو دربار یزید میں اس مقام پر کھڑا کیا گیا جہاں قیدیوں کو کھڑا کیا جاتا تھا۔ اسی مقام پر طلحہ ابن عبداللہ کا بیٹا ابراہیم ابن طلحہ جناب سجاد کے قریب آیا اور جنگ جمل میں کھائے ہوئے زخم دکھا کر یہ کہنے لگا۔

بتاؤ آخر فتح کس کی ہوئی ہے!

جناب سجاد نے جواب دیا۔ اگر فاتح کا پتہ کرنا ہو تو ابھی اذان کے وقت مسجد سے اذان سن لینا۔ اس میں میرے نانا کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے یا کسی اور کا۔

تمام مستورات کو اس طرح ایک رسی میں قید کیا گیا تھا کہ ایک مستور کے رکنے سے تمام بیبیوں کو رکنا پڑتا تھا۔

دیلم ابن عمر سے مروی ہے کہ جب جناب سجاد اس مقام پر کھڑے کیے گئے جہاں قیدیوں کو کھڑا کیا جاتا تھا تو ایک شامی سن رسیدہ شخص آپ کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

اس اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے سب و ستم شروع کر دیا۔

جناب سجاد خاموشی سے سنتے رہے۔

جب وہ خاموش ہوا تو۔

امام سجاد نے فرمایا۔

جو کچھ تیرے دل میں تھا تو نے کہہ لیا ہے۔ اور میں نے خاموشی سے تیری ہر بات سنی ہے۔ اب انصاف کا تقاضا ہے کہ آپ بھی خاموشی سے میری ایک دو باتیں سن لیں۔

اس بوڑھے نے کہا۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں

امام سجاد نے فرمایا۔

کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے۔؟

بوڑھے نے کہا۔ ہاں پڑھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔
کیا قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے
قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔
بوڑھے نے کہا ہاں یہ آیت پڑھی ہے۔
آپ نے فرمایا۔
تجھے معلوم ہے ہم کون ہیں؟
بوڑھے نے کہا۔ نہیں معلوم۔
آپ نے فرمایا۔ آیت میں جن قربیٰ کی مودت فرض کی گئی ہے۔ وہی ہم ہیں۔
بوڑھے نے کہا۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ ہی اقربائے رسول ہیں؟
آپ نے فرمایا۔ شام میں موجود کسی بھی جاننے والے سے پوچھ لے۔ ہم اقربائے رسول ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ کیا سورہ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے۔
آت ذا القربیٰ حقہ۔
بوڑھے نے کہا۔ ہاں پڑھی ہے۔
آپ نے فرمایا۔ وہ ذوی القربیٰ ہم ہی ہیں جن کے حق کے بارے میں اللہ نے رسول کو حکم دیا ہے۔
بوڑھے شامی نے کہا۔ کیا واقعی آپ وہی ہیں؟
آپ نے فرمایا۔ ہاں نہ صرف ہم وہی ہیں بلکہ ہمارے سوا کوئی دوسرا یہ دعویٰ کر بھی نہیں سکتا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا آپ نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے۔

اذا غنمتم من شی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ

بوڑھے شامی نے کہا۔ ہاں پڑھی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

ہم وہی ہیں جن کا اللہ نے قرآن میں ذی القربی کے عنوان سے خمس سے حصہ معین کیا ہے۔

آپ نے پھر فرمایا۔

کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اهلبیت ویطھرکم تطھیرا۔

بوڑھے شامی نے کہا۔ ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہم ہی وہ اہل بیت رسول ہیں جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا ہے۔

بوڑھے شامی نے پوچھا۔ کیا آپ واقعی وہی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

ہاں ہم واقعی وہی ہیں۔

اب بوڑھے شامی نے جناب سجاد کے قدموں میں گر کر عرض کیا میرے آقا میں آپ کو نہیں پہچانتا تھا خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیں۔

آپ نے فرمایا۔

میں سمجھتا تھا تو جو کچھ بھی کہہ رہا ہے جہالت کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔ اللہ سے معافی مانگ لے وہ بڑا کریم ہے۔ معاف کر دے گا۔

بوڑھے نے سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا۔ سر سوئے آسمان بلند کیا۔
اور یوں عرض کیا۔

اللھم انی ابرأ الیک من عدو آل محمد۔ اے اللہ! میں دشمن آل محمدؐ سے اعلان برات کرتا ہوں۔

پھر اس نے جناب سجاد کی خدمت میں عرض کی۔

ھل لی من توبہ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟

آپ نے فرمایا۔
ابھی تک تیرا جرم اتنا سنگین نہیں ہے کہ توبہ کی گنجائش نہ ہو۔ اگر خلوص دل سے توبہ کرے تو تو ہمارے ساتھ جنت میں ہوگا۔
اس بوڑھے شامی کی یہ تمام گفتگو یزید کو معلوم ہوئی۔ تو اس نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔
جب بوڑھا یزید کے سامنے آیا۔ تو یزید نے پوچھا میرے قیدی سے کیسی باتیں کر رہا تھا؟
بوڑھے نے تمام باتیں بتا دیں۔ اور کہا۔
اب میں اپنی ہربات سے توبہ کر چکا ہوں۔ اور دشمن آل محمدؐ سے برات کا اعلان کر چکا ہوں۔
یزید نے کہا۔
کیا تو مجھے دشمن آل محمدؐ سمجھتا ہے؟
بوڑھے نے کہا۔ اگر تو دشمن آل محمدؐ نہیں تو پھر بھری دنیا میں کوئی بھی

دشمن آل رسول نہیں۔

یزید نے حکم دیا کہ بوڑھے کی گردن مار دی جائے تا کہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔ اس بوڑھے کو دربار میں شہید کر دیا گیا۔

منتخب کے مطابق جب سرہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ بازار سے گزر رہے تھے۔ تو ایک اسی سالہ بڑھیا پانچ چھ شامی عورتوں کے ساتھ اپنے مکان کی چھت کے شیڈ پر بیٹھی تھی۔ جب اس کے قریب سے سر فرزند رسول گزار تو اس نے ایک پتھر سر مظلوم کو اس زور سے مارا نیزہ بردار بھی نیزہ کو نہ سنبھال سکا نیزہ زمین پر جھک گیا پھر آپ کے لب ہائے مبارک پر اس وقت پڑا جب آپ ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا کی تلاوت فرما رہے تھے۔ پتھر پڑنے سے آپ کے لبہائے مبارک ذرا سی دیر کو رکے جناب سجاد نے سر اٹھا کے بابا کے سر کو دیکھا۔ ہونٹوں سے تازہ خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ادھر شیڈ پر بیٹھی ہوئی وہ بڑھیا خوشی سے تالیاں بجا رہی تھی۔ آپ نے اپنا رخ آسمان کی طرف کیا۔ اور دعا مانگی۔

اللھم عجل فی	اے اللہ ان بدبخت عورتوں
ھلاکھن۔	کو فوراً فی النار فرما۔

آپ کی دعا قبول ہوئی۔ شیڈ گرا اس پر بیٹھی ہوئی تمام عورتیں فرش بازار پر آئیں اور واصل جہنم ہو گئیں۔

مروان ابن حکم بھی دربار یزید میں موجود تھا جب اس نے فرزند رسول کا سر دیکھا تو خوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ لیکن اس کے بھائی عبدالرحمٰن ابن حکم نے جب سر مظلوم سے تلاوت قرآن سنی تو وہ اپنی کرسی سے اٹھا۔ اور کہنے لگا۔

اما انتم فقد جبتم	تم لوگوں نے جد حسینؑ سے اپنا
عن جد ہ رسول	تعلق ہمیشہ کے لیے توڑ لیا ہے
اللہ ۔ لا احا معکم	اب میں کبھی بھی آپ کے ساتھ
ابدا ۔	نہ بیٹھوں گا ۔
سمیۃ امسی نسلہا	حیرت ہے سمیہ کی نسل کو بے شمار
عدد الحصی و	بڑھے گی لیکن رسول زادی کی نسل
بنت رسول اللہ	کو ختم کر دیا گیا ہے غریب کربلا
لیس لہا نسل امام غریب	امام تھا جس نے اپنا سر ابن زیاد
الطف ادنی برأسہ من	کے حوالہ کر دیا اور ابن زیاد ہمیشہ
ابن زیاد وسونی العلم الرذل ۔	ذلیل و رسوا رہے گا ۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆

مجلس

سرہائے شہدأ اور دربار یزید

کامل السقیفہ کے مطابق جب ذریت رسول کا اسیر قافلہ در دربار پہ پہنچا تو یزید نے حکم دیا کہ ابھی قیدیوں کو در دربار پر روکے اور پہلے سر حاضر کیجئے چنانچہ سنہری ٹیکوں سے آراستہ غلاموں کا ایک گروہ باہر آیا۔ جن کے ہاتھوں میں ایک طشت سونے کا اور دوسرے کانسی کے طشت تھے۔ انہوں نے سروں کو نیزوں سے اتارنے کا حکم دیا۔ سر نیزوں سے اتارے گئے سر غریب زہراؑ کو سونے کے طشت میں اور دوسرے سروں کو کانسی کے طشتوں میں رکھ کر اوپر ریشمی رومال ڈالے گئے جونہی یہ غلام دربار میں داخل ہوئے ایک رقاص طائفہ ان کے استقبال کو آگے بڑھا۔ یہ لوگ رقص کرتے۔ تالیاں بجاتے۔ یزید کی عمر طویل کی دعائیں مانگتے اور فتح کے گیت گاتے ہوئے سر برداروں کے آگے آگے چلنے لگے اور یزید کو فتح کی مبارک باد دیتے ہوئے تخت یزید کے سامنے آتے۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق سہل ابن سعد کہتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو کر دربار یزید میں داخل ہوا جو صرف یہ دیکھنے کی خاطر آئے تھے۔ کہ یزید جو

ابن زیاد کو قتل فرزند رسول پر برا بھلا کہہ رہا ہے خود ذریت رسول سے کیا سلوک کرتا ہے۔

یزید کے سامنے سر غریب الزہرا پیش کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ طشت یزید کے سامنے رکھا گیا۔ اور بعض مورخین جن میں علامہ دمیری بھی ہیں نے لکھا ہے کہ شمر طشت بردار کے آگے آگے چل رہا تھا۔ جب تخت یزید کے قریب آیا تو اس نے طشت سے سر مظلوم رسولؐ اٹھا کر یزید کے سامنے تخت پر یوں پھینکا جیسے گیند اچھالی جاتی ہے اور یزید نے دونوں ہاتھوں سے سر فرزند رسول کو بالوں سے پکڑ کر پھر طشت میں رکھ دیا۔

اس وقت شمر نے یہ اشعار پڑھے۔

املأ رکابی فضۃ وذھبا انی قتلت الملک المحجبا

سونے اور چاندی سے مجھے پُر کر دے میں نے عمدہ ترین شہنشاہ کو قتل کیا ہے۔

قتلت خیر الناس اما وابا۔

میں نے ماں اور باپ ہر دو اعتبار سے افضل الناس کو قتل کیا ہے۔

اس کے بعد باری باری دوسرے سر پیش کیے گئے۔ یزید ایک ایک سر کے بارے پوچھتا رہا یہ کس کا سر ہے اور یہ کس کا سر ہے۔ ہر سر بردار اپنے اپنے سر کا تعارف کراتا رہا۔

پھر یزید نے سر مظلوم زہراؑ طشت سے اٹھایا۔

اور یہ اشعار پڑھے ۔

نفلق هاما من رجال اعزة　　علینا وهم کانوا اعق واظلما

ہم ایسے ہی لوگوں کی گردنیں اڑاتے ہیں جو ہمارے لیے معزز ہوں اگرچہ اپنے مقام پر وہ سب سے زیادہ معاف کرنے والے اور بخشش دینے والے ہوں

واکرم عند الله منا محلة　　وافضل فی کل الامور وافخرا

(ایسے لوگوں کی گردن مارتے ہیں) جو اللہ کے ہاں ہماری نسبت زیادہ معزز ہوتے ہیں اور ہر معاملہ میں افضل اور باعث فخر ہوتے ہیں۔

فان تصدقوا فالعدل السقاه آخراً　　اذا صحم ضمن یوم القیامة محشر

اگر تم عدل کی بات کرو تو عدل سے سامنا آخرت میں اس وقت ہوگا جب میدان محشر ہمیں ایک جگہ جمع کرے گا۔

ولکنن فزم بملك معجل　　وان کان فی العقبی نار مسعرا

لیکن ہمیں تو دنیا حکومت چاہتے جس پر ہم کامیاب ہوگئے اگرچہ اس کے عوض آخرت میں دہکتی ہوئی آگ ہوگی۔

شیخ مفید کے مطابق یہ اشعار پڑھنے کے بعد یزید اہل دربار کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

حسین فخر کیا کرتا تھا کہ۔

میرا باپ یزید کے باپ سے۔ میری ماں یزید کی ماں سے میرا نانا یزید کے نانا سے اور میں یزید سے افضل ہوں۔

جہاں تک حسینؑ کے باپ کا میرے باپ سے موازنہ کا تعلق ہے تو اسے دنیا جانتی ہے کہ میرا باپ فاتح تھا اور حسینؑ کا باپ مفتوح تھا۔

جہاں تک حسینؑ کی ماں کا میری ماں سے موازنہ کا تعلق ہے تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں حسین کی ماں میری ماں سے افضل تھی۔

جہاں تک حسین کے نانا کا تعلق ہے تو کوئی بھی محمد رسول اللہ پڑھنے والا اپنے کو محمدؐ سے افضل نہیں سمجھے گا۔

اور جہاں تک خود حسینؑ کا میرے ساتھ موازنہ ہے تو شاید حسینؑ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

اللّٰھم ملك الملك توتی الملك من تشاء الخ

مؤلف :-

کاش یزید یہ موازنہ کرتے وقت فرعون ۔ نمرود اور شداد کی حکومت کو بھی سامنے رکھتا۔

التبر المذاب کے مطابق یزید کے ہاتھ میں بید کی ایک چھڑی تھی۔ جب اشعار پڑھ کے فخر پورا کر لیا۔ اور اہل دربار سے اپنی فضیلت بیان کر چکا تو اس ظالم نے سر مظلوم کو طشت میں رکھ دیا۔ چھڑی سے بوسہ گاہ نبوت میں تنگاف کیا۔

دندان مبارک پر زور سے چھڑی مار کر پہلے اپنے بدر کے مقتولین کو یاد کیا اور معروف اشعار پڑھے۔ جو تمام مورخین نے بالاتفاق نقل کیے ہیں جن کا پہلا شعر یہ ہے۔

لیت اشیاخی ببدر — کاش آج میرے بدر کے
شهدوا — شہداء ہوتے۔

اور آخری شعر یہ ہے۔

لعبت بنو هاشم بالملك

اسلام بنی ہاشم کا سیاسی نعرہ تھا ورنہ حقیقت میں نہ کوئی جبریل آیا ہے اور نہ کوئی وحی آئی ہے۔

ان اشعار کے بعد کہنے لگا۔

یوم بیوم بدر — بدر کا بدلہ پورا ہو گیا ہے۔

پھر ترنگ میں آکر یہ اشعار پڑھے۔

یا حبذا یلمع بالیدین — یلمع فی طشت من اللجین

یہ سر کتنا حسین ہے جو ہاتھوں میں چمکتا ہے چاندی کے طشت میں بھی جگمگا رہا ہے۔

کانما حف بوردتین — شفیت قلبی من دم الحسین

ایسے لگتا ہے جیسے دونوں طرف گلاب کے پھولوں میں گھرا ہو۔ خون شبیر سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

لخذت ثاری وقضیت دینی — کیف رائیت الضرب یا حسین

میں نے اپنے بدلے لے لیے ہیں اور قرضہ چکا دیا ہے۔ بھلا حسین تو نے اس تلوار کی ضرب کو کیسے پایا ہے۔

زہرۃ الریاض کے مطابق یہ ظالم اس زور سے چھڑی دندان مبارک پر مارتا رہا کہ دندان مبارک ایک ایک کر کے ٹوٹتے گئے۔ سمرہ ابن جندب صحابی

رسول بھی بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے سفاکی کی یہ انتہا دیکھی تو اس سے نہ رہا گیا۔
اور کہنے لگا۔
اے یزید کچھ حیا کر۔ تو ان دانتوں کو اپنی چھڑی سے توڑ رہا ہے جنہیں رسول کو میں چوم چوم کر تھکتے نہیں تھے۔
یزید نے کہا۔
اگر تو صحابی رسولؐ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرنے کا حکم دیتا۔
سمرہ نے کہا۔
ارے ظالم! میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ اگر تجھے آنحضور کا اتنا ہی لحاظ ہے تو پھر جب تو صحبت رسول کی بدولت میرا اتنا احترام کر رہا ہے تو قرابت رسول کا پاس کیوں نہیں کرتا۔
میں صحابی رسول ہوں اور یہ فرزند رسول ہے۔ خود ہی بتا دے صحبت زیادہ قابل لحاظ ہے یا قرابت؟
روضۃ الصفا کے مطابق یزید نے سمرہ کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا چنانچہ سمرہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔
ابن طاؤس نے لہوف میں اسی واقعہ کو ابو بریدہ اسلمی صحابی رسول سے منسوب فرمایا ہے اور ابو بریدہ کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں۔ ابو بریدہ نے کہا۔
اے یزید۔ تجھ پر اللہ کی پھٹکار ہو۔ کیا تو حسینؑ ابن فاطمہؑ کے دندان مبارک اپنی چھڑی سے توڑ رہا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بےشمار مرتبہ نبی کو میں کو

دیکھا ہے کہ وہ انہی لبوں اور دانتوں کو چوم چوم کر گریہ فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ،

تم دونوں بھائی جوانان جنت کے سردار ہو۔

یہ سنکر یزید کو غصہ آگیا اور اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس بڈھے کو دربار سے نکال دو۔ چنانچہ غلاموں نے ابو بریدہ کو پکڑ کر کھینچا اور دربار سے باہر جاکر چھوڑ دیا۔

اخبار الدول کے مطابق سر غریب نینوا کو یزید کے سامنے پیش کرنے سے قبل دھویا گیا۔ سر اور ریش مبارک میں کنگھی کی گئی پھر طشت میں رکھ کر یزید کے پیش کیا گیا۔ یزید نے بید کی چھڑی اٹھائی اور مظلوم رسول کے دندان مبارک پر مارنے لگا۔ ابو بریدہ اسلمی صحابی بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

اس نے یزید سے کہا۔

اے یزید! مجھے اس معبود واحد کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے اپنی آنکھوں سے لبھائے رسالت کو ان لبوں کو چومتے دیکھا ہے جنہیں تو نے چھڑی سے جدا کر رکھا ہے یزید یوم قیامت تیری شفاعت کرنے والا ابن زیادہ ہوگا۔ اور حسینؑ کی شفاعت کرنے والا محمدؐ ہوگا۔ ذرا انجام سوچ لے اور دیکھ لے کہ بارگاہ خالق میں کس کی شفاعت قبول ہوگی۔

یہ سنکر یزید بھڑک گیا اور اس نے ابو برزہ کے قتل کا حکم دیا جسے قتل کر دیا گیا۔

ابن طاؤس نے لہوف میں ابو برزہ کی بجائے ابو بردہ اسلمی لکھا ہے۔

منتخب کے مطابق ابو بردہ کو جیل میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور یہ صحابی رسول اسی حبس ہی میں مر گیا۔

بعض مورخین نے یزید کے ان اشعار میں اختلاف کیا ہے۔

لیت اشیاخی ببدر کاش میرے بدر کے بزرگ
شھدوا۔ آج موجود ہوتے۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ واقعاً یہ اشعار یزید کے ہیں۔ یا پھر ابن زبعری کے۔

اور یزید نے بطور تمثیل یہ اشعار پڑھے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک تحقیق حق کا تعلق ہے تو یہ اشعار یزید کے ہیں ممکن ہے بغرض تکرار یزید نے ایک دو اشعار ابن زبعری کے بھی شامل کر لیے ہوں جنہیں تضمین کہا جا سکتا ہے۔

ورنہ یزید کا یہ کہنا۔ میرے بزرگان بدر آج ہوتے تو وہ کہتے۔ یا یزید لاتشل۔

اے یزید تیرے ہاتھ کبھی سست نہ ہوں۔

یہ مصرعہ تو یقیناً یزید ہی کا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد کے اشعار جن میں وحی اور نبوت سے انکار ہے یہ بھی حتماً یزید کے اشعار ہیں۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے انہی اشعار کو دلیل بنا کر تکفیر یزید کی ہے امام حنبل بھی انہی اشعار کو بنیاد بنا کر کفر یزید میں شک کرنے والوں کے ایمان کو بھی مخدوش سمجھتے تھے۔

ان محققین وقت کی تحقیقات عالیہ کے مطابق ان اشعار کو یزید کے علاوہ

کسی اور کی طرف منسوب کرنے پر زور صرف کرنے سے صرف یزید کی وکالت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کچھ حاصل ہوگا۔

علامہ ابن ابی الحدید نے تاریخ طبری کے حوالے سے معتضد باللہ عباسی کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے اپنے عمال کو لکھا تھا کہ اسے مساجد میں نماز جمعہ کے بعد پڑھا جائے اس خط میں اموی مسلمانوں میں سے ہر ایک کے مطاعن اور مثالب درج کیے گئے ہیں۔

اور ابو سفیان کی اسلام دشمنی سے لے کر معاویہ کے متعلق آنحضور کے ارشادات عالیہ ایک ایک کر کے درج کیے گئے تھے اور آخر میں یزید کے دیگر اعمال کے علاوہ ان اشعار کو بھی نقل کیا گیا ہے۔

مترجم۔ مناسب ہوگا اگر یزید کی وکالت میں وقت ضائع کرنے اور صفحات سیاہ کرنے کی بجائے ہم مسلمہ واقعات کو ہی سامنے رکھیں۔ مسلمہ واقعات یہ ہیں۔

یزید کے حکم سے ابن زیاد نے فرزند رسول کو قتل کیا۔

یزید کے حکم سے ابن زیاد نے سروں کو نیزوں پر بلند کیا۔

یزید کے حکم سے ابن زیاد نے لاشوں کو پامال کیا۔

یزید کے حکم سے ہی ابن زیاد نے ذریت رسول کے خیام بھی جلائے تھے۔

یزید کے حکم سے ہی ابن زیاد نے زہرا زادیوں کو بے ردا کیا۔

یزید ہی کے حکم سے ابن زیاد نے بے پالان کے اونٹوں پر زہرا زادیوں کو کوفہ سے شام بھیجا۔

یزید کے حکم ہی سے کوفہ سے شام تک بے ردا رسول زادیوں کی تشہیر کرائی گئی۔

یزید کے حکم ہی سے اولاد رسول کو تین دن بیرون شام اور کئی گھنٹے در دربار پر روکے رکھا گیا۔

یزید کے حکم سے ہی شام میں عید منائی گئی اور پانچ لاکھ تماشائی جمع کیا گیا

یزید نے ہی اپنے ہاتھوں سے سر مظلوم کی توہین کی۔

اور یزید نے ہی اپنے ہاتھوں سے قاتلوں کو انعامات سے نوازا تھا۔

یزید ہی وہ خلیفہ ہے جس نے سر فرزند رسول کو در دربار پر سولی چڑھایا تھا۔

یزید ہی نے رسول زادیوں کو بھی اپنے دربار میں بے ردا طلب کیا۔

یزید ہی نے اولاد رسول کو پابند رسن کیا۔

یزید ہی نے آل رسول کو ایسے زندان میں رکھا جو نہ سردی سے محافظ تھا اور نہ گرمی سے۔

ان مسلمات کے ہوتے ہوئے اشعار یزید میں اختلاف بے معنی۔ اور لایعنی وکالت یزید ہے۔

اسی لیے محقق مورخین نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اگر یزید قتل شبیر سے ناخوش تھا۔ تو پھر کوفہ سے شام زہرا زادیوں کو کیوں بے پالان کے

اونٹوں پر بے ردا بلایا؟
شام میں کیوں ایک سال تک زندان میں رکھا اور مصری سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کیے رکھا؟

مجلس

دربار یزید اور سر فرزند رسولؐ

منتخب کے مطابق جب یہ خبیث سر فرزند رسولؐ کو تخت پر طشت طلا میں اپنے سامنے چھڑی سے دندان مبارک سے جسارت کر رہا تھا۔ اور صحابہ کے منع کرنے کے باوجود بھی نہ رکا بلکہ روکنے والوں کو دربار سے دھکے دے کر نکال باہر کیا۔ پھر اپنی خباثت میں مصروف ہو کر سر کے ساتھ چھڑی سے کھیلنے لگا تو یزید ہی کے محل سے ایک کنیز سر و پا برہنہ دوڑتی ہوئی دربار میں آئی۔ اور کہنے لگی۔

اللہ تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے اور نار جہنم سے قبل تجھے آتش دنیا میں جلائے۔

اے ملعون! کیا تو ان دندان مبارک سے گستاخی کر رہا ہے جنہیں چوم چوم کر رسول کونین تھکتے نہیں تھے۔

یزید نے کہا۔ اے کنیز کیا تو باؤلی ہو گئی ہے۔ یہ کیا بک بک لگا رکھی ہے۔ کیا تجھے اپنے جسم پر یہ سر اچھا نہیں لگ رہا۔

کنیز نے کہا میرے ساتھ جو سلوک چاہے کر لینا مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے وہ سن لے۔

پھر کنیز نے کہا۔

میں ابھی اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ نیند میں تھی یا جاگ رہی تھی۔ میرا رخ سوتے آسمان تھا۔ میں نے دیکھا جیسے آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اس سے نور کی ایک سیڑھی زمین کی طرف لگائی گئی۔ اس سیڑھی سے دو خوبرو نوجوان اترے جنہوں نے سبز ریشم کے لباس پہن رکھے تھے تیرے گھر کے صحن میں ان دونوں نے جنتی زبرجد سے ایک دری بچھائی اس دری سے اتنی چمک نکل رہی تھی کہ مشرق و مغرب روشن نظر آرہے تھے۔

پھر چندے آفتاب چندے ماہتاب ایک جوان سیڑھی سے اترا۔ اس دری پر بیٹھا اور باواز بلند کہنے لگا۔

بابا آدم تشریف لایئے۔ بابا ابراہیم آپ بھی تشریف لائیں۔ بھائی موسیٰ۔ بھائی عیسیٰ آپ بھی آجائیں۔

اس بلانے والے کی ریش مبارک خاک آلود تھی۔ آنسو ٹپک رہے تھے۔ گریبان چاک تھا۔ آستین چڑھی ہوئی تھی۔

پھر ایک اور دری اسی صحن میں بچھائی گئی۔ اس پر چاند سے چہرے والی ایک مستورآ کر بیٹھی۔ جس کے سر کے بال کھلے ہوتے تھے۔ سیاہ لباس پہنا ہوا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کا پہلو زخمی ہو کیونکہ اس نے ایک ہاتھ پہلو پر رکھا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں عصا تھا جس کے سہارے چلتی ہوئی آئی اور دری پر بیٹھ کر گریہ کرنے لگی۔

پھر فرمایا۔

ماں حوا۔ ماں ہاجرہ۔ بہن مریم۔ ماں خدیجہ آپ بھی آئیں یہاں بیٹھیں۔ میں نے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ انبیاء کو بلانے والا سرور انبیاء ہے اور ازواج و امہات انبیاء کو بلانے والی پہلو شکستہ دختر رسول ہے جو سید الشہداء اور غریب کربلا کی ماں ہے۔

اس مستور نے باواز بلند رو کر عرض کیا۔

بابا جان! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ آپ کی امت نے میرے حسینؑ اور میری بیٹیوں سے کیا سلوک کیا ہے۔

سرور انبیاء اور تمام انبیاء یہ بات سنکر بے ساختہ باواز بلند رونے لگے۔

پھر رسول کونین حضرت آدم کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور فرمایا۔

بابا جان! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میری امت کے کمینوں نے میری ذریت سے کیا سلوک کیا ہے۔

میں نے دیکھا ایک ایک نبی نے اور ایک ایک مخدرہ نے باری باری ایک دوسرے کو پرسہ دیا۔ پھر تمام نے مل کر جناب زہرا کو پرسہ دیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے بے شمار لوگ آئے۔ میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ کہ ہم ملائکہ ہیں۔

میں نے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟

اس نے جواب دیا اب ذرا آسمان کی طرف دیکھ تجھے پتہ چل جائے گا کہ ہم کیوں آتے ہیں؟

میں نے جب سوئے آسمان دیکھا تو کئی ملائکہ کے ہاتھ میں آگ کے شعلے تھے۔ اور وہ اسی گھر میں آ رہے تھے۔

اور آگ سے کہہ رہے تھے۔

اے آگ اس گھر کے مالک کو جلا ڈال۔

میں نے دیکھا ہے جب آگ تیری طرف آئی تو اس وقت بھاگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

ہائے میں جل گیا۔ ہائے میں جل گیا۔ اب کہاں جاؤں۔ یہ دیکھ کر میں گھبرا گئی تجھے آگ سے بچانے کی خاطر بستر سے اٹھی میری آنکھ کھل گئی سنا تو دربار میں شور و غوغا تھا۔

پوچھنے پر پتہ چلا ہے کہ فرزند رسول کا سر تجھے پیش کیا گیا ہے۔ میں نے تیرا نمک کھایا ہے۔ جو کچھ دیکھا ہے تجھے بتانا ضروری تھا اب میں دیکھ رہی ہوں کہ جن لبوں کو رسول خدا چومتے تھے تو انہی سے گستاخی کر رہا ہے ہٹا لے چھڑی یہاں سے

یزید نے کہا۔ اللہ تجھے خوار کرے کیا تو اس بھرے دربار میں میری توہین کرنے آئی تھی؟

کنیز نے کہا۔

توہین کرنے نہیں تجھے اس خواب غفلت سے بیدار کرنے آئی تھی جس میں تجھے دنیا و آخرت اور اپنے و بیگانے کی تمیز نہیں ہے۔

یزید نے حکم دیا کہ۔

ابھی ابھی اس کنیز کا سر تن سے جدا کر دو۔ یہ اپنے عورتوں والے خواب سنا سنا کر لوگوں کے ذہن خراب کرتی رہے گی۔

جلاد آگے بڑھے اور انہوں نے اس خوش نصیب کا سر جسم سے جدا کر دیا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق قتل کنیز سے فراغت کے بعد یزید پھر چھڑی سے دندان مبارک کے ساتھ گستاخی کرنے لگا کہ جاثلیق آ گیا۔ یہ شخص انتہائی بوڑھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس کے سہارے پر یہ چل رہا تھا۔

مؤلف:۔ جاثلیق عیسائیوں کے اس بڑے پادری کو کہا جاتا ہے جو صرف انطاکیہ کے پادری جسے بطریق کہتے ہیں کے ماتحت ہوتا۔ بطریق سب سے بڑا پادری ہوتا ہے۔ اور صرف ایک ہوتا ہے جسے آج کل بطریق کو پوپ کہا جاتا ہے۔

جاثلیق کے ماتحت کو مطران کہا جاتا ہے۔ جو کسی ڈویژنل ہیڈ کوارٹر پر ہوتا ہے اور مطران کے ماتحت اسقف کہلاتے ہیں۔ جو ہر جگہ میں ہوتے ہیں۔

جاثلیق نے جب سر غریب رسول یزید کے سامنے طشت طلا میں دیکھا تو یزید سے پوچھا۔

یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا۔ حسین ابن علی ابن ابی طالب کا سر ہے۔

جاثلیق نے کہا۔

اس کی ماں کا نام کیا تھا؟

یزید نے کہا۔ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ تھا۔

جاثلیق نے کہا۔

ارے ظالم مسلمانو! میرے اور جناب داؤد کے درمیان تیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔

مگر آج بھی میں جس گلی سے گزرتا ہوں نصرانی میرے پاؤں کی مٹی لے کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ تمہارے نبی کا تو ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے فرزند رسول کو اس بے دردی سے قتل کر دیا ہے اور اس کے قتل کرنے کا جشن منا رہے ہو۔

میں ابھی اپنے گرجا میں سو رہا تھا کہ عالم خواب میں میں نے آدم سے خاتم الانبیاء تک تمام انبیاء کو دیکھا ہے۔ تمام انبیاء محمدؐ کو رسول اللہ کہہ رہے تھے جبکہ محمدؐ کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔

اس کا سر گرد آلود تھا۔ لباس پر جگہ جگہ خون کے سرخ نشان تھے۔

تمام انبیاء اسے اس کے مظلوم بیٹے کی بے گناہ شہادت پر پرسہ دے رہے تھے۔ میں گھبرا کر اٹھا۔ اور اب دربار میں یہ تصدیق کرنے کی خاطر آیا ہوں کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے کیا حقیقت ہے یا نہیں۔ تجھ سے معلوم کرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ حقیقت ہے۔

یزید نے کہا۔ ارے تو کہاں سے ٹپک پڑا یہ ہمارا اپنا معاملہ ہے۔ تو کہاں سے خواب سنانے لگا۔

جاثلیق آگے بڑھا۔ سر غریب رسول کو اٹھایا۔
اور عرض کیا۔
اے ابو عبد اللہ گواہ رہنا میں آپ کے نانا کی رسالت اور تیرے باپ کا ولایت کی شہادت دے رہا ہوں۔
تیرے اعداء سے اعلان برأت کرتا ہوں
یزید نے کہا۔ گویا تو اب مسلمان ہو گیا ہے۔ اور تو نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔
جاثلیق نے کہا۔ تو نے کلمہ شہادت خود سن لیا ہے۔ اب اگر مسلمان نہیں تو اور کیا ہوں۔
یزید نے کہا۔ تیرا تحفظ ہمارے لیے اس وقت تک ضروری تھا جب تک تو اپنے دین پر تھا۔
اب جب ہمارے دین میں آگیا ہے تو اب ہم اپنے دین کے مطابق تجھ سے سلوک کریں گے۔
جاثلیق نے کہا۔ مجھے اب کوئی پرواہ نہیں ہے کہ تم لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔
یزید نے کہا تجھے معلوم ہے کہ جو آل رسول سے محبت رکھے اس کی سزا کیا ہے؟
جاثلیق نے کہا۔
جو سزا بھی ہو میں برداشت کر لوں گا۔
یزید نے جلاد کو حکم دیا کہ اسے کوڑے مارو۔

دو جلاد آ گئے ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا باری باری دونوں کوڑے برسانے لگے۔ جب تک جاثلیق میں طاقت رہی کھڑے ہو کر کوڑے سہتا رہا۔ جب جسمانی طاقت جواب دے گئی تو فرشِ دربار پر گر گیا۔

یزید نے جلادوں سے کہا۔

یوں نہیں ایسے تو یہ جلدی مر جائے گا۔ ذرا ٹھہر ٹھہر کر کوڑے مارو تاکہ محبت آلِ محمد کی سزا اچھی طرح مل سکے اور اسے پتہ چل جائے کہ اسلام کیسا مذہب ہے۔

میں چاہتا ہوں یہ سسک سسک کر مرے۔

جب کچھ دیر کے لیے کوڑے رکے تو جاثلیق نے بند آنکھیں کھولیں۔ یزید کو دیکھا۔ درباریوں کو دیکھا۔

اور مسکرا دیا۔

یزید نے کہا۔ کیا بات ہے مسکرا رہا ہے؟

جاثلیق نے کہا۔ اپنی خوش نصیبی پر مسکرا رہا ہوں۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے جیتے جی جنت کی بشارت ملے گی۔ آج اپنے کانوں سے نہ صرف جنت کی بشارت سن لی ہے بلکہ اپنی آنکھوں سے جنت کا نظارہ بھی کر چکا ہوں۔ جلادوں سے کہہ ذرا جلدی کریں۔ نبی کونین میرا انتظار کر رہے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میرے آقا کو زیادہ تکلیف ہو۔

یزید نے پوچھا۔ کون نبی کونین؟

جاثلیق نے کہا۔ وہی نبی کونین جس کا کلمہ تیرے دادا نے ہتھیار ڈال کے پڑھا تھا

اور میں نے اس کے بیٹے کی حقانیت اور اپنے عیسیٰ نبی کی گواہی سے پڑھا ہے اور نبی کو نین میرے سامنے کھڑے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں جنت کی قمیص اور دوسرے ہاتھ میں مرصع تاج ہے۔ مجھے فرما رہے ہیں بس تیری روح کے تیرے جسم کو چھوڑنے کی دیر ہے، یہ قمیص اور تاج تجھے اپنے ہاتھ سے پہناؤں گا۔

یزید نے جلادوں سے کہا۔ اسے جلدی ختم کر دو۔ درباریوں کے ذہن خراب کر رہا ہے۔

واقعہ عبدالوہاب نصرانی

منتخب کے مطابق ایک نصرانی روم سے کسی ذاتی کام کی خاطر شام آیا۔ ان دنوں میں جب فتح یزید کے جشن منائے جا رہے تھے۔ یہ نصرانی اس وقت دربار یزید ہی میں بیٹھا تھا جب یہ خبیث سر غریب زہراؑ سے گستاخی کر رہا تھا۔

عبدالوہاب نے یزید سے پوچھا۔

اے امیر! یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا۔ حسین ابن علیؑ ابن ابو طالب کا سر ہے؟

عبدالوہاب نے کہا۔ اس کی ماں کا نام کیا ہے؟

یزید نے کہا۔

آخر تو یہ سوال کیوں کر رہا ہے۔

عبدالوہاب نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ میں روم کا باشندہ ہوں۔ جب وہاں جا کر میں شاہ روم آپ کی فتح کا حال سناؤں گا تو وہ مجھ سے مقتول کے متعلق

پوچھے گا کون تھا۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مکمل معلومات لے کر جاؤں مجھے یقین ہے شاہ روم بھی آپ کی اس خوشی میں آپ کا شریک ہوگا۔

یزید نے کہا۔

اس کی ماں فاطمہ بنت محمدؐ رسول اللہ تھی۔

عبدالوہاب کانپ گیا۔ اور کہنے لگا۔ اے یزید کیا یہ فاطمہ زہرا کا بڑا لڑکا ہے یا چھوٹا؟

یزید نے کہا۔ چھوٹا لڑکا ہے۔

عبدالوہاب نے کہا۔

کیا حسین اسی کا نام تھا۔

یزید نے کہا۔ ہاں۔

عبدالوہاب کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے۔ اور کہنے لگا اے یزید شاید تجھے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں؟

تجھے کیا معلوم ہوگا شاہ روم کو بھی آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کون ہوں۔

آج کل تو میں شاہ روم کا وزیر ہوں۔ لیکن ایک وقت میں میں تاجر تھا۔ اور مکہ و مدینہ میں بغرض تجارت آتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں مدینہ آیا تو سرور انبیاء کا بڑا چرچا تھا۔

میں نے بھی سوچا کہ مدینہ کے معتدد افراد سے ہے اگر ان سے واقفیت ہو جائے تو ان کے معتقد بن یقیناً مجھے اچھی نظروں سے دیکھیں گے چنانچہ میں نے

فیصلہ کیا کہ محمدؐ کے پاس کوئی تحفہ لے جاؤں۔

میں نے آپ کے صحابہ سے پوچھا کہ آپ کو کیا پسند ہے؟

انہوں نے بتایا۔ آپ خوشبو کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

میں نے کستوری کی دو تھیلیاں اور کچھ عنبر لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ تحفہ پیش کیا۔

آپ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے؟

میں نے بتایا۔ میرا نام عبدالشمس ہے۔

آپ نے فرمایا۔

اگر تو تو اپنا نام بھی بدل لے اور میرا دین بھی قبول کرے تو پھر تو میں تیرا یہ تحفہ قبول کر لوں گا ورنہ نہیں۔

میں نے عرض کیا۔

نام آپ جو چاہیں تجویز فرمالیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں مجھے کچھ مہلت دیں میرے دل میں ان کی محبت جیسے گھر کر گئی تھی۔ انہوں نے اسی وقت عبدالشمس کی جگہ میرا نام عبدالوہاب تجویز کیا۔

دوسرے دن میں نے آکر اسلام قبول کر لیا۔ واپس روم جا کر میں نے کسی کو اپنے اسلام سے آگاہ نہیں کیا۔ اس وقت میں میرے چار بیٹے اور تین بیٹیاں مسلمان ہیں۔ میں اپنی امانت اور دیانت کی وجہ سے شاہ روم کا وزیر ہوں۔ انہی دنوں دوسرے سال میں بغرض تجارت مدینہ آیا۔ آنحضور کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کہ یہی حسین جس کا سر اس وقت تیرے سامنے رکھا ہے کمسن تھا۔

آنحضور کی خدمت میں آیا آپ نے آگے بڑھ کر دونوں بازو کھول کر اس شہزادے کو سینہ سے لگایا جن ہونٹوں پر تو نے چھڑی رکھی ہوئی ہے انہی لبوں کو آپ کافی دیر تک چومتے نہیں چومتے رہے شہزادہ کچھ دیر نانا کی گود میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔

اگلے سال میں پھر آیا تو میری موجودگی میں یہ دونوں بھائی آنحضورؐ کے پاس آئے اور عرض کی۔

نانا ہم آپس میں کشتی لڑتے ہیں آپ فیصلہ فرمائیں کہ ہم سے طاقت ور کون ہے؟

آپ نے فرمایا۔ نہیں بیٹے کشتی لڑنا تمہاری شان کے خلاف ہے۔ تم ایسا کرو دونوں جا کر تختیاں لکھو جس کا خط خوبصورت ہوگا وہی طاقت ور ہوگا۔

دونوں شہزادے واپس چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد تختیاں لے کر آگئے۔ نانا کے سامنے رکھیں اور عرض کیا۔

نانا فیصلہ فرمائیے کس کا خط خوبصورت ہے؟

میں نے دیکھا سرورِ کونین دونوں میں سے کسی کو بھی رنجیدہ خاطر نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے دونوں کو گلے لگا کر فرمایا۔

بیٹے تم دونوں جا کر بابا علیؑ کو تختیاں دکھاؤ وہی فیصلہ کریں گے۔

کچھ دیر بعد دونوں شہزادے واپس آئے اور عرض کیا۔

نانا بابا فرماتے ہیں تم دونوں اپنی ماں زہرا کے پاس جاؤ وہی فیصلہ کریں گی آپ نے فرمایا۔ بیٹے ٹھیک ہے اپنے بابا کا حکم مانو اور ماں کے پاس چلے جاؤ

کچھ دیر بعد سرورِ کونین پہلے مسکرائے اور پھر رو دیئے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یک لخت خوشی اور غمی یہ کیا ہوا۔

آپ نے فرمایا۔ ابھی جبریل نے مجھے آکر بتایا ہے کہ جب دونوں بچے جناب زہرا کے پاس تختیاں لے کے گئے اور عرض کیا۔ اماں جان فیصلہ فرمائیے کس کا خط خوب صورت ہے۔

بی بی نے فرمایا۔ بیٹے نانا یا بابا سے فیصلہ کرایا ہوتا۔

شہزادوں نے عرض کیا۔ امی جان! نانا نے بابا کے پاس بھیجا اور بابا نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

یہ جواب سنکر بی بی نے دل میں سوچا کہ نہ تو ان دونوں کو آنحضور رنجیدہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ میرے سرتاج بی بی کے گلے میں سات موتیوں والا ایک ہار تھا۔

بی بی نے فرمایا۔

دیکھو میں ہار کے دانے زمین پر پھینکتی ہوں جس نے زیادہ اٹھالیے اسی کا خط خوبصورت ہوگا۔ چنانچہ آپ کی دختر نیک اختر نے ہار کے دانے زمین پر بکھیر دیئے دونوں شہزادے آگے بڑھے تین دانے حسنؑ نے اور تین حسینؑ نے اٹھالیے۔ ایک دانہ بچ گیا۔ ایک طرف سے حسنؑ نے دوسری طرف سے حسینؑ نے ہاتھ بڑھایا۔ اور ذات احدیث نے مجھے حکم دیا کہ ان میں کوئی بھی ایک دانہ نہ اٹھائے۔ دونوں کے ہاتھ پہنچنے سے قبل اس دانہ کو دو حصوں میں تقسیم کردے تاکہ آدھا حسنؑ لے لے اور آدھا حسینؑ۔

میں اس لیے مسکرایا ہوں کہ جس طرح میں دونوں میں سے کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا اسی طرح علیؑ اور فاطمہ کے ساتھ ساتھ اللہ نے بھی کسی کو رنجیدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اور رویا اس لیے ہوں کہ ایک دن میرا یہ بیٹا میری امت کے ہاتھوں زہر جفا سے اور پھر یہ چھوٹا بیٹا سرزمین عراق میں تشنہ اور گرسنہ شہید ہوگا۔

یزید جس ہستی کو اللہ اور رسول صرف رنجیدہ خاطر نہیں کرنا چاہتے تھے تو نے اس ہستی کو اتنے بڑے ظلم سے شہید کر دیا ہے۔ اور اس کی شہادت پر تو جشن منا رہا ہے۔

پھر عبدالوہاب اٹھا اس نے سر مظلوم زہرا کو تخت یزید سے اٹھایا، سینہ سے لگایا، بوسہ لیا۔ اور عرض کیا۔

اے فرزند زہرا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کا ساتھ نہ دے سکا میرے اس افسوس کی شہادت اور یزید کے سامنے کلمہ حق کہنے کی گواہی اپنے نانا اور بابا کے سامنے دے دینا۔

مجلس

جناب سجادؑ دربار یزید میں

سروں کے بعد اس ظالم نے دوسرا حکم یہ دیا کہ اب مرد قیدیوں کو حاضر کیا جائے۔ چنانچہ جناب سجاد اور آپ کے ساتھ دیگر گیارہ گرفتار شدہ قیدی بچوں کو دربار کے سامنے لایا گیا۔

۱۔ جناب سجادؑ۔
۲۔ امام باقر۔
۳۔ عمرو ابن حسنؑ
۴۔ عمرو ابن حسینؑ۔
۵۔ حسن ابن حسنؑ
۶۔ زید ابن حسنؑ۔
۷۔ یحیٰی ابن حسنؑ

اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ مرد اور بنات رسول تمام قیدیوں کو بیک وقت دربار میں پیش کیا گیا۔

منتخب کے مطابق جناب سجاد فرماتے ہیں کہ جب ہمیں دربار شام میں یزید کے پیش کیا گیا تو اس وقت تمام ایک رسی میں بندھے ہوتے تھے۔ رسی کا سرا میرے گلے میں تھا۔

میرے بعد دختر زہراؑ کے گلے میں ان کے پیچھے جناب ام رباب تھیں اسی طرح ہم تمام اولاد رسول ایک رسی میں گرفتاریوں میں لاتے گئے کہ میرے گلے میں پڑی رسی میں شمر کا ہاتھ تھا جب مجھے کھینچتا تھا تو میرے پیچھے تمام مستورات کھچی چلی آتی تھیں۔

جب یزید کے سامنے آئے تو میں نے یزید کو مخاطب کرکے کہا۔

اگر ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دے گا؟

یزید نے کہا۔ کیا بات پوچھنا ہے؟

میں نے کہا۔

صرف اتنا بتادے۔ اگر آج ہمیں وہ رسول اس حالت میں دیکھتا جس کا کلمہ پڑھ کر تو اس منبر پر بیٹھا ہے تو ان کے دل پر کیا گزرتی؟

یزید نے جواب میں کوئی بات نہ کہی اور منہ پھیر لیا۔

یزید نے شمر سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟

شمر نے کہا۔ علی ابن حسینؑ ہے۔

یزید نے کہا۔ کیا علی ابن حسینؑ میدان کربلا کے مقتولین کی فہرست میں نہیں ہے۔

شمر نے کہا۔

وہ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

ابن شہر آشوب کے مطابق ۔

یزید نے امام سجادؑ سے پوچھا۔

تیرے باپ کو کیا تھا کہ اس نے اپنے ہر بیٹے کا علی رکھا ہے ؟

امام سجاد نے فرمایا۔

اور تو کچھ نہ تھا صرف انہیں اپنے باپ سے محبت تھی اس لیے انہوں نے اپنے ہر بیٹے کا نام علی رکھا ہے۔

یزید نے کہا۔ کیا تو اسی حسین کا بیٹا ہے جو میری جگہ منبر خلافت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ آج تو نے اس کا انجام دیکھ لیا ہے کہ تیرے باپ کا سر میرے سامنے ہے۔ اور تو اپنے اہل بیت کے ساتھ رسن بستہ میرے روبرو ہے۔

امام سجاد نے فرمایا۔

یزید تو اچھی طرح جانتا ہے کہ منبر رسول پر بیٹھنے کے لیے میرے باپ سے زیادہ حقدار کون تھا اگر اس نے بقول تیرے یہ خواہش کی تھی تو کون سا برا کیا تھا۔

یزید نے کہا۔ پھر اب انجام بھی تو دیکھ لیا ہے۔

امام سجاد نے فرمایا۔

ابھی انجام کہاں آیا ہے۔ جب انجام آجائے گا تو ہم بھی دیکھ لیں گے اور تو بھی دیکھ لے گا۔

بحار کے مطابق یزید نے کہا۔

حیرت ہے تو میرا قیدی ہو کر بھرے دربار میں مجھے ترکی بترکی جواب دے رہا ہے۔

جلاد کہاں ہے۔

جلاد حاضر ہوا۔

یزید نے کہا۔ اسے لے جا کر قتل کر دے۔

جلاد آگے بڑھا۔ امام سجاد نے فرمایا۔

میں قتل ہونے جا رہا ہوں میرے ساتھ یہ نبی کی امانتیں ہیں انہیں مدینہ پہنچانے کا انتظام کر دینا۔

جب بنت زہرا نے جلاد کا ہاتھ جناب سجاد کی رسی میں دیکھا تو مجبور ہاتھوں کے باوجود اپنے کو امام سجاد تک پہنچایا اور فرمایا۔

او یزید! جو قتل کر چکا ہے وہی کافی سمجھ۔ اگر اسے قتل کرنا ہے تو مجھے بھی ساتھ قتل کر دے۔

دربار میں ہل چل مچ گئی۔ کئی افراد کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا۔ یزید یہ مخدرہ اس بیمار کو تنہا قتل نہیں ہونے دے گی۔ اور اہل شام میں سے کوئی بھی کسی نبی زادی کا قتل گوارا نہیں کرے گا۔ پھر جلاد کو واپس بلایا۔

دھدار راوندی سے مروی ہے کہ جب یزید جناب سجاد سے جابرانہ گفتگو کر رہا تھا اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تسبیح تھی جسے آپ گھما رہے تھے۔

یزید نے کہا اے حسینؑ زادے یہ کیا بات ہوئی کہ میں تیرے ساتھ بات کرتا ہوں اور تو ہاتھ میں تسبیح لیے گھما رہا ہے میری کسی بات کا جواب دیتا ہے اور کسی کا نہیں، حالانکہ تو قیدی ہے۔

جناب سجاد نے فرمایا۔

جہاں تک تیری باتوں کے جواب کا تعلق ہے تو ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہے جو بات قابل جواب ہوتی ہے اس کا جواب دے دیتا ہوں اور جو نہیں ہوتی اس کا جواب نہیں دیتا۔ اور جہاں تک تسبیح کا تعلق ہے تب مجھے میرے بابا نے میرے دادا سے روایت بیان کی ہے کہ۔

نماز صبح سے فراغت کے بعد میرے دادا اس وقت تک کوئی بات نہ کرتے تھے جب تک ہاتھ میں تسبیح نہ لیتے تھے۔ اور تسبیح لینے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے ۔ اللھم انی اصبحت أسبحك و أمجدك وأحمدك وأھللك بعدد ما ادیر بہ سبحتی ۔

اس کے بعد آپ ہاتھ میں تسبیح گھماتے رہتے تھے اور باتیں کرتے رہتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے مولا نے صادق نبی کونین سے سنا ہے کہ جو شخص نماز صبح کے بعد یہ دعا پڑھ ہاتھ میں تسبیح لے اور تسبیح کو گھماتا رہے تو اس کے نامہ اعمال میں ثواب تسبیح درج کیا جاتا ہے۔ خواہ کچھ بھی نہ پڑھے۔ اسی طرح رات کو اگر سونے سے پہلے یہی دعا پڑھ کر تسبیح کو زیر تکیہ رکھ دے تو بھی تمام رات باوجود خواب کے ثواب تسبیح اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

میں اپنے جد محترم کی اقتدار کیا کرتا ہوں۔ اور صبح اٹھتے ہی دعا پڑھ کے تسبیح ہاتھ میں لیتا ہوں اور اسے گھماتا رہتا ہوں۔ رات کو سونے سے پہلے دعا پڑھ کے تسبیح کو زیر تکیہ رکھ دیتا ہوں۔

عیون اخبار رضا میں فضل سے مروی ہے کہ امام رضا نے فرمایا ہے کہ سرہائے شہداء کے بعد اسیران آل محمد دربار یزید میں داخل ہوئے تو یزید نے سر مظلوم کو

زیر تخت رکھا۔ اس پر دستر خوان لگایا۔ اپنے اموی معززین کے ساتھ بیٹھ کر شراب خوری کرنے لگا۔ اور جام میں بچ جانے والی شراب فرزند رسول کو سر مبارک پر انڈیلنے لگا۔

اور ہر مرتبہ کہتا تھا۔

اے حسین!

کیا دیکھ رہا ہے۔؟

کیسی اچھی شراب ہے؟

آپ کے خیال میں آپ کا والد حوض کوثر کا ساقی ہو گا۔ اگر کبھی اتفاق ہو جائے۔ اور میں حوض کوثر کے قریب سے پیاسا گزروں گا تو باپ سے کہنا کہ مجھے حوض کوثر سے نہ پلاتے۔

اے حسین!

آپ کے نانا نے چاندی اور سونے کے برتن کا استعمال حرام کیا تھا۔ ذرا دیکھ پہلے چاندی کے طشت میں اور اب سونے کے طشت میں تیرا سر کیسے خوبصورت لگ رہا ہے۔

تیرا باپ فخر کیا کرتا تھا کہ بدر میں اس نے اپنے مقابل میں ہر آنے والے کو قتل کیا تھا۔ اب دیکھ یہ بدر کا بدلہ ہے جو میں نے لے لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

هلال بدا وهلال زمل كذلك تجري صروف الدول

ایک چاند طلوع کر رہا ہے اور ایک چاند مغرب میں چھپ رہا ہے۔ حوادثات زمانہ حکومتوں کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں۔

لئن ساءنا ان جیشا مضی　　　　لقد سرنا ان جیشا تض

ایک وقت اگر ایک لشکر کی موت نے ہمیں غمزدہ کیا تھا۔ تو آج دوسرے لشکر کی موت نے ہمیں خوشی اور مسرت بھی تو دی ہے۔

لست من خندف ان لم اشقم　　　　من نبی احمد ما کان تعل

میری ماں خندف نہ ہوئی اگر میں نے نبی احمد سے ان تمام کاموں کے بدلے نہ لیے جو اس نے کیے تھے۔

ابن جوزی نے۔ الرد علی المتعصب العنید فی تصویب فعل یزید میں لکھا ہے کہ۔

اگرچہ فرزند رسول کا قتل، سرِ نواسہ رسول، سرہائے شہداء، ذریت زہراؑ اور نبی زادیوں کو رسن بستہ کر کے بعد از تشہیر یزید کا اپنی کھلی کچہری میں پیش کرنے کا حکم دینا بھی کم باعث تعجب نہیں ہے۔ لیکن ان تمام امور سے حیرت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب ہمیں تاریخ کے مسلمہ مورخین یہ واقعہ بتاتے ہیں۔ کہ یزید نے اپنے جام میں بچی ہوئی شراب سر فرزند رسول پہ انڈیلی اور آنحضورؐ سے جنگ بدر کا انتقام لینے کی بات کی۔

بوسہ گاہ نبوی کو چھڑی سے مجروح کیا۔

ابن زیاد کو حکم دیا کہ نبی زادیوں کو بے پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے سرو پا برہنہ شام لایا جائے۔

فاطمہ بنت حسینؑ کو ایک شامی کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ذریت رسول کے لاشوں کو بے گور و کفن رکھنے کا حکم دیا۔

اگر دل یزید جاہلیت کے کینوں اور بدر کے انتقام سے لبریز نہ ہوتا تو

سر مظلوم کا احترام کرتا۔

سر فرزند زہرا کی چھڑی سے توہین نہ کرتا۔

جام میں بچی ہوئی شراب سر پر نہ انڈیلتا۔

بنات رسول کے ساتھ احترام کا سا سلوک کرتا۔

یہ تمام امور ایسے ہیں جو کسی بھی تاریخ پڑھنے والے سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ صرف یزید پر لعنت پہ اکتفا نہ کرے بلکہ لعنت کے ساتھ کفر یزید میں بھی شک نہ کرے۔

اگر واقعاً یزید ابن زیاد سے ناراض ہوتا۔ اور اگر واقعاً ابن زیاد نے یزید کی نافرمانی کر کے نواسہ رسول کو شہید کیا ہوتا تو پھر۔ ابن زیاد کو اپنے مقربین بارگاہ میں شامل نہ کرتا۔ بیت المال سے اس پر بے شمار تحائف کی بارش نہ کرتا۔ اسے انعام واکرام سے نہ نوازتا۔ اور اسے اپنے اہل حرم میں بھی نہ لے جاتا۔

ابن عقیل نے لکھا ہے کہ۔

جو امور کفر یزید پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے اس کے یہ اشعار بھی ایک واضح دلیل ہیں۔

اپنی کنیز کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

علیتہ ھاتی عللینی واعضی بذلك انی لا احب التناجب

اے علیہ مجھے سیراب کر دوبارہ سیراب کر یہ رونا دھونا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

حدیث ابی سفیان قدما بہا   الی احد حتی اقام البواکیا

پہلے وقتوں میں ابو سفیان کی یہ باتیں تھیں کہ اس نے نوحہ گر عورتوں کو بلا کر نوحہ خوانی کرائی تھی۔

اذا ما نظرنا فی امور قدیمۃ   وجدنا حلالا شرب متوالیا

جب ہم پرانی شریعتوں اور سابقہ حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں شراب خوری ہر دور میں حلال ملتی ہے۔

وان مت یا ام الاحیم فانکحی   ولا تاملی بعد الفراق تلاقیا

اے ام احیم اگر میں مر جاؤں تو کسی دوسرے سے نکاح کر کے عیش کر لینا۔ اور مرنے کے بعد کسی قسم کی ملاقات اور زندگی کا خیال نہ کرنا۔

فان الذی حدثت من یوم بعثت   احادیث طسم تجعل القلب ساہیا

یہ باتیں جو تجھے سنائی جاتی ہیں کہ کوئی قیامت کا دن بھی ہوگا یہ سب ایسی بے ہودہ باتیں ہیں جن سے دل پریشان ہوتا ہے۔

معشر الندمان قوموا   واسمعوا صوت الاغانی

اے ساتھیو! اٹھو اور گانے والیوں کی آوازیں سنو۔

واشربوا کاس المدام   واترکوا ذکر المعانی

اٹھو شراب کے جام لنڈھاؤ اور معانی کا تذکرہ چھوڑ دو۔

شغلتنی نغمۃ العیدان   عن صوت الاذان

مجھے تو سارنگی کی لے نے اذان کی آواز سے بے نیاز کر دیا ہے

وتعوضت عن الحور   خموراً فی الدنان

میں نے حوروں کے عوض دنیا میں شراب ہی کو چن لیا ہے

وشمسه کرم برجها قعرذها   ومشرقها الساقی ومغربها فی

انگوری آفتاب جس کا برج شکم صراحی ہے اور اس کا مشرق دست ساقی اور مغرب میرا منہ ہے۔

شراب کتبر فی اناء کفضة   وساق لبد رمعرند احی کا نجم

چاندی جیسے برتن میں سونے جیسی شراب ہے، ستاروں جیسے دوستوں میں ماہ دو ہفتہ جیسی پنڈلی پر ہاتھ ہے۔

فان حرمت یوما علی دین احمد   فخذ ع علی این المسیح ابن مریم

اگر آج دین محمدؐ میں شراب کو حرام کہا گیا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مسیح ابن مریم کے دین میں حلال سمجھ کر پی لو۔

ان اشعار کو پڑھ کر کوئی احمق سے احمق آدمی بھی کفر یزید میں شک نہیں کر سکتا۔

محمد نحوی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن ابن بر شاپر عبیداللہ ابن زیاد نے ظلم کیا۔

عبدالرحمن کہتا ہے کہ میں ابن زیاد کے خلاف شکوہ لے کر شام آیا۔ ایک سال تک در یزید پر کھڑا رہا لیکن مجھے دربار یزید میں جانے کی اجازت نہ ملی۔ سال کے بعد واپس پلٹا۔ بیرون شام ایک چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ اس میں داخل ہوا۔ دیکھا تو ایک کتا جس کے گلے میں سونے کی زنجیر تھی اس چار دیواری میں پھر رہا تھا۔ پھرتے پھراتے وہ کتا ایک خیمہ میں گھس گیا میں آگے بڑھا تو ایک شخص

گھوڑے پر سوار تھا اس نے مجھ سے پوچھا۔ تو نے کہیں اس جگہ کوئی کتا دیکھا ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں ایک کتا تو اس خیمہ میں ابھی گیا ہے۔ وہ شخص جلدی سے وہاں آیا۔

مجھ سے پوچھا تیرے پاس کچھ پانی بھی ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں ہے۔

میں نے اسے پانی دیا۔ پہلے اس نے کتے کو پلایا۔ پھر سات مرتبہ کتے کو نہلایا۔ پھر بچا ہوا پانی خود پیا۔

اور مجھ سے پوچھا۔

تو یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔

میں نے اسے بتایا کہ ابن زیاد نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ یزید کے پاس شکایت لے کر آیا تھا۔ لیکن کسی نے دربار میں نہیں جانے دیا۔ ایک سال انتظار کے بعد واپس جا رہا ہوں۔ پتہ نہیں وہ ظالم کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔

اس نے کہا۔ اگر چاہے تو میں تجھے ابن زیاد کے نام ایک خط دے دوں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے امید ہے سابقہ ظلم کی تلافی کر دے گا۔ اور آئندہ تجھے کچھ نہیں کہے گا۔

میں نے کہا۔ لکھ دے۔

اس نے مجھے ابن زیاد کے نام خط لکھ دیا۔ میں وہ خط لے کر ابن زیاد کے پاس آیا۔

ابن زیاد نے جونہی خط دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے میرے ساتھ کیے گئے

ظلم کی تلافی کا حکم دیا۔

اور کہنے لگا۔

یہ خط تجھے کس نے لکھوا دیا ہے؟

میں نے کہا۔ یہ خط کس کا ہے؟

ابن زیاد نے کہا۔

یہ امیر المومنین یزید کا خط ہے۔

میں نے کہا۔ مجھے ایک دوست کی وساطت سے شرف زیارت نصیب ہوا تھا۔

ابن زیاد نے کہا۔

یزید نے مجھے لکھا ہے کہ۔ تو نے مجھ پر بھی لعنت کی ہے اور یزید پر بھی لعنت کی ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تیری جائیداد تجھے واپس لوٹا دوں۔ لہذا میں تیری جائیداد تجھے واپس کرتا ہوں۔ جا تیرا کام ہو گیا ہے۔

ابو الفرج نے کتاب التبصرہ میں لکھا ہے کہ۔

جب جناب عباس ابن عبد المطلب جنگ بدر میں گرفتار ہوئے تو سرور کونین نے جناب عباس کی گرفتاری کی شب اول آپ کی صدائے گریہ سنی۔ آپ سے برداشت نہ ہو سکا۔ اور صبح ہونے سے پہلے صحابہ سے اجازت لیکر آپ کو رہا کر دیا تھا۔

جب قاتل جناب حمزہ وحشی نے اسلام قبول کیا تھا تو آنحضور نے اسے فرمایا تھا۔

میرے سامنے کبھی نہ آنا میں اپنے عزیزوں کے قاتل کا چہرہ دیکھنا

گوارا نہیں کرتا۔

آج اگر سرور کونین زندہ ہوتے تو اپنی بیٹیوں کی گرفتاری خدا معلوم کیسے برداشت کرتے یا اپنے حسین کے قاتل کو دیکھنا کیسے برداشت کرتے۔

ابراہیم نخعی کہا کرتا تھا

بخدا اگر میں قاتل حسین ہوتا۔ اور شریک قتل ہوتا اور رب مجھے معاف کر کے جنت میں بھی بھیج دیتا تو کبھی نبی اکرم کے سامنے نہ جاتا۔

از روئے تاریخ بنات رسول اور آل رسول کے علاوہ سب سے پہلے جس شخص نے فرزند رسول کی بے رحمانہ شہادت پر مرثیہ لکھا تھا۔ اس کا نام عقبہ ابن عمرو عبسی تھا۔

پہلے مرثیہ کے اشعار یہ ہیں۔

ماذلت ابکیہ وارثی لشجوہ ویسعد عینی ومعہا وزفیرہا

میں ہمیشہ اس کے غم میں روتا رہوں گا اور مرثیہ خوانی کرتا رہوں گا میری آنکھیں۔ آنکھوں کے آنسو اور میری آہیں میرا تعاون کرتے رہیں گے۔

وناديت من حول الحسين عصائبا اطافت به من جانبيه قبورها

حسین کے ارد گرد اصحاب حسینؑ میں ایک ایک کا نام لے کر پکارتا رہا ان کی قبروں نے حسین کے ارد گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔

سلام على اهل القبور بكربلا وقل لها منى سلام يزورها

کربلا میں تمام قبروں پر میرا سلام ہو میرا زیارت کرنے والا سلام بہت کم ہو گا؟

سلام بآصال العشی وبالضحیٰ   یؤدیه تکباء الریاح مورها

شام کے ڈھلتے سائے اور چاشت کے بڑھتے سائے میں سلام ہو جسے چوطرفی ہوائیں بے کران تک پہنچاتی رہیں۔

وہ برا انزدار زدار قبرہ   یطوح علیهم سکها و عبیرها

قبرِ حسین کے زائرین کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور ان پر کربلا سے اٹھنے والی مشک و عنبر کی مہک قربان ہوتی رہے۔

مجلس

نبی زادیاں دربار یزید میں

ارشاد مفید کے مطابق جب آل محمدؐ کے مرد قیدیوں کو بلایا تو چونکہ مرد اور نبی زادیاں ایک ہی رسی میں بندھے ہوتے تھے اس لیے سب کے سب داخل دربار ہوتے۔

یزید نے تمام قیدیوں کو دربار کے ایک طرف کھڑا کرنے کا حکم دیا سر مظلوم یزید نے اپنے سامنے رکھا۔

جب زہرا زادیوں نے سر مظلوم کو یزید کے سامنے دیکھا۔ تو بنت زہراؑ نے یوں بین کرنا شروع کیا۔

یاحبیبنا یا حبیب رسول اللہ۔	ہائے ہمارے پیارے۔ اے رسول کے پیارے۔
یابن مکة ومنی	ہائے مکہ و منیٰ کے بیٹے۔
یابن فاطمة الزهراؑ سیدة النساء۔	ہائے سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کے بیٹے۔

یا بن بنت المصطفیٰ۔	ہائے دختر مصطفیٰ کے بیٹے۔
یا ربیع الارامل و الیتامیٰ۔	ہائے بے واؤں اور یتیموں کے سہارے۔
یا قتیل اولاد الادعیاء۔	ہائے حرام زادوں کے مقتول۔

انوار نعمانیہ کے مطابق جب تمام نبی زادیاں دربار یزید میں پیش کر دی گئیں تو یزید ایک ایک بی بی کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

من هٰذہ و من هٰذہ۔	یہ بی بی کون ہے اور یہ بی بی کون ہے؟

حتیٰ کہ یزید نے ایک کمسن بچی کو دیکھا کہ جس کے گلے میں رسی تھی۔ اور دونوں بازوؤں کی کہنیوں میں منہ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یزید نے پوچھا۔

من هٰذہ۔	یہ بچی کون ہے؟

زجر ابن قیس کے ہاتھ میں رسی تھی اس نے جواب دیا۔ یہ سکینہ بنت حسینؑ ہے۔

یزید نے پوچھا۔ اے دختر حسین یہ تو نے کہنیوں میں منہ کیوں دے رکھا ہے؟

بچی نے کوئی جواب نہ دیا۔

جناب سجاد کی طرف دیکھا۔

یزید نے دو بار سوال کیا۔ لیکن بچی نے کوئی جواب نہ دیا نہ زجر ابن قیس

نے رسی کو جھٹکا دیا۔ بچی کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

جناب سجاد نے فرمایا۔

ظالم بچی کے گلے میں رسی پہلے ہی اتنی تنگ ہے کہ وہ بات کا جواب نہیں دے سکتی تو رسی کو جھٹک رہا ہے۔

یزید نے زجر کو رسی ڈھیلی کرنے کا حکم دیا۔ جب زجر آگے بڑھا تو بچی تڑپنے لگی اور بندھے ہوئے ہاتھوں سے منع کرنے لگی۔

یزید نے جناب سجاد سے پوچھا۔ بچی رسی ڈھیلی کرنے سے کیوں منع کر رہی ہے؟

جناب سجاد نے فرمایا۔ یہ نہیں چاہتی کہ کوئی نامحرم اس کے قریب آئے۔

چنانچہ یزید کے حکم سے کچھ دیر کے لیے جناب سجاد کے ہاتھ کھولے گئے۔ جناب سجاد نے آکر اپنے ہاتھ سے رسی ڈھیلی کی۔

یزید نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

بنت حسین نے کہا۔

ظالم تجھے شرم نہیں آرہی۔ بار بار مجھی کو مخاطب کر رہا ہے۔ دوسری تمام مستورات عمر رسیدہ میں انہوں نے اپنے پردے بالوں سے بنا رکھے ہیں۔ میں کمسن ہوں۔ چادر ہے نہیں اور بال چھوٹے ہیں۔ ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے اگر کہنیوں میں منہ نہ چھپاؤں تو کیا کروں۔

تبھی مجمع سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر جناب سکینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اے یزید۔
کربلا کے مال غنیمت سے یہ بچی بطور کنیز مجھے دے دے۔
بنت حسین نے دختر زہرا کی طرف دیکھا۔ اور عرض کیا۔ پھوپھی اماں! کیا ہم اولاد رسول ان کی کنیزیں بنیں گی۔
بی بی نے پیار سے دیکھا۔ اور فرمایا۔
میری بچی مطمئن رہ ایسا نہیں ہو گا۔ پھر بی بی اس شخص کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔

اسکت یالکع الرجال	اے حرام زادے خاموش رہ
قطع الله لسانك و	اللہ تیری زبان قطع کرے۔
اعمی عینیك و ایبس	تیری آنکھیں اندھی کرے۔ تیرے
یدیك وجعل النار	ہاتھ خشک کر دے۔ جہنم تیرا
مثواك ان اولاد الانبیاء	ٹھکانا بنائے۔ تجھے معلوم
لایكونون خدمًا لاولاد	نہیں کہ انبیاء کی اولاد حرامزادوں
الادعیاء۔	کی خادم نہیں ہوا کرتی۔

جونہی بی بی کی دعا ختم ہوئی۔ اس شخص نے چیخ ماری۔ بے ہوش ہو کر زمین پر گرا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کے ہاتھ خشک ہو کر گردن سے چمٹ چکے تھے۔ زبان کٹ چکی تھی اور آنکھیں اندھی ہو چکی تھیں۔ یہ دیکھ کر بی بی نے ان الفاظ میں شکر باری کیا۔

الحمد لله الذی عجل	اس اللہ کی حمد ہے کہ جس
علیك العقوبة قبل	نے آخرت سے قبل دنیا میں

الاٰخرہ ھذا اجزاء	تیری سزا فوری کر دی ہے۔
من یتعرض	دیکھ لے۔ اولاد انبیاء کی طرف
بحرم رسول اللہ ۔	جو بُری نگاہوں سے دیکھنے والے
	کا انجام یہی ہوتا ہے۔

روضۃ الشہداء کے مطابق بنت زہراؑ نے جب زیر تخت سر مظلوم دیکھا تو بے اختیار آگے بڑھیں۔

اور یزید سے فرمایا۔

یزید یہ سر ہے تو میرے بھائی کا۔ اگر اجازت ہو تو میں اسے سینہ سے لگا لوں۔

یزید نے اجازت دی۔ خدا معلوم بی بی نے مجبور ہاتھوں سے کیسے اٹھانے کی کوشش کی۔ جب یزید نے دیکھا تو جناب سجادؑ کے ہاتھ کھولنے کا حکم دیا جناب سجاد نے پھوپھی کے ہاتھ کھولے۔ بی بی نے سر کو اٹھایا۔ سینہ سے لگایا۔ اور خشک لبوں کا بوسہ لیا۔ اور غش کھا گئیں۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو فرمایا۔

اے یزید ہمیں امید ہے کہ قیامت میں ہمیں اس کا اجر ملے گا جو تو نے سلوک کیا ہے۔

کامل سقیفہ میں ہے کہ عراق کا ایک درباری مسخرہ زہیر نامی تھا۔ وہ دربار یزید میں مذاق کیا کرتا تھا اور اسے انعام ملتا تھا۔ جب اس نے آل محمدؐ کو پابند رسن دیکھا تو اس نے جناب فاطمہ بنت حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یزید یہ بچی مجھے بخش دے۔ اور ساتھ رسی کی طرف ہاتھ بھی بڑھایا۔

جناب فاطمہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر فرمایا۔

اقصر یدک عنا قطعھا اللہ۔ ہاتھ پیچھے ہٹالے اللہ اسے قطع کرے۔

اس نے جونہی یہ بات سنی اس کا دہشت کے مارے برا حال ہو گیا ساتھ ہی دل میں سوچنے لگا کہ۔ یہ قیدی تو عرب ہیں اس نے ایک درباری سے پوچھا۔

یہ قیدی تو عرب معلوم ہوتے ہیں اور ایسی جگہ کھڑے کیے گئے ہیں جہاں غیر عرب غیر مسلم قیدیوں کو کھڑا کیا جاتا ہے۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ تجھے شاید یہ نہیں بتایا گیا کہ۔ یہ رسول زادیاں ہیں۔ میں نبی زادہ ہوں یہ زہرا کی بہو بیٹیاں ہیں جنہیں تمہارے امیر نے قید کیا ہے۔

جب اس عراقی کو یہ علم ہوا تو اس نے اپنے منہ پر طمانچے مارے۔ روتا ہوا دربار سے باہر نکلا۔ اپنے خنجر سے اپنا دایاں ہاتھ کاٹا۔ اسے بائیں ہاتھ پر رکھ کر واپس دربار میں آیا۔ اور جناب سجاد کی خدمت میں عرض کی۔

آقا آپ کریم ہیں۔ مجھے معاف فرمادیں۔ بخدا میں نے کچھ اور سنا تھا۔ مجھے قطعاً یہ علم نہ تھا۔ پھر روتا ہوا دربار سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ کسی کو کہیں نظر نہ آیا۔

امالی میں مرقوم ہے کہ جناب فاطمہ بنت حسینؑ سے مروی ہے کہ جب ہم دربار میں داخل ہوئے اور یزید کے سامنے پابند رسن صف بستہ کھڑے تھے۔ تو ایک سرخ رنگ شامی اٹھا اور اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اے یزید۔ یہ بچی مجھے دے دے۔
میں پھوپھی کے قریب ہوئی اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر عرض کیا۔
پھوپھی اماں! کیا اب ہمیں کنیز بھی بنائے جائے گا بنت زہرا نے فرمایا۔ بیٹی تو مطمئن رہ۔

پھر اس شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

کذبت ولعنت ماذاك لك ولالہ۔	تو جھوٹا اور ملعون ہے۔ یہ اختیار نہ تجھے ہے نہ اسے۔

یزید نے کہا۔

بل کذبت واللہ لو شئت لفعلت۔	اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔

پھوپھی نے فرمایا۔

ان تخرج من ملتنا وتدین بغیر دیننا	بخدا! تجھے ایسا کرنے کا ہرگز حق نہیں ہے۔ ہاں میرے نانا کا کلمہ چھوڑ دے تو پھر دیکھا جائے گا۔

یزید نے کہا۔

انما خرج من الدین ابوك و اخوك	دین سے تو آپ کا باپ اور بھائی نکل گئے تھے۔
بی بی نے فرمایا۔ بدین اللہ ودین اخی وابی وجدی اھتدیت	تو نے اللہ۔ میرے نانا۔ میرے بابا اور میرے بھائی کے دین ہی

انت وابوک وجدک۔ پر تو کلمہ پڑھا ہے۔

یزید نے کہا۔

یا عدوۃ اللہ۔ اے دشمن خدا۔

پھوپھی نے فرمایا۔ تو حکمران ہے۔ جیسا چاہے کہہ دے۔

ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ اس کے بعد اس شامی نے پھر اپنا مطالبہ دہرایا اس وقت یزید نے اس کو ڈانٹ کر کہا۔ مزید بک بک نہ کر۔ تجھے معلوم بھی ہے کہ یہ کون ہیں؟

شامی نے پوچھا۔ ہمیں وہی کچھ معلوم ہے جو تم نے بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ باغی قیدی ہیں۔

یزید نے کہا۔ نکل جا دربار سے۔ یہ سر حسین ابن علی ابن ابی طالب کا ہے اور یہ فاطمہ بنت محمدؐ کی بیٹیاں ہیں۔

اس شامی نے کہا۔

اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ اولاد انبیاء کو قتل کر کے ان کے سروں سے کھیلتا ہے اور نبی زادیوں کو کھلے سر رسن بستہ دربار میں اپنے سامنے کھڑا کرتا ہے۔ اور ہمیں کہتا ہے کہ یہ باغی ہیں۔

یزید نے کہا۔ ابے تو کیا بک رہا ہے۔

شامی نے کہا۔ جب تک معلوم نہ تھا اس وقت تو ہم معذور تھے۔ لیکن علم ہو جانے کے بعد اگر تجھ پر لعنت نہ کریں تو قیامت کے دن آنحضورؐ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

یزید نے کہا کیا تو بھی چاہتا ہے کہ تجھے ان سے ملا دوں؟

شامی نے کہا۔ اس سے زیادہ کون سی خوش نصیبی ہو گی۔

یزید نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اور اسے اسی دربار میں قتل کر دیا گیا۔

روضۃ الواعظین میں ہے کہ اس کے بعد یزید پھر سر مظلوم سے کھیلنے لگا اور بید کی چھڑی دانتوں پر مارنے لگا۔

اس وقت بنت زہرا نے یہ خطبہ دیا۔

الحمد لله رب العالمين	اللہ رب العالمین کی حمد ہے
وصلى الله على محمد	محمد اور ان کی تمام آل پر درود
وآله اجمعين	سلام ہو۔ سچ فرمایا ہے اللہ
صدق الله كذلك	نے کہ۔ جن لوگوں نے بد عملی
يقول ـ ثم كان عاقبة	کا ارتکاب کیا ہے آیات
الذين اساؤا	خدا کو جھٹلایا ہے۔ اور ان کا
السوء ان كذبوا	مذاق اڑایا ہے ان کا انجام برا
بآيات الله وكانوا	ہو گا۔ اے یزید ہمارے لیے
بها يستهزؤن ـ	آسمان و زمین کے مابین عرصہ
اظننت يا يزيد	حیات تنگ کر کے اور ہمیں
حيث اخذت علينا	قیدیوں کی طرح پابند رسن کر کے
اقطار السماوات والارض	کیا تو یہ سمجھا ہے کہ تیرے اس
واناق السماء فاصبحنا	عمل سے ہم اللہ کے ہاں حقیر
تساق كما تساق الاسراء	ہو گئے اور تو معزز ہو گیا

ان بناهوانا على الله
وبك عليه كرامة وان
ذلك لعظم خطرك عنده
فشمخت بانفك
ونظرت في عطفك
جذلان مسرورًا حيث
رأيت الدنيا لك
مستوثقة والامور
متسقة حين صفالك
ملكنا وسلطاننا .
مهلاً مهلاً انسيت
قول الله . لا تحسبن
الذين كفروا انما
نملي لهم خير لانفسهم
انما نملي لهم
ليزدادوا اثما
ولهم عذاب مهين
امن العدل يابن
الطلقا تخديرك حرا
ئرك وامائك وسوقك

اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا
کہ تو اللہ کے ہاں عظیم الشان
ہے۔ جس کی وجہ سے تو
اونچی ناک کر کے بغلیں بجا رہا
ہے۔ جب تو نے دنیا کو اپنے
سامنے جھکا ہوا اور حالات کو
اپنے حق میں دیکھا ہماری حکومت
اور سلطنت پر قبضہ کر کے تو
خوشی سے پھولا نہیں سماتا ذرا
صبر کر۔ ذرا صبر کر۔ کیا تجھے
اللہ کا یہ فرمان بھول گیا ہے
کہ۔ کفار کی دولت کو ان کے
حق میں بہتر نہ سمجھ ہم انہیں
اس لیے مہلت دے رہے
تاکہ ان کے گناہوں میں مزید
اضافہ ہو توہین آمیز عذاب الٰہی
کا مقدر ہے۔ اے غلام زادوں
کی اولاد کیا یہی عدل ہے
کہ تو نے اپنی مستورات اور
لونڈیوں کو پردوں میں بٹھا

نبات رسول الله	رکھا ہے اور رسول زادیوں
سبایا قد هتکت	کو قیدی کر رکھا ہے ان کے
ستودهن ۔ وابدیت	سروں سے چادریں چھین لی
وجوههن تحدوا	ہیں۔ دشمن انہیں ایک شہر
بهن الاعداء من	سے دوسرے شہر میں تشہیر
بلد الی بلد	کراتے رہے جنہیں ہر بازاری
یستشرفهن اهل	سرائے نشین دیکھتا پھرتا رہے
المناہل والمناقل	ہر قریب و دور کھڑا ہوا شخص
ویتصفح وجوههن	ہر رذیل و کمینہ دیکھنے کی کوشش
القریب و	کر رہا ہے۔ جب کہ ان کے
البعید الدنی و	ساتھ نہ کوئی تندرست مرد
الشریف و لیس	ہے اور نہ مددگار۔ بھلا اس
معهن من رجالهن	شخص سے حیا کی کیا توقع کی
ولا من حماتهن	جاسکتی ہے جو اس ماں کا
حمی وکیف ترتجی	بیٹا ہو جس نے پاکیزہ لوگوں
مراقبه ابن من	کا جگر چبایا ہو۔ اور جس کا گوشت
لفظ فوه اکباد الا	خون شہداء سے بنا ہو۔ ہم
زکیاء ونبت لحمه	اہل بیت کے بغض میں وہ شخص
من دماء الشهداء وکیف	کس طرح پیچھے رہ سکتا ہے
یستبطا فی بغضنا اهل	جو ہمیں بغض۔ عداوت، کینہ

بیت من نظر الینا
بالشنف و الشنان
والاضغان ثم تقول
غیر متاثم ولا مستغظم
لاھلوا واستھلوا فرحاً
ثم قالوا یا یزید لا تشل
فتمیا ثنایا ابی عبد
اللہ سید شباب
اھل الجنۃ تنکتھا
وکیف لا تقول و
قد نکات القرحۃ
واستاصلت الشامۃ
باراقتک دماء ذریۃ
محمد ونجوم الارض
من ابناء عبد المطلب
وتھتف باشیاخک
زعمت انک تناویھم
فلتردن و لتودن
انک شللت وبکمتا
ولم تکن قلت ما

اور حسد کی نگاہ سے دیکھتا ہو پھر
کسی احساس اور شرم کے بغیر
تو برسر دربار کہتا ہے میرے
آباء آج مجھے مرحبا کہتے خوشی
سے پھولے نہ سماتے اور کہتے
یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں پھر
تو سید شباب اہل جنۃ کے
دندان مبارک پر بید کی چھڑی
مارتا ہے۔ بھلا تو کس طرح
یہ باتیں نہ کرے گا جب کہ تو
نے زخم کھول دیئے۔ بدنصیبی
کو دعوت دی کہ تو نے ذریت
محمد۔ نجوم ارض۔ اور اولاد
عبد المطلب کو شہید کیا۔ اب
تو اپنے بزرگوں کو پکارتا اور
تو سمجھتا ہے کہ وہ تجھے جواب
دیں گے۔ عنقریب تو ان کے
پاس جاتے گا پھر تو اپنے
کیے اور کہے پر پشیمان ہو گا
اور تو کہے گا کہ کاش میرے

قلت وفعلت ما فعلت.	ہاتھ شل ہوتے اور میری زبان گنگی ہوتی جو کچھ میں نے کہا.
اللهم خذ بحقنا وانتقم من ظالمنا واحلل غضبك بمن سفك دمائنا وقتل حماتنا فو الله ما فريت الا جلدك ولاجذزت الا لحمك ولتردن على رسول الله بما تحملت من سفك دماء ذريته و انتهكت من حرمته فى عترته ولحمته حيث يجمع الله شملهم و يلم شعثهم ويأخذ بحقهم ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل	تھا نہ کہا ہوتا۔ اور جو کیا تھا نہ کیا ہوتا۔ اے اللہ! ہمارا انتقام تو ہی وصول فرما۔ ہمارے ظالموں سے انتقام لے. جن لوگوں نے ہمارے حامیوں کے خون بہانے میں اور ہمیں قتل کیا ہے ان پر اپنا غضب نازل فرما۔ بخدا تو نے اپنے ہی چمڑے پر چھری چلائی ہے اور اپنے ہی گوشت کو کاٹا ہے۔ عنقریب تجھے نبی اکرم کے سامنے اس کی ذریت کے خون۔ اور اس کی حرمت و عترت کی توہین کا بوجھ لے کر اس وقت جانا ہوگا۔ جب اللہ ان کی جماعت کو اکٹھا کرے گا۔ ان کی پراگندگی کو ختم کرے گا۔ ان کا حق وصول کریگا

اللہ امواتا بل احیاء	جو لوگ راہ خدا میں شہید
عند ربھم یرزقون	ہوئے ہیں انہیں مردہ مت
حسبک باللہ حاکمًا	سمجھو وہ زندہ ہیں۔ اور بارگاہ
و بمحمد خصیما	خالق میں رزق سے بہرہ ور
و بجبرائیل ظھیرًا	ہیں فیصلہ کے لیے تجھے اللہ
و سیعلم من سول	ہی کافی ہوگا۔ مدعی ہونے کی
لک و مکنک من	حیثیت سے محمد اور معاون کی
رقاب المسلمین	حیثیت سے جبریل کافی ہوگا۔ جس
بئس للظالمین	نے تجھے حکمران بنایا اور مسلمانوں
بدلا و ایکم	کی گردنوں پر سوار کیا اسے
مشر مکانا و اضعف	بھی عنقریب معلوم ہو جائے گا
جندا و لئن جرت	ظالمین کا برا ٹھکانا ہوگا۔ تجھے
علی الدواھی	معلوم ہو جائے گا کہ تم سے
مخاطبتک انی	مکان کے اعتبار سے بدتر اور
لاستقصر قدرک	معاونوں کے لحاظ سے کمزور
و استعظم تقریعک	تر کون ہے۔ ہاں یہ حادثات
و استکثر توبیخک	زمانہ ہی سے ہے کہ مجھے تجھ
لکن العیون	کو مخاطب کرنا پڑا ہے ورنہ
عبری و القلب	میں تجھے اس بات سے حقیر
حری الا فالعجب	سمجھتی ہوں کہ تجھ سے بات

کل العجب	کی جائے تجھے نصیحت کرنے کو
تقتل حزب الله	میں نصیحت کی توہین سمجھتی ہوں
النجبا بحزب	تجھے جھڑکنے کر جھڑک کی مذمت
الشیطان الطلقا	سمجھتی ہوں۔ لیکن کیا کروں۔
فهذه الایدی	آنکھیں بہتی ہیں اور دل کے
تنطف من دمائنا	پھپھولے جلتے ہیں۔ کتنے تعجب
والا فواه تتحلب	کی بات ہے کہ آج حزب اللہ
من لحومنا وهذه	کی شریف زادیوں کو آزاد
الجثث الزواکی	کردہ غلاموں کے شیطانی ٹولے
تنتابها العواسل	سے بات کرنا پڑ رہی ہے۔
ولئن اتخذ تنا	میرے سامنے وہ ہاتھ ہیں جو
مغنما لتجدنا و	ہمارے خون سے رنگین ہیں
شیکا مغرما	اور وہ منہ ہیں جن میں ہمارا
حین لا تجد	گوشت چبایا گیا ہے۔ اور
الاما قدمت	میرے پیچھے وہ پاکیزہ جسم ہیں
یداك وما ربك	جن پر ریگ صحرا اڑ رہی ہے
بظلام للعبید	آج اگر تو ہمیں غنیمت سمجھ
والی الله المشتکی	رہا ہے تو کل تو ہمیں اپنے لیے
وعلیه المعول	تاوان سمجھے گا اور وہ وہ وقت
فکد کیدك وسعر	ہوگا جب تیرے سامنے رہی

سعيك لا تمحو ذكرنا ولا تميت وحينا ولا تدرك امدنا ولا ترحض عنك عارها و هل رأيك الا فند و ايامك الا عدد وجمعك الا بدد يوم ينادي المنادي الا لعنة الله على الظالمين فالحمد لله رب العالمين الذي ختم لاولنا بالسعادة والمغفرة ولا خرنا بالشهادة والرحمة ونسئل الله ان يكمل لهم الثواب و

کچھ ہوگا۔ جو تیرے ہاتھوں نے کمایا ہوگا۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ شکوہ اللہ سے ہے اور بھروسہ بھی اسی پر ہے تو جیسے چاہے اپنا مکر وسیع کرے اور اپنی ہر کوشش کرکے دیکھ لے تو ہمارا ذکر نہ مٹا سکے گا۔ ہماری وحی کو مردہ نہ کرسکے گا۔ ہماری عمر کو نہ پا سکے گا۔ اس قتل کی لعنت کبھی تجھ سے نہ جائے گی۔ تیری فکر خام تھی۔ تیرے دن گنے جا چکے ہیں۔ تیری جمعیت بکھر جائے گی۔ اب اس دن کو یاد کر جس دن منادی ندا کرے گا۔ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمارے اوائل کو سعادت اور مغفرت عطا کی اور ہمارے اواخر کو شہادت

یوجب لهم	اور رحمت سے نوازا ہم اللہ
المزید ویحسن	سے ان کے ثواب کی تکمیل اور
علینا الخلافۃ	اجر جزیل کی درخواست کرتے
انہ رحیم	ہیں۔ وہ ہمیں ان کے ہی
ودود وحسبنا	خلف الرشید بنائے۔ وہ
اللہ و نعم	رحیم ومہربان ہے۔ اللہ ہمیں
الوکیل۔	کافی ہے وہی بہترین وکیل
	ہے۔

مقتل ابی مخنف کے مطابق بنت زہراؑ کے اس خطبہ سے پورے دربار میں سناٹا چھاگیا۔ کافی دیر تک لوگ روتے رہے۔ پھر یزید جناب سجاد کی طرف متوجہ ہوا۔

اور کہنے لگا۔

تیرے دادا اپنے کو میرے باپ سے اور تیرا باپ اپنے کو میرے باپ سے اچھا سمجھتا تھا۔ اب تم لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ کون اچھا ہے۔

جناب سجاد نے جواب میں فرمایا۔

قیامت کے دن پتہ چل جائے گا کہ کون اچھا ہے۔

یزید نے کہا۔

تعجب ہے تو میرا قیدی ہے اور میرے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے جلاد کہاں ہے؟

جب جلاد سامنے آیا تو یزید نے کہا کہ اس بیمار کو لے جاؤ اور اس کا

سر کاٹ کے لا۔

اس وقت تمام بنات رسول رونے لگیں۔

بنت زہرا نے فرمایا۔

یا یزید لقد رویت	اے یزید تو نے اہل بیت
الارض من دم اهل بیت	کے خون سے زمین کو سرخ کر
انرید ان لا تترک	دیا ہے۔ اب کیا تو یہ چاہتا
من نسل رسول الله	ہے کہ روئے زمین پر نسل
علی وجه الارض	رسول میں سے کسی ایک کو بھی
احدًا۔ کلا لا یکون	نہ چھوڑے۔ نہیں ایسا ہرگز
هذا۔	نہیں ہوگا۔

مدائنی کے مطابق جلاد جناب سجاد کو باغ میں لے گیا۔ وہ قبر کھودنے لگا۔ اور آپ مصروف نماز ہوگئے۔ جب وہ قبر بنا چکا تو اس نے آپ کے سر قلم کرنے کا ارادہ کیا کہ ہوا سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جلاد کے سینہ پر کچھ اس طرح پڑا کہ وہ گر کر بے ہوش ہو گیا اور اسی بے ہوشی میں مر گیا۔

خالد ابن یزید یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ دوڑ کر دربار میں گیا اور باپ کو تمام حال سنایا اس نے کہا۔ جلاد کو اسی قبر میں دفن کر دو اور ابن حسینؑ کو دربار میں لے آؤ۔

روضۃ الشہداء کے مطابق جب جناب سجادؑ واپس دربار میں آئے تو دربار یزید میں شاہانہ نوبت بجنے لگی۔ یزید کے بیٹے خالد نے جناب سجاد سے کہا۔

هذا نوبة ابي — میرے باپ کی نوبت بج رہی
فاين نوبة — ہے تیرے باپ کی نوبت
ابيلك۔ — کہاں ہے۔

جناب سجاد نے فرمایا۔

توفق هنيئة۔ — ذرا صبر کرو۔

اتنے میں صدائے اذان بلند ہوئی۔

جناب سجاد نے خالد ابن یزید سے فرمایا۔

اسمع هذا نوبة — ذرا سن اب یہ میرے بابا
ابي وجدی فلا — اور دادا کی نوبت ہے۔
تغتر بنوبة ابيك — اپنے باپ کی اس نوبت
تلك۔ — پر غرور نہ کر۔
واعلم انها تزول — یقین رکھ یہ نوبت بہت جلد
سريعا۔ — ختم ہونے والی ہے۔

ابن طاؤس نے لہوف میں لکھا ہے کہ اس کے بعد یزید نے ایک خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر امیر المومنین علیؑ اور فرزند رسول کی توہین کر۔ اور میری اور معاویہ کی مدح سرائی کر۔ چنانچہ وہ خطیب منبر پر گیا۔ اور ہر وہ بیہودگی بکی جو اس کے منہ میں آئی۔

جناب سجاد نے اسے فرمایا۔

روئے ارض پہ تجھ جیسا بے حیا کوئی نہیں ہوگا۔ تو نے مخلوق کی خوشنودی کی خاطر اللہ کو ناراض کیا ہے۔ یقین کر لے جہنم ہی تیرا ٹھکانا ہوگا

جناب سکینہ کا خواب :-

انوار نعمانیہ میں ہے کہ یزید نے کمسن سکینہ کو بے ساختہ روتے دیکھا تو پوچھا۔

بچی کیا بات ہے تو اس قدر روتے جا رہی ہے ؟

بی بی نے فرمایا۔

یزید جو مصائب یوم عاشور سے آج تک ہم نے دیکھے ہیں ان میں سے ہر مصیبت ہمارے لیے زندگی بھر رونے کو کافی ہے۔ لیکن آج صبح جب سے میں بیدار ہوئی اس وقت سے میں سب سے زیادہ رو رہی ہوں۔

یزید نے پوچھا۔ آخر آج صبح سے زیادہ رونے کا کیا سبب ہے؟

بی بی نے فرمایا۔

یزید جب سے ہم کربلا سے چلے ہیں اس وقت سے گذشتہ شب تک میں سو نہ سکی۔ اگر رونا چاہتی تھی تو یہ زجر ابن قیس تازیانے مارتا تھا۔ اور اگر سونا چاہتی تھی تو بے پالان کے اونٹ سے گرنے کا خطرہ تھا چونکہ تیری طرف سے دربار میں آنے کی اجازت نہیں ملی۔ ہم بیرون شام تین دن انتظار میں رہے آج رات جب میں سوئی تو میں نے جو خواب دیکھا ہے اس نے میرے گریہ میں اضافہ کر دیا ہے۔

یزید نے پوچھا کونسا خواب تھا۔

بی بی نے فرمایا۔

کل رات جب میں سوئی تو عالم خواب میں مجھے ایک محل نظر آیا جس کی

دیواریں یاقوت سے ستون زبرجد سے اور دروازے ساگوان سے بنائے گئے تھے ہیں اس محل کے دروازہ پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی کہ محل کا اندرونی دروازہ کھلا اس میں سے ایک غلام نسم کا شخص برآمد ہوا میں نے اس سے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟

اس نے جواب دیا۔

آپ کے بابا شہید کربلا حسینؑ کا ہے۔

پھر پانچ انتہائی بزرگ نقش افراد باہر آئے۔

میں نے اسی غلام سے پوچھا جو شاید انہی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

یہ بزرگ کون ہیں؟

اس نے جواب دیا۔

آگے آگے جناب آدم ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح ہیں۔ تیسرے جناب ابراہیم ہیں۔ چوتھے حضرت موسیٰ اور پانچویں جناب عیسیٰ ہیں۔

ان کے آخر میں ایک شخص باہر آیا۔ غم اس کے چہرے پر برس رہا تھا۔ آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ سر خاک آلود تھا۔ اور نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

میں نے غلام سے پوچھا۔

اور یہ کون ہیں!

اس نے جواب دیا۔

بی بی۔ کیا آپ انہیں نہیں پہچانتیں؟

میں نے کہا۔

نہیں پہچانتی۔

اس نے کہا۔

یہ آپ کے جدامجد سید الانبیاء نبی مصطفیٰ ہیں۔

جونہی میں تیرہ ستاروں میں دوڑ کر ان کے قریب آ گئی۔ سلام کیا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی بازو کھول کے اٹھا لیا۔ سینہ سے لگایا۔ میرا سر چوما۔ پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر میرے کان دیکھے۔ جن پر خون کے سرخ دھبے تھے۔ پھر میرے بازو دیکھے جن پر رسی کا نشان تھا۔ آخر میں میرے گلے پر رسی کے نشان کو دیکھا۔ اور بے ساختہ رونے لگے۔

میں نے عرض کیا۔

دادا جان! ذرا میرے پاؤں بھی تو دیکھیں۔ یوم عاشور کے بعد آج تک آپ کی امت نے پاؤں میں کچھ بھی نہیں پہننے دیا۔ میں پا برہنہ دھوپ میں پیدل چلتی رہی ہوں۔ کانٹوں پر دوڑتی رہی ہوں۔

پھر میں نے اپنے خاتم الانبیاء نانا کی آنسوؤں سے پُر ریش مبارک کا بوسہ لیا اور عرض کیا۔

نانا! کیا آپ مجھ سے نہ پوچھیں گے کہ آپ کی امت نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

یاجداہ! قتلت واللہ رجالنا۔	نانا! بخدا ہمارے سب مرد شہید کر دیئے ہیں۔
یاجداہ! ذبحت واللہ اطفالنا۔	نانا! بخدا ہمارے بچے تک ذبح کر دیئے گئے۔
یاجداہ! ھتکت	نانا! بخدا ہمارے سروں سے

واللہ حریمنا۔	چادریں چھین لی گئی ہیں۔
یاجداہ! لورأیتنا علی الاقتاب بغیر وطاء لاغطاء ولا حجاب رأیت امرا عظیما۔	نانا! اگر آپ ہمیں بے پالان کے اونٹوں بے مقنع و چادر سوار دیکھتے تو آپ ناقابل برداشت عظیم مصیبت کا مشاہدہ کرتے۔

میں نے دیکھا جناب آدم و نوح۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور جناب عیسیٰ بے تحاشا رونے لگے۔ میرے نانا دھاڑیں مار کر رونے لگے اور فرمانے لگے۔

میرے مظلوم بیٹے کی کمسن بیٹی اب چپ ہو جا۔ میرے کوبیدہ دل کر تو نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

پھر انہوں نے مجھے ایک مرتبہ چوما۔ زمین پر اتارا۔ اور فرمایا۔

بیٹی جا۔ اندر چلی جا۔

میں محل کے اندر داخل ہوئی۔ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ جس میں چھ مستورات بیٹھی تھی۔ ان میں سے پانچ تو سن رسیدہ تھیں لیکن چھٹی ان کی نسبت کم سن تھی۔ میں نے دیکھا اس کے بال کھلے ہوتے تھے۔

لباس سیاہ تھا۔ اس کے ہاتھ خون آلود تیروں سے چھدا ہوا قمیص تھا۔

میں نے ایک کنیز سے پوچھا۔ اس کمرہ میں بیٹھنے والی یہ مستورات کون ہیں؟

کنیز نے کہا۔ اے بنت مظلوم! ایک جناب حوا ہے۔ دوسری جناب مریم

ہے۔ تیسری جناب آسیہ ہے۔ چوتھی حضرت موسیٰ کی ماں یوکبد پانچویں آپ کی جدہ ماجدہ خدیجۃ الکبریٰ ہے اور چھٹی جس کے ہاتھ میں پھٹا ہوا سرخ قمیص ہے آپ کی دادی دختر مصطفیٰ ہے۔

میں آگے بڑھی۔ اپنی دادی زہرا کے قریب ہوئی۔ اور کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا۔

اسلام علیک یا جدتاہ
دادی کمسن سکینہ کا سلام ہو۔

میری دادی نے سر اٹھایا۔ بہتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور فرمایا۔

سکینہ ہے؟

میں نے عرض کیا۔ ہاں دادی۔

وہ اٹھیں۔ جلدی سے میرے قریب آئیں۔ دونوں بازوؤں میں مجھے لے کر گلے لگایا۔

میں نے عرض کیا۔

یا جدتی علی صغر سنی اوتمت
دادی مجھے تو کمسنی میں یتیم کر دیا گیا ہے۔

دادی نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا۔ میرے سر کے خاک آلودہ بال چومے اور فرمایا۔

بیٹی بابا کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہوا؟

میں نے عرض کیا۔

دادی! کیا بتاؤں کیا ہوا۔ ہمارے خیام کو آگ لگا دی گئی ہمارے سروں

سے چادریں۔ کانوں سے گوشوارے۔ حتیٰ کہ پاؤں سے جوتے تک اتروا لیے گئے۔

پوچھا بیٹی تیرے بیمار بھائی کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا۔

دادی! بھلا اس بیمار کا کیا حال ہو گا جو خود بیمار ہو۔ اسے پیچھے بہت مقتول ریگ صحرا پر تڑپتا نظر آ رہا ہو۔ اور سامنے مائیں۔ بہنیں اور اعزہ کھلے سر بازاروں میں تشہیر کرائی جا رہی ہوں۔

دادی! ان لوگوں نے کئی مرتبہ میرے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی بیماری نے انہیں باز رکھا۔

دادی! میرے بھائی کے کندھے سے عبا تک اتار لے گئی ہے۔ اسکے لیے تو کثرتِ مرض سے اٹھنا اور بیٹھنا مشکل ہے۔

دادی! کاش آپ اس وقت میرے بیمار بھائی کو دیکھتی جب ان ظالموں نے اس کے گلے میں بھاری طوق ڈال کر اونٹ پر سوار کرانا چاہا۔ کتنی مرتبہ میرا بھائی سوار ہوتے ہوتے زمین پر آیا۔ جب انہوں نے میرے بھائی کو اونٹ پر بٹھایا۔ تو وہ سنبھل نہیں سکتا تھا۔ انھوں نے میرے بھائی کے دونوں پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے رسی سے باندھ دیے۔ کوفہ سے شام تک میرے بھائی کے پاؤں سے خون بہتا رہا ہے۔ اور اب زخموں سے بھی خون بہتا ہے۔ اور آنکھیں بھی خون روتی ہیں۔ شب و روز روتا ہے۔ جب نوکِ نیزہ پر بابا اور بھائیوں کے سر دیکھتا ہے تو روتا ہے۔ جب ہمیں رسن بستہ دیکھتا ہے تو روتا ہے۔

یہ سنکر میری دادی نے بآواز بلند رونا شروع کیا۔
اور مجھ سے پوچھا۔
مجھے تو صرف یہ بتا بیٹی۔ جب تیرا بابا شہید ہوگیا تو اسے کس نے دفن کیا اور کب دفن کیا۔
میں نے عرض کیا۔
دادی جان! آپ کا بیٹا کتنی بار دفن ہوا۔
پہلی دفعہ تو گھوڑوں کے سموں میں دفن ہوا۔
دوسری بار سیاہ آندھی میں دفن ہوا۔
اور تیسری بار ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوا۔
جب بارہ محرم کو ہم کربلا سے چلے اس وقت تک آپ کا بیٹا ریگ وصحرا پر بے گور وکفن تھا۔
پھر مجھے جناب آسیہ نے اپنی گود میں لیا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میرا پیشانی کا بوسہ لیا۔
اور کہا۔
اے بنت مظلوم! اب بس کر۔ ہمارے جگر پھٹ رہے ہیں۔ اور دختر خاتم الانبیاء بار بار غش کھا رہی ہے۔
یہ سنکر پورا دربار رونے لگا۔
یزید نے حکم دیا کہ۔
اب ان اسیروں کو واپس زندان میں لے جاؤ۔ چنانچہ واپس زندان میں لایا گیا۔

مؤلف ۔

اگرچہ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آل محمدؐ کی یہ حالت دیکھ کر یزید کو ترس آگیا اور اس نے آل محمدؐ کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ لیکن مسلمہ حقائق کے پیش نظر یہ صرف یزید کی بلا تنخواہ وکالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ خود ان مورخین اور ان کے علاوہ دیگر تمام مورخین حسب ذیل نکات پر متفق ہیں ۔

۱۔ یزید ہی نے جلاد کو حکم دیا کہ امام سجاد کو باغ میں لے کر شہید کر دے ۔ اور قتل امام کا حکم یزید نے کئی مرتبہ دیا ۔

۲۔ یزید ہی نے یہ حکم دیا تھا کہ امام سجاد کو اموی مسجد میں زیر منبر بٹھا کر خطیب حضرت علی، امام حسن اور امام حسینؑ پر سب و شتم کرے ۔

۳۔ یزید ہی نے امویوں سے مشورہ کیا تھا کہ جناب سجاد کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور انھوں نے مشورہ دیا تھا کہ اسے بھی ختم کر دے تاکہ بنی علی میں سے کوئی ایسا نہ بچے جو بنی امیہ سے انتقام لے سکے ۔

۴۔ یزید ہی نے اسیران آل محمدؐ کو ایسے غیر مسقف زندان میں رکھا جو نہ سردیوں سے محفوظ تھا نہ گرمیوں سے ۔

۵۔ یزید ہی نے اسیران آل محمدؐ کو اپنے دربار میں اتنی طویل دیر تک کھڑا کیے رکھا کہ مخدرات عفت کے پاؤں متورم ہو گئے ۔

۶۔ یزید ہی کے حکم سے سر مظلوم کربلا چالیس دن تک در دربار پر سولی چڑھایا گیا ۔

۷۔ یزید ہی کے حکم سے دیگر شہداء کے سر دمشق کے دوسرے دروازوں پر

نوکِ نیزہ پر آویزاں کیے گئے۔

۸۔ یزید ہی کے حکم سے اسیرانِ آلِ محمدؐ کو انہی قیدیوں کے لباس اور رسن بستگی کی حالت میں یزید کے گھر لے جایا گیا۔ تاکہ اموی عورتوں کی خوشی میں اضافہ ہو۔

مجلس

زندانِ شام

جس زندان میں اسیرانِ آلِ محمدؐ کو رکھا گیا۔ اس کے متعلق مورخین کی ارا۔ مختلف ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ بعض مورخین نے یزید کی طرف داری کی کوشش کی ہے ان مورخین نے بھی قید کے ابتدائی ایام کے سلسلہ میں دیگر مورخین سے اتفاق ہی کیا ہے۔

زندان شام ایک خرابہ تھا۔ جس کی دیواریں اس قدر بوسیدہ تھیں۔ کہ قریب سے گزرنے والے۔ بھی ڈر ڈر کے اور جلدی جلدی گزرتے تھے کہ کہیں دیوار گر نہ جائے۔ اس خرابہ کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ یہ جگہ گزرگاہ خاص و عام تھی۔

اس زندان میں کہیں چھت نہ تھی۔ نہ سردیوں میں تحفظ تھا۔ اور نہ گرمیوں میں۔ خدا معلوم عترت رسولؐ نے گرمیوں کا موسم کیسے گزارا۔ گرمیوں کے متعلق تو بعض مقاتل میں یہ ملتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد جوں جوں

سورج بلند ہوتا جاتا تھا سادانیاں دیوار کے سایہ میں سمٹتی جاتی تھیں۔ اور جب سایہ ختم ہونے کے برابر رہ جاتا تھا تو بچوں کو گود میں لے کر خود کھڑی ہو جاتی تھیں اور باری باری ایک قدم پر کھڑے ہو کر گرمی کا وقت گزارتی تھیں۔ سردیوں اور گرمیوں کی وجہ سے سادانیوں کے چہروں کے رنگ تک بدل گئے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں واپسی کے بعد حنیفہ اور جناب عبداللہ ابن جعفر کو پوچھنا پڑا تھا کہ۔

بنت زہرا کون ہے؟

بعض مورخین نے زندان کی دیواروں کی بوسیدگی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ۔

یزید یہ چاہتا تھا کہ اسیران آل محمدؐ میں سے کوئی بھی واپس نہ جائے جو کربلا میں شہید ہو گئے وہ تو کربلا میں رہ گئے۔ اور جو شام تک بچ گئے ہیں ان میں سے بھی کوئی واپس مدینہ نہ جائے۔ چونکہ دمشق میں اسیروں کی اکثریت مستورات پر مشتمل تھی۔ اور وہ انہیں تلوار سے شہید نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے یہی سوچا کہ زندان ایسا ہو کہ اس کی دیواروں کے نیچے دب کر بقیہ آل محمدؐ شام ہی میں ختم ہو جائے۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یزید نے جناب سجاد کو شام میں آزاد کر دیا تھا۔ آپ کے پاؤں سے بیڑیاں۔ گلے سے طوق اور ہاتھوں سے رسیاں کھول دی تھیں۔ اور آپ آزادی کے ساتھ بازاروں میں آتے جاتے تھے۔

☆

اولاً۔
تو تاریخی حقائق ان مورخین کا ساتھ نہیں دیتے اور۔
ثانیاً۔
اگر انہیں قبول کر بھی لیا جاتے تو بھی اس سے برأت یزید نہیں ہو سکتی کیونکہ جب تمام مخدرات عصمت زندان میں تھیں۔ اور در زندان پر رومی اور عراقی سپاہی پہرہ دار تھے۔
اگر یزید نے جناب سجاد کو آزاد کر رکھا تھا تو اس یقین پر کیا ہوگا کہ جس شخص کی مستورات زندان میں ہوں۔ وہ اگر آزاد بھی ہوگا۔ تو قیدی ہی رہے گا۔ کیونکہ جناب سجاد مخدرات عفت کو چھوڑ کر کہاں جاتے۔
بعض مورخین کے مطابق جب آل محمدؐ دربار کی پیشی سے فارغ ہو کر زندان میں آ گئے۔ تو یزید کے حکم سے سر مظلوم کربلا کو مسجد اموی کے مینار پر نصب کر دیا گیا۔ اور دیگر سرہائے شہداء دربار یزید کے مختلف دروازوں پر آویزاں رہے۔

مدت زندان :۔

مورخین اس مدت میں بھی مختلف ہیں کہ شام میں مدت قید کتنی تھی۔
بعض مورخین نے صرف سات دن لکھی ہے۔
بعض نے چالیس دن لکھی ہے۔
بعض مورخین نے چھ ماہ لکھی ہے اور
بعض مورخین نے ایک سال لکھی ہے۔

جہاں تک سات دن کی مدت قید کا تعلق ہے تو وہ روایتاً، درایتاً، نقلاً اور عقلاً کسی بھی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ

۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ کو شام میں رسیدگی ہے اور ۸ ربیع الاول ۶۲ھ کو مدینہ میں واپسی ہے۔ اگر سات دن مدت قید مان لی جائے تو پھر درمیان کی بقیہ مدت کو پورا کرنا ہوگا۔ کہ سادات نے کہاں گزاری ہے اور یہ بات صرف قیاس آرائیوں سے ثابت نہیں کی جاسکتی بلکہ ٹھوس تاریخی شواہد پیش کرنا ہوں گے۔

علاوہ ازیں انہی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سر ہائے شہداء بھی واپس لائے تھے۔ جب کہ انہی مورخین نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ۔ تمام سر ہائے شہداء دمشق کے دروازوں پر یا دربار یزید کے دروازوں پر چالیس دن آویزاں رہے۔

(مترجم۔ یہ خیال رہے کہ اختلاف صرف مظلوم کربلا کے سر میں ہے کہ وہ واپس ہوا ہے یا نہیں۔ دیگر شہداء کے سروں میں اختلاف نہیں ہے ان کے متعلق تقریباً تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ جناب سجاد کو واپس ملے تھے اور آپ انہیں کربلا لائے تھے)۔

جو مورخین مدت قید سات دن بتاتے ہیں، انہی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قید سے رہائی کے بعد سات دن تک سادات نے سیاہ لباس پہن کر دہیں شام میں سلسلہ عزا اور ماتم بھی جاری رکھا۔

علاوہ ازیں بھی متعدد وجوہ ایسی ہیں۔ جن کی بنا پر یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ آل محمدؐ صرف سات دن قید رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مورخین نے مدت قید کی تعین کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ انہوں نے شہادت حسینؑ کے بعد آسمان پر رونما ہونے والی سرخی کو پیمانہ بنایا ہے۔ کہ جب تک آل محمدؐ قید رہے اس وقت تک آسمان سرخ رہا اور جب آل محمد قید سے آزاد ہوتے اس وقت آسمان سے سرخی غائب ہو گئی اور آسمان پر رہنے والی سرخی کے متعلق چونکہ اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ شہادت مظلوم کربلا کے بعد چالیس دن تک آسمان سرخ رہا تھا۔

بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ چھ ماہ تک سرخ رہا۔ اور بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ ایک سال تک سرخ رہا۔ اسی سرخ کو بنیاد بنا کر مورخین نے مدت قید معین کر لی ہے۔

لیکن سرخی نہ تو مدت قید کا پیمانہ بن سکتی ہے اور نہ یہ پیمانہ ہے، مدت قید کی تعین جن علامات سے ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ یوم اربعین کربلا میں ورود۔ اور جناب عبداللہ ابن جابر انصاری سے ملاقات۔

۲۔ ایسا زندان جس میں نہ سردی سے تحفظ تھا نہ گرمی سے۔

۳۔ تقشر وجوہ۔ یعنی سادانیوں کے چہروں کا رنگ پریدہ ہونا۔

سنہ ۶۱ھ کے یوم اربعین کربلا میں ورود قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ ۱۲ محرم کو ابن زیاد کا مزید ہدایات کے لیے کوفہ سے شام قاصد کا بھیجنا۔ قاصد کا گھوڑے سے ساڑھے چھ سو میل طے کر کے جانا۔ پھر واپس آنا۔ ابن زیاد کا اسیران آل محمدؐ کو اونٹوں پر شام بھیجنا۔ اس قافلہ کا راستہ میں انتالیس منازل پر قیام۔

اسیران آل محمد کی تشہیر، پھر شام پہنچا سات دن قید گزار کر، سات دن ماتم اور عزاداری کر کے واپس ۶۱ھ ہجری کے یوم اربعین کربلا آ جانا عقلاً نقلاً ہر اعتبار سے ناممکن ہے۔

ایسے زندان پر اظہار تاسف کرنا جو نہ سردی سے محفوظ رہ سکے نہ گرمی سے۔ اسی صورت میں معقول ہو سکتا ہے جب زندان میں سردیاں اور گرمیاں گزاری جائیں۔ یہ مسلمہ حقیقت بھی سات دن کی روایت کی نفی کرتی ہے۔

تفسیر وجوہ۔

مخدرات عصمت کے چہروں کی رنگ پریدگی بھی نہ سات دنوں میں ممکن ہے نہ چالیس میں۔ بلکہ یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہو گی جب سردیاں اور گرمیاں دونوں موسم ایسی جگہ گزریں جس میں سردیوں اور گرمیوں ہر دو سے تحفظ ممکن نہ ہو۔

لہوف کے مطابق یزید نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ روزانہ محفل شراب منعقد کرتا تھا۔ اور محفل شراب کے وقت سر مظلوم کربلا کو سولی سے اتار کر اپنے سامنے رکھتا تھا۔ شراب پی پی کر بغلیں بجاتا تھا۔ اور سر مظلوم سے مخاطب ہو کر کہتا تھا دیکھ حسینؑ۔ یہی وہ شراب ہے جسے تیرے نانا کے دین میں حرام کیا گیا ہے۔

ایک دن اسی بزم شراب میں شاہ روم کا ایک قاصد بھی موجود تھا۔ جب اس نے سر مظلوم کی تازگی اور اس ظالم کی کمینگی دیکھی تو۔

شاہ روم کے قاصد نے پوچھا۔

یزید یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا۔
جس کا بھی ہو تجھے کیا ہے۔
قاصد نے کہا۔
میں تو صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب واپس جاؤں گا تو شاہ روم مجھ سے شام کے تمام حالات پوچھے گا۔ ان حالات میں ظاہر ہے مجھے سر کا نام بھی لینا پڑے گا۔
اگر آپ مجھے بتا دیں تو میں جب شاہ روم کو جا کر بتاؤں گا کہ یزید نے اپنے ایک دشمن کو قتل کیا تھا۔ جس کا سر میں اپنی آنکھوں سے اس کے سامنے دیکھا ہے تو شاہ روم بھی آپ کی اس خوشی میں شریک ہو گا۔ اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتائیں۔
یزید نے کہا۔
یہ حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب کا سر ہے۔
قاصد نے پوچھا۔ ان کی ماں کا نام کیا تھا؟
یزید نے کہا۔ فاطمہ بنت محمدؐ۔
قاصد کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے۔
اور کہنے لگا۔
یزید ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارا دین آپ کے دین سے اچھا ہے۔
یزید نے کہا۔ وہ کیسے۔
قاصد نے کہا۔
شاید تجھے معلوم نہیں کہ میں جناب داؤدؑ کی اولاد سے ہوں۔ میرے اور

جناب داؤد کے مابین کتنی پشتوں کا فاصلہ ہے۔ لیکن آج تک تمام نصرانی میرے قدموں کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ حسینؑ اور محمدؐ کے مابین ایک پشت کا فاصلہ بھی نہیں۔ تم نے اپنے نبی زادے کو کتنی بے دردی سے قتل کیا۔ اور کس ڈھٹائی سے نبی زادے کے سر پر بزم شراب آراستہ کر رکھی ہے۔

کیا تو نے گرجائے خاصر کی بات سنی ہے۔

یزید نے کہا۔ کبھی نہیں سنی۔

بھلا تو سنا دے کیا بات ہے؟

قاصد نے کہا۔ عمان اور چین کے مابین سمندر میں ایک جزیرہ ہے۔ جسے ثمانین کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا رقبہ اسی ×اسی فرسخ ہے۔ وہ جزیرہ ہم نصرانیوں کی واحد ملکیت ہے۔ اس جزیرہ میں کافور کے درخت پیدا ہوتے ہیں بڑا آباد اور زرخیز جزیرہ ہے۔ گرجوں کی بھی بہتات ہے اسی جزیرہ میں ایک بڑا گرجا ہے۔ جسے گرجائے خاصر کہتے ہیں۔

اس گرجا کے محراب میں ایک طاق ہے۔ اس طاق میں ایک سم رکھا ہوا ہے اس سم کا اردگرد سونے سے بنا ہوا ہے۔ تمام دیوار پر مخمل لگایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سم اس گدھے کا ہے جس پر حضرت عیسٰی سوار ہوا کرتے تھے۔

اے یزید! انصاری جنہیں تم کافر کہتے ہو وہ تو اس سم کا احترام کرتے ہیں جو اس گدھے کی طرف منسوب ہے۔ جس پر حضرت عیسٰی سوار ہوا کرتے تھے اور تم نے بلا فصل نبی زادے پر یہ ظلم کیا ہے۔

اب بھلا تو ہی بتا کہ۔

ہمارا عیسائی دین اچھا ہے۔ یا تیرا اسلام۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا کہ۔ اسے اسی جگہ قتل کر دے۔ تاکہ یہ واپس روم جا کر ہماری رسوائی نہ کرے۔

جب جلاد تلوار لے کر آ گیا۔ اور قاصد کو یقین ہو گیا کہ۔ اب جان بچنا مشکل ہے۔

قاصد نے یزید سے پوچھا۔

کیا واقعاً تو مجھے قتل کر دے گا؟

یزید نے کہا۔ میں نے تیرے سامنے حکم دیا ہے۔ جلاد کے ہاتھ میں تلوار تو خود دیکھ رہا ہے اب اس میں شک کی اگر کوئی گنجائش ہے تو پھر جب تلوار سے تیری گردن جدا ہو جائے گی اس وقت یقین کر لینا۔

قاصد نے اسی وقت۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ پڑھا۔

یزید نے کہا۔ اب کلمہ تجھے فائدہ نہیں دے گا۔

قاصد نے کہا۔ میں کلمہ تجھ سے جان بچانے کی خاطر نہیں پڑھ رہا۔ بلکہ اپنے ایمان کی خاطر پڑھ رہا ہوں۔ میں آج صبح سے حیران تھا۔ اب میری نہ صرف حیرت ختم ہو گئی بلکہ مجھے میری منزل نظر آ گئی ہے۔

یزید نے کہا۔ وہ کیا بات ہے؟

قاصد نے کہا۔ رات میں نے عالم خواب میں خاتم الانبیاء کی زیارت کی ہے ہمارے حضرت عیسیٰ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ اور انہوں نے مجھے بشارت دی کہ کل تو ہمارے پاس جنت میں پہنچ جائیگا

آج صبح سے میں حیران تھا کہ آج شام میں جنت میں کیسے پہنچوں گا۔ اب تو نے میری حیرت کو ختم کر دیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ سر مظلوم کربلا اٹھایا۔ سینہ سے لگایا۔ اور عرض کیا۔

السلام علیك یا بن رسول اللّٰہ۔

السلام علیك ایها المظلوم!

السلام علیك ایها الغریب۔

جلاد نے تلوار سے وار کیا۔ اور قاصد شاہ روم اسی جگہ شہید ہو گیا۔

مجلس

وفات سکینہ بنت حسینؑ

شیخ نے منتخب میں روایت کی ہے کہ امام حسینؑ کی تین سالہ کمسن بچی تھی جو ہر وقت بابا کے فراق میں گریاں رہتی تھی۔ جب یزید نے اسیران آل محمدؐ کو خرابہ شام میں رہنے کو جگہ دی تو اس بچی کا گریہ پہلے سے بڑھ گیا۔ ایک رات زندان میں بچی نے خواب میں اپنے بابا کے سر کو تخت یزید پر اس طرح دیکھا کہ یزید اپنی چھڑی سے دندان مبارک پر جسارت کر رہا ہے۔ اور سر مظلوم بارگاہ خالق میں استغاثہ کر رہا ہے۔

بچی نے خواب ہی میں پکار کے وا ابتاہ کیا۔

اور بے دار ہو گئی۔ بے داری میں بھی بچی وا وابناہ کہہ کے فریاد کرنے لگی کہ۔

تمام مستورات شہزادی کا نوحہ سنکر بے دار ہو گئیں۔ ایک ایک بی بی نے بچی کو گود میں لیا اور خاموش کرانے کی کوشش کی لیکن بچی یہ مطالبہ کرتی رہی

این والدی۔ میرے بابا کہاں ہیں؟

این قـرۃ عینی.	میری آنکھوں کی ٹھنڈک کہاں ہے۔
انی رأئیت رأسه بین یدی یزید وا یبنکته بالقضیب.	ابھی ابھی میں نے بابا کا سر یزید کے تخت پر دیکھا ہے۔ وہ دندان پر چھڑی سے گستاخی کر رہا تھا۔
احضروہ الی لاتزود منه۔	مجھے میرے بابا کا سر دے دو تاکہ میں اسے چوم تو لوں۔

تمام مخدرات عفت نے باواز بلند گریہ شروع کیا۔ جب صدائے نوحہ وشیون گوش یزید میں پڑی تو اس نے غلام کو پتہ کرنے کی خاطر بھیجا۔

غلام نے واپس جا کر یزید کو بتایا کہ بچی بابا کے سر کا مطالبہ کر رہی ہے یزید نے کہا کہ سر لے جاؤ۔ اور بچی کو دکھاؤ۔

سر لایا گیا طشت میں رومال سے پوشیدہ سر جب بچی کے سامنے پیش کیا گیا تو۔

شہزادی نے کہا۔

میں نے کھانا نہیں بابا کا سر مانگا ہے۔

اس پر آل محمد کے نوحہ وشیون میں اضافہ ہو گیا۔ جناب سجاد نے آگے بڑھ کر کے فرمایا۔

سکینہ یہ کھانا نہیں تیرے بابا کا سر ہے۔

بی بی نے جلدی سے سر کو طشت سے اٹھایا۔ جھولی میں رکھا ریش مبارک کو دائیں بائیں سے بوسے دیئے۔ پھر گلوئے بریدہ کو بوسہ دیا تازہ ٹپکتے ہوئے خون سے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ اپنے منہ اور پیشانی کو خضاب کیا اور کہنے لگی۔

یا ابتاہ من ذاالذی خضبك بدمائك۔	بابا! آپ کو اپنے خون سے کس نے رنگین کیا۔
یا ابتاہ من ذاالذی قطع وریدك۔	بابا! کس نے آپ کے گلوئے نازنین پر خنجر چلایا۔
یا ابتاہ من ذاالذی ایتمنی علی صغر سنی۔	بابا! مجھے کمسنی میں کس نے یتیم کیا۔
یا ابتاہ من یقی بعدك نرجوہ۔	بابا! آپ کے بعد ہم کہاں جائیں۔
یا ابتاہ من للیتیمہ۔	بابا! تیری یتیم بچی کے سر پر کون دست شفقت رکھے گا۔
یا ابتاہ من للنساء الحاسرات۔	بابا! یہ برہنہ سر مخدرات عصمت کہاں جائیں گی۔
یا ابتاہ! من ملا رامل المسیسات۔	بابا! یہ قیدی بے وائیں کس کا سہارا لیں گی۔
یا ابتاہ من للعیون	بابا! ان رونے والی آنکھوں

الباکیات۔	کے آنسو کون پونچھے گا۔
یا ابتاہ لیتنی کنت الفداء۔	بابا! کاش میں آپ کی جگہ زیر خنجر قربان ہو جاتی۔
یاابتاہ! لیتنی وسدت الثری ولا براری۔	بابا! کاش میں مٹی میں مل جاتی مگر آپ کی خون آلود ریش نہ دیکھتی۔

اس کے بعد بی بی نے یہ مرثیہ پڑھا۔

یاوالدی لیتنی کنت الفداءولا اراک واثراس شہو ربلد انی۔

بابا! کاش میں آپ کی جگہ ذبح ہو جاتی اور آج آپ کا نوک نیزہ پر بلند سر شہر بشہر پھراتا نہ دیکھتی۔

رجالنا قتلوا اطفالنا ذبحوا نسائنا سلبوا واطول احزانی۔

بابا! ہمارے تمام مرد قتل کردیئے گئے بچے ذبح کر دیئے گئے ہماری مستورات کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں اور ہمارے غم طویل ہو گئے۔

اس کے بعد شہزادی خاموش ہو گئی۔ اور سر سے آواز آئی۔

یابنیۃ الی الی ھلمی اناالک بالانتظار۔	بیٹی جلدی جلدی میرے پاس آجا میں تیرے انتظار میں بے چین ہوں

مظلوم کربلا کے سر سے یہ آواز سنکر تمام اہل حرم نے ایک مرتبہ نوحہ ستون بلند کیا۔ دختر علی نے آگے بڑھ کر جناب سکینہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے جگانے کی

کوشش کی. لیکن شہزادی نہ جاگی۔ بی بی معصومہ کے ہاتھوں سے سرِ مظلوم لینا چاہا تو شہزادی ایک طرف جھک زمین پر دراز ہو گئیں. بنت زہرا نے جب نبض پر ہاتھ رکھا. تو بے ساختہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا.

رات کا وقت تھا زندان میں واحمدہ اور واحسیناہ سے ماتم شروع ہو گیا یزید نے دریافت احوال کے لیے غلام بھیجا تو اسے بتایا گیا کہ جس معصومہ نے بابا کا سر مانگا تھا اس کا انتقال ہو گیا ہے ۔

مجلس

خطیب یزید اور خطیب آل محمد

اگرچہ مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ جناب سجاد نے دربار شام میں خطبہ کب دیا۔ کیا پہلی پیشی کے وقت دیا یا کسی اور پیشی کے وقت۔ لیکن چونکہ الفاظ خطبہ میں اتفاق ہے۔ اس لیے ہم جناب سجاد کے اس خطبہ کی عبارت پیش کرتے چلے ہیں۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق یزید نے اپنا ایک انتہائی فصیح و بلیغ خطیب بلایا اور اسے کہا۔

منبر پر جا کر تجھ سے جس قدر ہو سکتا ہے۔ شیخین اور بنی امیہ کے فضائل بیان کر اور آل محمدؐ کی جس قدر توہین کر سکتا ہے۔ بیان کر۔

خطیب منبر پر آیا۔ اور اس سے جو کچھ ہو سکا اس نے بنی امیہ وغیرہ کی مدح ثنا کی اور آل محمدؐ کی تنقیص کی۔

جناب سجاد نے خطیب سے تو صرف اتنا فرمایا کہ۔

تو نے مخلوق کی خوشنودی کی خاطر اللہ کی ناراضگی خرید لی ہے۔

پھر یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اگر اجازت ہو تو میں بھی منبر پر کچھ ایسی باتیں لوگوں کو بتاؤں جن میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہو۔

یزید نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ درباریوں نے یزید سے کہا کہ یہ بیمار بچہ کیا کہہ سکے گا۔ جسے رونے اور اپنے غموں سے فرصت ہی نہ ہو اسے اجازت دے دو چار جملوں سے بڑھ کر کچھ نہ کہہ سکے گا۔

یزید نے کہا۔

تمہیں نہیں معلوم فصاحت و بلاغت اور شجاعت و فضائل اس خاندان کو ورثہ میں ملے ہیں۔

انہیں کسی سے سیکھنا نہیں پڑتے مجھے ڈر ہے کہیں اہالیان شام کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

معاویہ بن یزید نے باپ سے کہا۔

ابا جان بھلا اس کمزور۔ بیمار۔ لاغر اور غم زدہ سے کیا ڈر اور خوف ہو سکتا ہے۔ آپ اسے اجازت دے دیں۔ جب یزید کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا تو مجبوراً اس نے جناب سجاد کو اجازت دی آپ برسر منبر تشریف لائے۔

حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا۔

ایھا الناس من	اے لوگو! جو مجھے پہچانتے
عرفنی فقد عرفنی۔	ہو سو پہچانتے ہو!
و من لم یعرفنی	اور جو نہیں پہچانتے انہیں

فانا اعرفه بنفسی	میں خود اپنا تعارف کرتا ہوں۔
انا علی ابن الحسینؑ ابن علی المرتضیٰ۔	میں علی ابن الحسین ابن علی مرتضیٰ ہوں۔
انا ابن من حج وسیی	میں حج کرنے والے اور لبیک کہنے والے باپ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن من طاف و سعیٰ۔	میں سعی وطواف کرنے والے باپ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن زمزم وصفا	میں زمزم وصفا کا فرزند ہوں
انا ابن فاطمة الزهرا۔	میں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں۔
انا ابن المذبوح من القفاء۔	میں اس کا فرزند ہوں جسے پس گردن سے شہید کیا گیا ہے۔
انا ابن العطشان حتی قضیٰ۔	میں اس پیاسے کا بیٹا ہوں جسے تادم آخر پیاسا رکھا گیا۔
انا ابن من منعوه من الماء۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کا پانی بند کر لیا گیا۔
انا ابن محمدؐ المصطفیٰ	میں محمدؐ مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔
انا ابن صریع کربلا۔	میں شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔
انا ابن من راحت انصاره تحت اثریٰ۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کے انصار تحت اثریٰ چلے گئے۔

انا ابن من غدت حرمه اسریٰ	میں اس کا بیٹا ہوں جس کے الحرم پابند رسن کیے گئے۔
انا ابن من ذبحت اطفاله من غیر سولیٰ	میں اس کا بیٹا ہوں جس کے بے گناہ بچے ذبح کیے گئے۔
انا ابن من اضرم الاعداء فی خیمته لظیٰ۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کے خیام کو دشمنوں نے نذر آتش کر دیا۔
انا ابن من اضحی صریعاً فی النقیٰ۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کی لاش میدان میں بے گور چھوڑی گئی۔
انا ابن من لا له غسل ولا کفن یریٰ۔	میں اس کا بیٹا ہوں جسے غسل دیا گیا نہ کفن۔
انا ابن من رفعوا رأسه علی القنا۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کے سر کو نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔
انا ابن من هتك حریمه بارض کربلا۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کی عترت کے سروں سے میدان کربلا میں چادریں چھین لی گئیں
انا ابن من جسمه بارض و رأسه باخریٰ۔	میں اس کا بیٹا ہوں جس کا جسم ایک جگہ اور سر دوسری جگہ ہے۔

انا ابن من لا یری حوله غیر الاعداد۔

میں اس کا بیٹا ہوں۔ جسے دم آخر اپنے گرد دشمنوں کے علاوہ کوئی اپنا نظر تک نہ آتا تھا۔

انا ابن من سبیت حریمه الی الشام تهدی۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس کی عترت کو شام تک بے پالان کے اونٹوں پر لایا گیا۔

انا ابن من لا له ناصر ولا حمی

میں اس کا بیٹا ہوں جس کا نہ کوئی ناصر تھا نہ حامی اور مددگار۔

ایها الناس قد فضلنا الله بخمس خصال فینا والله مختلف الملائکه ومعدن الرساله۔

لوگو! ہمیں اللہ نے پانچ خصوصیات سے ممتاز فرمایا ہے بخدا رسالت کی کان ہم ہیں اور ملائکہ ہمارے ہی گھر میں آتے تھے۔

فینا نزلت الایات ونحن قدنا للعالمین مدی۔

قرآنی آیات ہمارے بارہ میں نازل ہوئی ہیں ہم نے عالمین کو ہدایت دی ہے۔

فینا الشجاعة فلم نخف بأسا وابراعة

شجاعت ہمارے پاس ہے ہم کبھی گھبراتے نہیں۔ براعت

والفصاحة اذا افتخر الفصحاء۔	اور فصاحت ہمیں ملی ہے اگر لوگ فصاحت پر فخر کریں تو ہمارا نام سرِ فہرست ہوگا۔
فینا الھدیٰ الیٰ سبیل السواء والعلم لمن اراد ان یستفید علی والمحبة فی قلوب المومنین من الوریٰ۔	راہِ حق کی ہدایت ہم میں ہے علم جو افراد کے لیے علم ہمارے پاس ہے۔ بھری کائنات میں قلوبِ مومنین میں محبت ہمارے لیے ہے۔
ولنا الشان الاعلیٰ فی الارض والسماء ومن لولانا ما خلق اللہ الدنیا وکل فخر دون فخرنا ھوی۔	ارض و سماء میں شانِ اعلیٰ ہماری ہے۔ ہم وہ ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ ہمارے فخر کے سامنے ہر فخر ہیچ ہے۔
یا محبنا یسقی و باغضنا یوم القیامہ یشقی۔	قیامت کے دن ہمارے محبوں کو حوضِ کوثر سے سیراب کیا جائے گا اور ہمارا دشمن بدنصیب ہوگا۔

جب آپ یہاں تک پہنچے تو دربارِ یزید میں تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔ ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی۔

یزید ڈر گیا کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔

یزید نے موذن سے کہا۔ اذان کہہ۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ تو نے بڑی ذات کو اکبر اور عظیم ذات کی عظمت بیان کی ہے تو نے سچ کہا ہے۔

موذن نے کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ

امام سجاد نے فرمایا۔ میں بھی ہر شہادت دینے والے کے ساتھ اس کی توحید کی شہادت دیتا ہوں۔

موذن نے کہا۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔

امام نے فرمایا۔ یزید بھلا بتا یہ محمدؐ تیرا جد امجد ہے یا میرا؟

یزید نے کہا۔ آپ کا۔

امام نے فرمایا۔ اگر محمدؐ میرا جد امجد ہے تو خدا کے لیے بتا اسی کے دین و نبوت کی گواہی دے کر تو نے اس کی اولاد کو کس جرم میں شہید کیا ہے اور اس کی عترت کو کس گناہ میں پابند رسن کر کے خرابہ شام میں محبوس کیا ہے۔

اس کے بعد منہال ابن عمرو نے پوچھا۔

اے فرزند رسول کیا حال ہے؟

آپ نے فرمایا۔

بھلا اس شخص کا حال بھی پوچھا جاتا ہے۔ جس کا باپ بے گناہ شہید کر دیا گیا ہو۔ اس کا لاشہ بے گور و کفن چھوڑا گیا ہو۔ جس کے انصار نہ ہوں۔ جس کے اہل بیت کو دشمنوں کے مجمع میں تشہیر کیا گیا ہو اور کیا جا رہا ہو۔ اس وقت ہم

کے سوا ہمارے پاس کوئی لباس نہیں۔

اگر تو پوچھنا چاہتا ہے تو لو دیکھ لے میرا حال۔ دشمن خوش ہو رہے ہیں دوست آنسو بہا رہے ہیں؟

منہال کیا تجھے معلوم نہیں کہ۔ عرب غیر عربوں پر فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم سے ہے۔

قریش عربوں پر فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم سے ہے۔

اور ہم اسی محمدؐ کے اہل بیت ہیں۔ ہمیں اسی محمدؐ کے حرم میں رہنے نہیں دیا گیا۔

ہمیں قتل کیا گیا۔ پانی بند کیا گیا بے گور و کفن چھوڑا گیا۔ پابند رسن کر کے کوفہ سے شام تک جگہ جگہ تشہیر کیا گیا۔

کیا تجھے نظر نہیں آ رہا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے دین بنی امیہ کا ہو اور آل محمدؐ اس کی غلام ہو۔

لوگوں میں ایک مرتبہ طوفان گریہ بلند ہوا۔

یزید نے غصہ میں آ کر موذن سے کہا۔ تو نے اس جوان کو کیوں منبر پر جانے کی اجازت دی؟

موذن نے کہا۔ مجھے کیا علم تھا کہ۔ اتنے مصائب اور جبر و تشدد کے باوجود بھی یہ نوجوان اتنی فصاحت و بلاغت اور بے باکی سے اتنا عمدہ خطبہ دے گا۔

یزید نے کہا

ارے ظالم! تجھے معلوم نہیں تھا کہ۔ یہ معدن رسالت اور اہل بیت

نبوت کا نور ہے۔

موذن نے کہا۔

اگر ایسی بات تھی تو پھر تو نے کیوں ان پر اتنے مظالم کیے۔ مردوں کو قتل اور مخدرات عفت کو رسن بستہ کیا۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا کہ۔ موذن بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے لے دربار سے باہر نہ جانے دے یہیں قتل کر دے حکم یزید سے جلاد نے ایک وار سے موذن کی گردن اڑا دی۔

احتجاج میں یہی روایت منہال کی بجائے مکحول صحابی نبی اکرم سے منقول ہے۔

انوار نعمانیہ میں یہی روایت منہال ابن عمرو سے ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ۔

امام سجادؑ مجھے یہ جواب دینے کے بعد واپس پلٹے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

اپنے اس زندان میں جس میں یزید نے مجھے ذریت رسول کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اس زندان کی نہ چھت ہے اور نہ سردی یا گرمی سے بچانے والی کوئی چیز۔ جب سے اس میں بند ہوتے ہیں آج تک ہوا کو ترس رہے ہیں۔

مجبور مستورات کا میں ہی تنہا سہارا ہوں۔ اگر مجھے یزید کی پیشی میں زیادہ وقت صرف ہو جاتے تو تمام مستورات بے چین ہو کر در زندان پر جمع ہو جاتی ہے اور سپاہیوں کی منت کرنے لگتی ہیں کہ ہمیں ہمارے امام کی اطلاع

دے زندہ ہے یا نہیں۔

ابھی تک آپ یہی بات کر رہے تھے کہ زندان بان دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ فرزند رسول آپ کو آپ کی پھوپھی بلا رہی ہیں۔ یہ پیغام سنکر آپ جلدی سے زندان بان کے ساتھ زندان میں چلے گئے۔

امام سجاد کے مذکورہ خطبہ کو متعدد مورخین نے قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مجلس

آلِ محمدؐ خانہ یزید میں

بحار۔ مناقب۔ ابو مخنف اور دیگر مورخین کے مطابق جب یزید کو قدرے اطمینان ہو گیا اور خرابہ شام میں آل محمدؐ کو محبوس کرنے کے باوجود بھی اسے انقلاب اور انقلاب کے کوئی آثار نظر نہ آتے۔ تو اس نے اپنے اہل خانہ کی خواہش پر آل محمدؐ کو اپنے گھر لائے جانے کا حکم دیا۔

اس سلسلہ میں یزید نے جو اہتمام کیا وہ یہ تھا کہ سر مظلوم کربلا کو اس نے اپنے گھر کے اس دروازہ پر آویزاں کرنے کا حکم دیا جس دروازہ سے آل محمدؐ کو اس کے گھر میں داخل کیا جاتا تھا۔ جب سر مظلوم زہرا آویزاں ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ اب عترت رسول کی مخدرات کو گھر میں لایا جائے۔ دروازہ پر سر کو آویزاں کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ بنات زہراؑ کے کباب دل ایک مرتبہ پھر جل جائیں۔ اور بہ دستور گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے شہید آقا کو دیکھ لے۔ اور ان کی نگاہوں میں میدان کربلا کا نقشہ پھر سے تازہ ہو جائے۔

جب دختران زہرا خانہ یزید میں داخل ہوئیں تو تمام اموی عورتوں نے

انہیں دیکھا۔ان مخدرات کے چہروں پر غربت اور مظلومیت کچھ اس طرح برس رہی تھی کہ تمام اموی عورتوں کو اپنے بارہ سنگھار بھول گئے۔

ان کا خیال تو یہ تھا کہ جب دختران زہرا ہمارے گھر آئیں گی۔ ہماری شان و شوکت دیکھیں گے۔ ہماری سج۔دھج۔لباس۔اور خوشبو دیکھیں گی۔ تو وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر ہماری عظمت کی قائل ہو جائیں گی۔

لیکن ان کے تمام ارادے اور تمام خیالات اس وقت ریت کا محل ثابت ہوئے جب بوسیدہ لباس میں سر و پا برہنہ عظمت کا کوہ گراں مخدرات عفت نے گھر میں قدم رکھا۔ اگرچہ۔

اموی عورتوں نے نئے نئے قیمتی اور بھڑکیلے لباس پہن رکھے تھے۔ اور۔ دختران زہراؑ کے لباس بوسیدہ۔گرد آلود۔اور سیاہ ماتمی لباس تھے۔مگر۔

اموی عورتیں خود اپنے کو ہیچ محسوس کرنے لگیں اور بے ساختہ استقبال کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اموی عورتوں نے رنگارنگ زیورات پہن رکھے تھے۔اور

ذریت رسول کے کانوں میں بالیاں تک نہ تھیں بلکہ بعض شہزادیوں کے کانوں کی لو پر آج بھی ظلم و بربریت کے وہ نشان موجود تھے جن سے گوشوارے اتارے گئے تھے۔

مگر اموی عورتوں نے ان چہروں کی عظمت و جلالت سے مغلوب ہو کر اپنے گلوں سے مالائیں۔کانوں سے گوشوارے اور ہاتھوں سے کنگن اتار کر پھینک دیئے۔

اموی عورتوں نے سروں پر قیمتی ریشمی چادریں لے رکھی تھیں۔ جب ان کی نگاہ دختران زہرا کے بے چادر سروں اور بے مقنع چہروں پر پڑی تو انہوں نے اپنے سروں سے یہ کہہ کر چادریں اتار پھینکیں کہ جن سے ہم نے پردہ سیکھا تھا اگر دست ظلم و جور نے ان کے سروں سے چادریں چھین لی ہیں تو ہمیں چادریں کہاں مناسب ہیں۔

تمام اموی مستورات آگے بڑھیں اور بے ساختہ بنات زہرا کے گلے لگ کر نوحہ و شیون کرنا شروع کر دیا۔

یزید جس نے اپنے ذہن میں یہ سوچا تھا کہ اموی عورتیں بنات زہرا کی شکستہ حالی دیکھ کر خوش ہوں گی اور ذریت بتول کے غم میں اضافہ ہوگا۔ وہ دربار میں بیٹھ کر ایک ایک اموی عورت کی نوحہ خوانی اور صدائے گریہ و ماتم سن رہا تھا۔

ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہ یزید کا گھر نہیں بلکہ امام بارگاہ ہے جس میں عزاداری شبیر ہو رہی ہے۔

ہند زوجہ یزید نے جب آل رسول کی یہ حالت دیکھی تو نہ رہ سکی۔ اسی عالم غم و الم میں گھر سے باہر دربار میں آگئی۔

اور یزید کو لعنت کرنے لگی۔

یزید نے جلدی سے اٹھ کر اپنی چادر ہند کے سر پر ڈال دی اور کہنے لگا۔

ذرا ہوش سے کام لے۔ بھرے دربار میں چادر کے بغیر کیوں آگئی ہے۔ ہند نے فوراً جواب میں کہا:

تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

عظیت حرمتک وعترۃ رسول اللہ بلاد واءٍ۔	ظالم تجھے شرم نہیں آتی۔ اپنی عترت کو تو تو بے چادر نہیں دیکھ سکتا۔ اور عترت رسول کے سروں سے تونے چادریں چھین رکھی ہیں۔

منتخب میں ہند زوجہ یزید سے مروی ہے کہ ایک رات میں اپنے بستر پر سو رہی تھی کہ عالم خواب میں میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور ملائکہ گروہ در گروہ آسمان سے اتر اتر کر سر مظلوم کے قریب آکر کہتے ہیں۔

السلام علیک یا ابا عبد اللہ

السلام علیک یا بن رسول اللہ

اسی اثنا میں میں نے آسمان سے ایک عماری اترتے دیکھی۔ جونہی زمین پر اتری اس سے بے شمار لوگ باہر آئے ان میں سے ایک انتہائی وجیہہ مگر غمزدہ شخص آگے بڑھا۔

دیگر تمام اس کے عقب میں اور دائیں بائیں ہو گئے اس نے آگے بڑھ کر سر کو اٹھایا۔ اسے بے شمار بوسے دیئے اور فرمایا۔

یا ولدی تقتلوک۔	بیٹے ان ظالموں نے تجھے قتل کر
اترا ہم ما عرفوک۔	دیا ہے کیا یہ لوگ تجھے پہچانتے نہ
ومن شرب الماء	تھے۔ بیٹے ان ظالموں نے تجھے
منعوک۔	پانی تک نہ دیا۔

میرے لال میں تیرا نانا تجھے شام میں ملنے آیا ہوں۔ یہ تیرا بابا بھی آیا ہے۔ ذرا دیکھ تیرا حسنؑ بھائی، چچا جعفر طیار اور حمزہ بھی آگئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اہل بیت میں سے ایک ایک کا نام لیا۔

میں گھبرا کر اٹھی۔ یزید کے کمرہ میں آئی اور اسے لعنت و ملامت کرنے لگی۔

مجلس

رہائی از شام

مورخین سے آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ آل محمدؐ زندان شام میں کتنا عرصہ رہے ہیں۔ سات دن سے لے کر ایک سال تک کی روایات ملتی ہیں۔ زیر نظر سطور میں ہم اس کا بھی جائزہ لیں گے کہ آل محمدؐ کی مدت اسیری کتنی تھی۔ اس وقت ہم رہائی کے وقت پیش آنے والے واقعات ذکر کر رہے ہیں۔

یہ بھی قطعی طور پر آج تک فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ اسباب رہائی کیا تھے۔

بعض مورخین نے سیاسی اسباب بتائے ہیں اور
بعض نے یزید کا خواب بیان کیا ہے۔

ہمارے خیال میں جس طرح کسی ایک نظریہ کو حتماً مسترد نہیں کیا جا سکتا اسی طرح کسی ایک خیال کو قطعی طور پر قبول بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مورخین کے بتائے گئے اسباب میں سے کوئی ایک سبب ہو، یہ بھی ممکن

ہے کہ مورخین نے فرداً فرداً جو اسباب بتائے ہیں۔ وہ سب کے سب مجموعاً ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مورخین کے بتائے گئے اسباب میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو۔

بہرطور سبب جو بھی تھا۔ یزید نے آل محمدؐ کو رہا کرتے وقت جناب سجاد سے کہا۔

میں آپ کی تین باتیں مانوں گا۔ جو چاہیں تین منوالیں۔

امام سجاد نے فرمایا۔

پہلی خواہش یہ ہے کہ مجھے ایک مرتبہ میرے بابا کے سر کی زیارت کرادے تاکہ شام سے جاتے ہوئے آخری الوداع کرلوں۔

یزید نے کہا۔ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اب تو کبھی بھی اپنے بابا کا سر نہیں دیکھ سکے گا۔

امام سجاد نے فرمایا۔ اگر تو میرے قتل کا مکمل ارادہ کر چکا ہے۔ تو کسی ایسے شریف انسان کی ڈیوٹی لگا جو ان مخدرات عصمت کو واپس مدینہ پہنچادے

یزید نے کہا۔ میں نے آپ کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا ہے آپ خود ان مستورات کو مدینہ لے جائیں گے۔

امام سجاد نے فرمایا۔ یوم عاشور ہمارے خیام سے جو کچھ لوٹا گیا ہے۔ وہ ہمیں واپس دیا جائے۔

یزید نے کہا۔ اے فرزند حسین آپ کو معلوم ہے کہ لوٹنے والے جانے کہاں کہاں سے آئے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون کون لوگ اٹھے۔ ان تمام کو جمع کرنا اور ان سے واپسی کا مطالبہ میرے بس سے باہر ہے۔ آپ مجھے تمام لٹے

ہوئے سامان کی فہرست بنادیں میں اس کی کئی گنا زیادہ قیمت دے دوں گا۔
امام سجادؑ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ لوٹا گیا ہے وہ سب عمر سعد کے ذریعہ ابن زیاد تک اور ابن زیاد کے ذریعہ تجھ تک پہنچ چکا ہے۔ اس سامان میں جو کچھ ہے تیرے لیے قطعاً بے قیمت ہے لیکن ہمارے لیے اگر پوری کائنات کے مقابلہ وہ سامان رکھ دیا جائے تو ہم پوری کائنات کو ٹھکرادیں گے۔ اور وہ سامان لے لیں گے۔
یزید نے پوچھا۔ اس سامان میں مثلاً آپ کا قیمتی اثاثہ کون سا تھا۔
امام سجادؑ نے فرمایا۔ اس سامان میں دختر رسولؐ کا چرخا تھا۔ بنت نبی کا مقنع تھا۔ ام الحسنین کے گلے کا ایک ہار تھا جو جناب خدیجہؑ نے دم آخر ان کے گلے میں ڈالا تھا۔ اور ایک پہلو دریدہ قمیص تھی۔
یزید نے حکم دیا کہ تمام سامان واپس کر دیا جائے چنانچہ تمام سامان جب واپس کر دیا گیا تو یزید نے دوسو دینار بھی ساتھ دیئے امام سجادؑ نے دوسو دینار لے کر اسی دربار میں فقرائے شام پر تقسیم کر دیا۔
جس شخص کو امام سجادؑ کے ہمراہ مدینہ تک پہچانے کے لیے بھیجا گیا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔
بعض مورخین نے عمر ابن خالد قرشی لکھا ہے۔
بعض نے نعمان ابن بشیر لکھا ہے۔
بعض نے خزیم ابن شتر لکھا ہے۔
بعض نے جذم ابن شتر لکھا ہے اور
بعض نے بشیر ابن جذلم لکھا ہے۔

ان میں سے جو بھی تھا یزید نے اسے تین۔ یا تین سو۔ یا پانچ سو سپاہی بھی دیے۔ اور حکم دیا کہ آل محمدؐ کو مدینہ میں پہنچا دیں۔

یہ افراد جتنے بھی تھے ان کی اکثریت محبان آل محمدؐ پر مشتمل تھی۔ جہاں کہیں قیام کیا جاتا تو یہ لوگ آل محمدؐ سے اس قدر دور جا بیٹھتے تھے کہ مخدرات عصمت کو پردہ کے لیے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ دن کو آرام کرتے تھے۔ رات کو سفر کرتے تھے۔

جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے ایک راہ عراق کو اور ایک مدینہ کو جاتی تھی تو جناب سجادؑ کے حکم سے ان لوگوں نے راہ عراق لی اور یوں آل محمدؐ کا لٹا ہوا قافلہ ایک مرتبہ پھر سرزمین کربلا میں آ پہنچا۔

مجلس

آلِ محمدؐ مزاراتِ شہداء پر

جس طرح اس بات میں اختلاف ہے کہ آلِ محمدؐ زندانِ شام میں کتنا عرصہ رہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ کربلا میں کب پہنچے۔

بعض مورخین کے مطابق آلِ محمدؐ نے پہلا چہلم قیدِ شام گزارنے کے بعد کربلا میں آ کے کیا۔

بعض مورخین کے مطابق جناب جابر نے پہلا چہلم کربلا میں کیا۔ لیکن آلِ محمدؐ نے ۶۲ھ کا چہلم کربلا میں کیا۔

بعض کے خیال میں جناب جابر نے پہلا چہلم کربلا میں کیا۔ لیکن آلِ محمدؐ کربلا میں پہلے چہلم کے بعد اور دوسرے چہلم سے پہلے آئے۔

اس سلسلہ میں مناسب ہوگا اگر ہم قارئین کے سامنے سرکار علامہ مجلسی کی وہ تحقیق پیش کر دیں جو انہوں نے اپنی فارسی تصنیف زاد المعاد میں پیش کی ہے۔

علامہ کے الفاظ میں۔ یوم اربعین کی زیارت کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ۔

امام سجاد اپنے تمام اہل بیت کے ساتھ شام سے پلٹ کر کربلا آئے تھے۔ اور یہ سال شہادت یعنی ۶۱ھ ہجری کا یوم اربعین تھا۔ اور آپ نے تمام شہداء کے سر ان کے مزارات میں دفن فرمائے تھے۔

لیکن یہ انتہائی بعید از قیاس اور ناقابل تسلیم بات ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی باتوں پر بات کی جا سکتی ہے۔ لیکن خوف طوالت سے ان تمام پہلوؤں سے صرف نظر کر کے، ہم دو ایک علماء کے نظریات پیش کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ۔ امام سجاد شام سے رہائی کے بعد کربلا بصورت اعجاز تشریف لائے تھے۔

اگرچہ یہ ممکن ہے لیکن اس قسم کی ضعیف سے ضعیف تر روایت آج تک نہیں مل سکی۔ جب کہ اس کے خلاف کافی روایات موجود ہیں۔

محقق رضی قزوینی نے تظلم الزہراؑ میں لکھا ہے کہ آل محمدؑ شام سے رہائی کے بعد ۶۱ھ کے بیس صفر کو کربلا پہنچے۔ لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کیوں کہ۔

ابن زیاد نے آل محمدؑ کی کوفہ میں تشہیر کے بعد یزید سے مزید ہدایات کی خاطر قاصد بھیجا۔ اور کوفہ سے شام تک کے سفر کے لیے یک طرفہ بیس دن اور ہدایات لینے کے بعد قاصد کو واپسی کے لیے بھی بیس دن کی ضرورت ہو گی۔

پھر آل محمدؑ کا اونٹوں پر جانا۔ ایک ماہ زندان میں رہنا اور واپس یوم اربعین کربلا پہنچنا یہ سب عقلاً اور روایۃً ناممکنات ہیں۔

ا۔ ہم صرف اپنے پیش کردہ اور اشتباہات کی بنیاد پر روایات سے حق انکار

نہیں رکھتے۔

۲۔ بعض موثقین سے ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ کوفہ سے ڈاکیہ شام تک تین دن میں ڈاک لے کر جاتا تھا۔

۳۔ عام مورخین کے مطابق شام میں آل محمدؐ کی مدت قید صرف آٹھ دن ہے۔

۴۔ سلسلہ ڈاک کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان ہی بطور قاصد جاتے۔ کیونکہ اس وقت کبوتر بھی بطور ڈاکیہ کے استعمال ہوتے تھے اور کبوتر کی رفتار انسان کی رفتار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

۵۔ جابر کا حجاز سے یوم اربعین پہنچ جانا بھی بعید نہیں ہے کیونکہ ابو حنیفہ نے ذی الحجہ کا چاند کوفہ میں دیکھا تھا اور مکہ پہنچ کر احکام حج بجالایا تھا۔

۶۔ شہادت مظلوم کربلا کی اطلاع صرف بذریعہ ابن زیاد ہی نہیں گئی۔ بلکہ ملائکہ۔ جنات اور پرندوں نے بھی خبر شہادت کو نشر کرنے میں کافی جلدی کی تھی۔

۷۔ خبر شہادت کے لیے بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے سے خون ابلنا اور جناب ام سلمہ کے پاس موجود مٹی کا خون ہو جانا ہی جناب جابر کے کربلا پہنچنے کے لیے کافی تھا۔

ان حقائق کے پیش نظر علامہ مجلسی کے اشتباہات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

مولف۔ محقق رضی کے ان جوابات میں سے کوئی بھی جواب ایسا نہیں ہے جسے بنیاد بنا کر یہ مان لیا جائے کہ آل محمد ۶۱ھ کے چہلم میں ہی کربلا آگئے ہوں کیونکہ

۱۔ اصول اسلام کے مطابق کسی روایت کا صرف سن یا پڑھ لینا حجیت روایت کی دلیل نہیں ہوتی۔ بلکہ رعایت کے ساتھ درایت بھی موجود ہے اور جس روایت کی درایت تائید نہ کرے وہ روایت قطعاً قابل اعتماد نہیں ہوتی۔

۲۔ محقق رضی کا بعض موثقین سے یہ سن لینا کہ کوفہ سے شام تک ڈاکیہ تین دن میں جاتا تھا تو درست ہے کہ ممکن ہے انہوں نے سنا ہو۔ ہم ان کے سماع سے تو انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کوفہ سے شام تک تین دن میں جانے والا ڈاکیہ آخر کس راستہ پر جاتا تھا؟ اگر یہ راستہ زمین ہی پر جاتا تھا تو آخر کونسا تھا؟

۳۔ یہ درست ہے کہ عام مورخین نے مدت قید اٹھ دن لکھی ہے۔ لیکن انہی مورخین نے یہ بھی تو لکھا ہے کہ۔

تفشرت الوجوه	گرمی اور سردی کی شدت سے
من شدة الحر والقر۔	سادانیوں کے چہرے رنگ پریدہ ہو گئے تھے۔

بھلا کیا اٹھ دن میں چہروں کی رنگ پریدگی ممکن ہے۔

۴۔ کبوتر کا ڈاک لے جانا ممکن ہے بشرطیکہ کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت اس نظریہ کی موید ہو۔ روایات سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ڈاک کبوتر نہیں انسان بصورت قاصد لے کر گیا تھا۔

۵۔ کامل فی السقیفہ میں اس بات کی تصریح بھی موجود ہے کہ آل محمدؐ بدھ کے دن ۱۶ ربیع الاول کو شام پہنچے۔

۶۔ جہاں تک جناب جابر کی کربلا میں آمد کا تعلق ہے تو وہ بھی اسی سال کے

چہلم پر اس لیے ناممکن ہے کہ جناب جابر اور ابوحنیفہ کے سفر میں فرق ہے ابوحنیفہ کو جو سہولیات سفر میسر تھے وہ جناب جابر کو نہیں تھے۔
ابوحنیفہ خود مختار تھے۔ جب کہ جناب جابر آنکھوں سے معذور ہونے کی وجہ سے سہارا کے محتاج تھے اور وہ سہارا کوئی رفیق سفر یا غلام ہی ہو سکتا تھا۔

۷۔ یہ تو مسلمہ ہے کہ یوم عاشور ہی سے شہادت مظلوم کی اطلاع اطراف عالم میں پھیل گئی تھی۔ لیکن یہ کہاں مذکور ہے کہ جنوں اور پرندوں نے خبر شہادت کے ساتھ ساتھ مقام شہادت کی تعیین بھی کر دی تھی۔

ان مسلمات کے پیش نظر علامہ مجلسی کے اعتراضات درست ہیں۔ اور آل محمدؐ کا ۶۱ھ کے یوم اربعین پر پہنچنا ناممکن التصور ہے۔

اور اس بات پر اصرار کہ آل محمدؑ کی شام سے واپس کے بعد پہلے چہلم پر جناب جابر سے ملاقات ہوئی ہے تاریخ، درایت اور مشاہدات کے منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ جناب جابر ۶۱ھ کے ہی چہلم پر کربلا تشریف لائے ہوں اور پھر کوفہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے ہوں۔ اور ۶۲ھ کے دوسرے چہلم پر آل محمدؑ کی شام سے واپسی کے بعد آل محمدؑ سے ملاقات ہوئی ہو۔

مجلس

آل محمد مدینۃ الرسول میں

لہوف کے مطابق جناب سجاد جب بیرون مدینہ پہنچے تو بیرون مدینہ ہی خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ بشیر ابن جذلم کو قریب بلایا اور فرمایا۔ تیرا والد تو شاعر تھا۔

کیا تو بھی شاعری کرتا ہے؟

بشیر نے عرض کیا۔

قبلہ آپ کی دعا چاہیے کچھ کرتا رہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔

پھر جا۔ اور اہل مدینہ کو ہماری آمد سے مطلع کر۔

بشیر گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ میں داخل ہو کر روضۃ الرسول کی طرف جاتے ہوئے ان اشعار سے اہل مدینہ کو اطلاع دی۔

یا اھل یثرب لا مقام لکم بھا۔ قتل الحسین فادمعی مدرارا۔

اے یثرب والو! سکون سے بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ حسینؑ شہید ہو گئے ہیں

اٹھو اور آنسو بہاؤ۔

الجسم منہ بکربلاء مضرج والرأس منہ علی القناۃ یدار۔

جسم حسین کربلا میں خون آلود ہے اور سر حسینؑ کو نوک نیزہ پر بلند کرکے کو بکو تشہیر کیا گیا ہے۔

علیؑ ابن حسینؑ اپنی پھوپھیوں، ماؤں، بہنوں اور بے واؤں کے ہمراہ بیرون مدینہ خیمہ زن ہے۔ میں انہی کی طرف سے تمہیں ان کی آمد سے مطلع کرنے آیا ہوں۔

بشیر کہتا ہے جونہی میں نے یہ ندا دی، مدینہ کے گلی کوچوں میں عورتیں۔ لڑکیاں۔ بچے مرد سب باہر نکلے کوئی فرد ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں آنسو اور سینہ پر ہاتھ نہ ہو۔

عورتیں چہروں اور سر پر ماتم کرتی ہوئی باہر آئیں۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا مدینہ ماتم کدہ بن گیا ہو۔

انہی رونے والیوں میں سے ایک کمسن بچی مرثیہ پڑھتی ہوئی میرے قریب آئی اور کہنے لگی۔

اے خبر موت دینے والے۔ تو نے خبر شہادت دے کر ہمارے غم تازہ کر دیئے ہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ وہ زخم ہے جو تا قیامت مندمل نہیں ہوگا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ تو کون ہے؟

میں نے عرض کیا۔

بی بی میں بشیر ابن جذلم ہوں۔ اور جناب سجاد بیرون مدینہ خیمہ زن ہیں۔

میں روضۂ رسول پر آیا۔ سلام کیا۔ آنحضور کو پرسہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بیرون مدینہ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اگرچہ میں گھوڑے پر سوار تھا اور لوگ پیدل تھے۔ لیکن میں واپس آیا۔ تو میں نے دیکھا کہ کافی مرد اور عورتیں مجھ سے پہلے امام سجاد کے پاس پہنچ چکے تھے۔ راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر میں گھوڑے سے اترا۔ پیدل چلتا ہوا امام سجاد تک پہنچا۔

میں نے دیکھا آپ اسی وقت خیمہ سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں رومال تھا۔ جناب باقر نے مسند امامت بچھائی جناب سجاد اس پر تشریف فرما ہوئے۔

اہل مدینہ کو دیکھ کر آپ کے گریہ میں اضافہ ہو گیا۔ جو شخص بھی جناب سجاد کو دیکھتا بے ساختہ دھاڑیں مار کر رونے لگتا۔ کافی دیر تک رونے کی آواز فضا کو دہلاتی رہی بالآخر جناب سجاد نے ہاتھ کے اشارہ سے لوگوں کو خاموش رہنے کو فرمایا۔

تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

آپ نے فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ رب العالمین۔ جو رحمٰن و
الحمد للہ رب العالمین	رحیم۔ یوم جزا کا مالک اور تمام
الرحمٰن الرحیم مالک	کائنات کا پیدا کرنے والا ہے
یوم الدین بارئ	اس کی حمد ہے۔ وہ اللہ جو
الخلائق اجمعین	اتنا دور ہے کہ آسمانوں کی
الذی بعد فارتفع	بلندیوں میں ہے اور اتنا قریب

فی السماوات العلی	ہے کہ سرگوشی تک سن لیتا ہے
وقرب فشهد النجوی	امور عظیم، حوادث زمانہ مصائب
نحمده علی عظائم	کی شدت۔ اور دردوں کی
الامور وفجائع	مدت میں ہم اسی کی حمد کرتے
الدهور۔ والم الفجائع	ہیں۔ تکالیف کی شدت،
ومضاضة اللواذع	پریشان کن، اندوہناک، المناک
وجليل الرزء وعظيم	اور دردناک مصائب میں بھی
المصائب القاطعة	ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔
الكاظة الفادحة	اے لوگو! حمد خدا ہے۔ اللہ
الجائحة ايها الناس	نے ہمیں بہت بڑے مصائب
ان الله وله الحمد	سے آزمایا ہے۔ اسلام میں
ابتلا بالمصائب خليلة	بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔
وثلمة فی الاسلام عظيمة	ابو عبداللہ حسینؑ اور آپ کی
قتل ابو عبد الله الحسينؑ	عترت کو شہید کر دیا گیا۔ اس
وعترته وسبی نسائه	کی مستورات اور بچوں کو قیدی
وصبيته وداروابراسه	کیا گیا۔ ان کے سر کو نوک نیزہ
فی البلدان من فوق	پر تشہیر کیا گیا۔ یہ وہ مصیبت
عالی السنان هذه	ہے کہ اس جیسی مصیبت کا
الرزية التی لا مثلها رزية	تصور تک نہیں کیا جا سکتا
ايها الناس فای	اے لوگو! قتل نواسہ رسول

رجالات منكم تسرون بعد قتله الرزية عين منكم تحبس معها و تضن عن انهما لها. فلقد بكت السبع الشداد لقتله وبكت البحار بامواجها و السماوات باركانها و الارض بارجائها والاشجار باغصانها والحيتان في لجج البحار والملائكة المقربون واهل السماوات اجمعون

ايها الناس اي قلب لا ينصدع لقتله ام اي فؤاد لا يحن اليه ام اي سمع يسمع هذه الثلمة التي ثلمت في الاسلام فلا يرتاع لها.

ايها الناس اصبحنا

کے بعد وہ کون شخص ہے جو خوش ہو سکے یا کون سی آنکھ ہے جو آنسو روک سکے۔ وہ کون سی آنکھ ہے جو آنسوؤں میں بخل کر سکے۔ سات آسمان آپ پر روئے۔ سمندر کی موجوں نے گریہ کیا۔ آسمان روتے ہیں زمینیں روتی ہیں۔ درختوں کی ٹہنیاں گریہ کناں ہیں سمندروں میں مچھلیاں رو رہی ہیں ملائکہ مقربین اور اہل سماء رو رہے ہیں۔

اے لوگو! بھلا وہ کون ہے جو شہادت فرزند رسول سے دکھی نہ ہو۔ وہ کون سا دل ہے جس سے آنسو نہ بہیں۔ بھلا وہ کون سا کان ہے جو اسلام میں پڑنے والے اس رخنہ کی خبر سنے اور لرز نہ جائے۔

لوگو! ہمیں مدینہ بدر کیا گیا ہیں

مطرودين. مشرودين. مذودين وشاسعين عن الامصار كانا اولاد ترك وكابل من غير جرم اجترمناه ولا مكروه ارتكبناه ولا ثلمة في الاسلام ثلمناها ما سمعنا بهذا في ابائنا الاولين. ان هذا الا اختلاق.

والله لو ان النبي تقدم اليهم في قتالنا كما تقدم اليهم في الوصاية بنا لما زادوا على ما فعلوا بنا فانا لله وانا اليه راجعون.

پراگندہ کیا گیا۔ ہمیں اپنے گھر سے نکالا گیا۔ ہمارے ساتھ ایسے سلوک کیا گیا جیسے ہم ترک و کابل کے غلام ہوں۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہمارے کسی جرم کسی ناپسندیدہ عمل یا اسلام کی مخالفت کی وجہ سے نہیں تھا۔ ایسے مصائب ہم نے اپنے سابقہ آباء واجداد میں بھی نہیں سنے۔ یہ کھلی جارحیت ہے

بخدا اگر سرور انبیاء اپنی امت کو ہمارے ساتھ حسن سلوک کی بجائے جنگ اور بدسلوکی پر آمادہ کرتے تو اس سے زیادہ یہ لوگ پھر بھی نہ کرپاتے حالانکہ آنحضورؐ نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی تھی

ہم اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس کے بعد تمام اہل مدینہ کی معیت میں قافلہ اہل بیت اندرون شہر کی طرف روانہ ہوا۔

جناب ام کلثوم فاطمہ بنت حسین نے جب مدینہ کے درو دیوار کو دیکھا تو بے ساختہ یوں مخاطب ہوئیں۔

مدینۃ جدنا لاتقبلینا	اے مدینہ ہمیں داخل نہ ہونے
فبالحسرات والاحزان	دیئے ہم بہت حسرتیں اور غم
جئنا۔	لے کر آئے ہیں۔
الا فاخبر رسول اللہ عنا	اے مدینہ! ہماری طرف سے
بانا قد فجعنا فی ابینا۔	رسول انبیاء کو بتا دے کہ ہمیں
وان رجالنا بالطف	ہمارے باپ کی شہادت کا غم
صرعیٰ بلا رأس وقد	دیا گیا ہے، ہمارے مردوں
ذبحوا البنینا۔	کے لاشے میدان کربلا میں
واخبر جدنا انا	سروں کے بغیر ہیں اور ہمارے
اسرنا وبعد الاسریا	کمسن بچوں کو بھی ذبح کر دیا
جد سبنیا۔	گیا ہے۔ ہمارے نانا کو بتا دے
ورھطک یا رسول	کہ ہمیں پہلے گرفتار کیا اور پھر
اللہ اضحوا عریا	گرفتاری کے بعد ہمارے ہاتھوں
بالطفوف مسلبینا۔	میں رسیاں باندھی گئیں۔
وقد ذبحوا الحسینؑ	اے رسول خدا! آپ کا قبیلہ
ولم یراعوا جنابک	صحراؤں میں بلا غسل و کفن پڑا

یا رسول الله فینا۔

ہے۔ ان کے لاشوں سے کپڑے بھی اتارے گئے ہیں۔

فلو نظرت عیونك للاساری علی اقتاب الجمال محملینا۔

نانا! آپ کے حسین کو ان لوگوں نے ذبح کر ڈالا اور ہمارے سلسلہ میں آپ کے رشتہ تک کا خیال نہ رکھا گیا۔

نانا! کاش آپ اپنی بیٹیوں کو اس وقت دیکھتے جب رسن بستہ انہیں اونٹوں پر سوار کرایا جا رہا تھا۔

رسول الله! بعوا السبی حارت عیون الناس ناظرة الینا۔

اے رسولِ خدا! ہمیں پابند رسن کرنے کے بعد ہماری تشہیر کرائی گئی اور مجموں میں سے گزارا جاتا رہا۔

وکنت تحوطنا حتی تولت عیونك ثارت الاعداء علینا،

نانا! تو ہی تو ہمارا نگران تھا۔ جب سے تیری آنکھیں بند ہوتی ہیں دشمن ہم پر ٹوٹ پڑتے ہیں

أفاطم لو نظرت الی اسیایا نیا تك فی البلا ومشتیتا،

دادی زہرا! کاش آپ اس وقت اپنی بیٹیوں کو دیکھتیں جب رسن بستہ شہر بشہر پھرائی

جا رہی تھیں۔

أفاطم لو نظرت الی الحیاری۔	اے دادی! کاش آپ تاراجی خیام کے وقت پریشان حال بیٹیوں کو دیکھتیں۔
ولو ابصرت زین العابدین۔	اور کاش! آپ زین العابدین کو دیکھتیں۔
افاطم لو رأیتنا سهاری۔	اے فاطمہ! کاش آپ ہمیں راتوں میں جاگتا دیکھتیں۔
ومن سهر اللیالی قد عمینا۔	اور کاش! آپ دیکھتیں کہ کس طرح جاگ جاگ کر ہماری آنکھیں تک ابل گئی تھیں۔
افاطم ما لقیت من عداك۔	اے دادی! آپ نے دشمنوں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔
ولا قیراط ما قد لقینا۔	دادی یقین جانیے جو مصائب ہم نے جھیلے ہیں آپ نے تو عشر عشیر بھی نہیں دیکھا۔
فلو ذالت حیوتك لم تزالی الی یوم القیامۃ تندبینا۔	دادی! اگر آپ زندہ رہیں تو ہم پر پڑنے والے مصائب کو دیکھ کر تا قیامت ماتم کرتی رہیں
یاعمی یاالحسن	اے چچا حسن طاہر آپ کے

المزكى عيال اخوك اضحوا اضا تعينا۔	بھائی کے جملہ اقرباء شہید ہو گئے ہیں۔
ايا عماه ان اخاك اضحى بعيد أعنك بالرمضاء قينا۔	چچا حسن! آپ کا بھائی آپ سے بہت دور ریگ صحرا میں مدفون ہو چکا ہے۔
ولو عاينت يا مولاي ساقوا حريماً لا يجدن لهم معينا۔ على متن النياق بلا وطاء و شاهدت العيال مكشفة و زينب اجوها من خباها و فاطم داله تبدى الانينا۔ سكينه تشتكى من حر جسد تنادى الغوث رب العالمينا۔	چچا! کاش آپ اس وقت دیکھتے جب تاراجی خیام کے وقت آپ کی بچیوں کے پیچھے گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے اور انہیں کوئی مددگار نہیں مل رہا تھا۔ چچا آپ اس وقت دیکھتے جب بے پالان کے اونٹوں پر آپ کی عترت کو بلا مقنع و ردا سوار کیا جا رہا تھا۔ زینب پھوپھی کو خیمہ سے بے چادر باہر نکالا گیا اور فاطمہ حیران و پریشان غم سے نڈھال تھی۔ سکینہ شدت گرما سے بے حال تھی اور الغوث الغوث یارب العالمین پکار رہی تھی

ھذہ ھی قصتی مع شرح	یہ تھا ہمارا تفصیلی قصہ۔
حالی الایا سامعون	سننے والو! ہمارے غم میں جتنا
ابکو علقبا۔	رو سکتے ہو رو لو۔

قافلہ آل محمدؐ سب سے پہلے روضہ رسول پر آیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پورا مدینہ سوگوار تھا اور اس دن غم والم کا وہی منظر تھا جو منظر شہادت رسول کونین کے دن تھا۔ جب یہ ماتمی قافلہ روضہ رسول پر آیا۔

بنت زہرا آگے بڑھیں۔ روضہ رسول کے دروازہ پر کھڑے ہو کر بہتی آنکھوں سے عرض کیا۔

یا جداہ انی	نانا میں اپنے بھائی حسینؑ
ناعیۃ الیک اخی	کی خبر شہادت سنانے آتی
الحسینؑ۔	ہوں۔

پھر یہ مرثیہ پڑھا۔

ھلموا انبک	نانا! آپ کا صاحب کساد
اصحاب العباء	بیٹا کہاں ہے؟ میں سبط
وارثی سبط خیر	خیر الانبیاء مرثیہ خواں ہوں۔
الانبیاء۔ ھلموا	نانا! آپ کا بیٹا مارا گیا
انبک مقتولاً بکتہ ھو کثر	جسے خالق کے تمام آسمان ملائکہ
ولالہ مقا السماء۔	تک رو رہے ہیں۔
ھلموا انبک مقتولا	نانا! آپ کے شہید بیٹے
علیہ بکسا وحق المھاتق	ہر صحراؤں میں درندے بھی

فی القلاء ألا فابکو	گریہ کر رہے ہیں۔ اس مقتول
قتیلا فوبکتہ البتولة	پر آنسو بہاؤ جیسے سیدۃ النساء
فاطمہ ست النساء۔	بتول روتی ہیں۔
الا فابکوا الثاوی	لوگو! میدان کربلا کے شہید
الطف حزما	پر آنسو بہاؤ۔ اس پر رو
الا فابکو لمذبوح	لو جسے پس گردن سے شہید
القفاء۔	کیا گیا ہے۔
الا فابکوا لمن	اس پر آنسو بہاؤ جس کے
اصبحت علیہ تشوع	غم میں جنات بھی گریہ کناں
الجن حزناً بالبکاء۔	ہیں۔
الا فابکوا لمنعفر	اس پر رولو جسے مٹی پر
ذبیح علی الرمضاء	ذبح کیا گیا۔ جس کے اعضاء
شلو بالثراء۔	کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مٹی میں
	ملا دیا گیا۔
ألا فابکو قتیلا	اس شہید پر گریہ کرو جس
مستباحاً۔ الا فابکوا	کا قتل مباح سمجھا گیا۔ اس
المرمل بالدماء۔	غریب پر آنسو بہاؤ جسے خون
بنفسی جسم	میں غلطاں کیا گیا۔ میری
مطروح جبیر بحر	جان قربان ہو اس زخمی
علی حر الصعید بلا	جسم پر جو گرم مٹی پر کسی

وطاء بنفسي من	بستر کے بغیر تڑپتا رہا۔
تجولا الخيل	میری جان فدا ہو اُس مظلوم
ركضا عليه و	پر جس کی لاش پر گھوڑے
هو سلوب	دوڑتے رہے اور اُس کا
الرداء۔	جسم مسلوب الردا تھا۔

مجلس

جناب محمد ابن حنیفہ

جناب محمد کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب سجاد روضہ رسول سے باہر تشریف لائے تو اپنے چچا جناب محمدؑ کے پاس آئے جناب محمد نے آپ کو گلے لگایا۔ زار و قطار روتے روتے غش کر گئے جب غش سے افاقہ ہوا تو تلوار کمر سے لٹکائی ذرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر باہر لوگ کے سامنے پہاڑ پر چڑھے۔ پھر آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔

لیکن یہ سب کسانیوں کا خود ساختہ واقعہ ہے چونکہ کیسانی جناب محمد کو امام مہدی سمجھتے تھے۔ اور ان کے عقیدہ کے مطابق جناب محمد کوہ رضوی میں غائب ہو گئے ہیں۔

ہمارے نزدیک حق و حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ آپ بیمار تھے لیکن جناب سجاد سے ملاقات کے بعد مدینہ میں نہیں ٹھہرے۔ کیونکہ بنی امیہ کی نگاہوں میں جناب سجاد کی نسبت جناب محمد زیادہ خطرناک تھے۔ بنی امیہ کو امام سجاد سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ جب کہ امام حسین کے بعد وہ جناب محمد کو اپنے لیے

خطرہ سمجھتے تھے۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اولاد امیر المومنین سے کوئی زندہ رہ جائے۔ اموی جاسوس ہر وقت جناب محمد کی تاک میں رہتے تھے۔ جناب محمد کو بھی احساس تھا۔ اب بنی امیہ میرے درپے ہیں۔ چنانچہ آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ تشریف لائے اور مکہ کو مقام امن سمجھ کر وہیں مقام پذیر ہو گئے۔

جناب مختار مکہ میں آئے جناب محمد سے ملے اور واپس جا کر اہل کوفہ سے کہا کہ،

میں امام مہدی محمد ابن علی سے ملاقات کر کے آیا ہوں۔ اور میں قاتلانِ ذریت رسول سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ تعاون کرو۔

ابراہیم ابن مالک اشتر اور دیگر اشراف کوفہ نے مختار کی حامی بھر لی۔ اور ذریت رسول کے قاتلوں سے انتقام لینے کی خاطر تمام اہل کوفہ جناب مختار کے گرد جمع ہو گئے۔

ادھر مکہ میں عبداللہ ابن زبیر نے اپنی علیحدہ حکومت کا اعلان کر دیا۔ اور اہل مکہ سے اپنے لیے بیعت لینا شروع کر دی۔

جب ابن مکہ کی عمومی بیعت سے فارغ ہوا تو اسے اطلاع ملی کہ کوفہ میں مختار اپنے گرد لوگوں کو جمع کر رہا ہے۔

ابن زبیر نے عبداللہ ابن مطیع عدوی کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اور ابن مطیع نے لوگوں سے عبداللہ ابن زبیر کے لیے بیعت لینا شروع کر دی۔

جب جناب مختار نے حالات کو ساز گار دیکھا تو انہوں نے ابن مطیع کو دارالامارہ سے بھگا دیا۔

خود دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ اور قاتلان حسین سے انتقام۔ پر بیعت

لینا شروع کر دی۔ اہل کوفہ نے دھڑا دھڑ بیعت کرنا شروع کر دی۔

عبداللہ ابن زبیر کو جب کوفہ کے حالات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے بھائی مصعب ابن زبیر کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر مختار کے پاس بھیج دیا۔

مصعب ابن زبیر نے جنگ کی بجائے مختار سے مصالحت کی کوشش کی لیکن مصعب ناکام رہا۔ اور مختار مسلسل قاتلان ذریت رسول سے انتقام لیتا رہا۔

مصعب ابن زبیر یہاں سے ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ اور بصرہ پر حملہ کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف عبداللہ ابن زبیر نے عوام کی بیعت کے بعد خواص سے بیعت لینا شروع کی۔ اور اس نے اس سلسلہ میں جناب محمد کو بھی بیعت کرنے کا کہا۔

لیکن جناب محمدؑ نے انکار کر دیا۔

جوں جوں جناب محمد بیعت سے انکار کرتے گئے۔ عبداللہ ابن زبیر کا اصرار بڑھتا گیا۔ عبداللہ ابن زبیر کا خیال تھا کہ اگر محمد میری بیعت کر لے۔ تو چونکہ مختار محمد کو امام مانتا ہے اس لیے مختار خود بخود میری بیعت کر لے گا۔

عبداللہ ابن زبیر کے ہر مطالبہ بیعت کے جواب میں جناب محمد کوئی نہ کوئی عذر کر لیتے تھے۔

بالآخر معاملہ جب اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو جناب محمد نے ابن زبیر سے مہلت مانگی۔

ابن زبیر نے کہا۔

اب ایک منٹ بھی مہلت نہیں ملے گی۔ یا اسی وقت بیعت کر لو یا قتل

کے لیے تیار ہو جاؤ۔

جناب محمد نے فرمایا۔

رسول اللہؐ نے تو صفوان جیسے مشرک کو چار ماہ کی مہلت دے دی تھی اور تو مجھے ایک منٹ کی مہلت بھی نہیں دیتا۔

ابن زبیر نے جواب میں آنحضور اور ابن حنیفہ دونوں کے حق کے ایسے نازیبا الفاظ کہے جنہیں ادا کرنے سے زبان قلم قاصر ہے۔

دونوں طرف سے تو تکار شروع ہو گئی۔ بالآخر ابن زبیر کے پاس مہلت دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

چنانچہ ابن زبیر نے مہلت تو دو ماہ کی دے دی لیکن ساتھ ہی ایک خیمہ نصب کر کے اس میں جناب محمد کو مع ان کے رفقاء اور اہل بیت کے قید کر دیا۔ اور چالیس مسلح سپاہی پہرہ پر لگا دیئے۔

ایک رات جناب محمد نے اپنے رفقاء سے مشورہ کیا جس میں طے یہ پایا کہ اپنے حالات سے مختار کو مطلع کیا جائے۔

جناب محمد نے ایک خط لکھا جس میں اپنے تمام حالات لکھے اور مختار سے مدد طلب کی۔

جب خط جناب مختار کو ملا تو اس نے اسی وقت مجلس مشاورت بلائی۔ اور تمام احباب کو حالات سے مطلع کیا۔ اور جناب محمد کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بارہ سالاران لشکر بلائے۔

پہلے سالار کو ایک ہزار۔

دوسرے کو دو ہزار۔

تیسرے کو تین ہزار۔

چوتھے کو چار ہزار۔

اسی ترتیب سے بارہویں کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر اس طرح روانہ کیا کہ پہلا دستہ صبح کو دوسرا شام کو بھیجنا شروع کیا۔

اس اثنا میں ابن زبیر نے اپنے سپاہیوں کو جناب محمد کے خیمہ کے گرد لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ جب دو ماہ کی مدت گزرنے کے بعد اگر محمد بیعت نہ کرے تو لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے۔

یہ لوگ لکڑیاں جمع کرنے میں مصروف تھے کہ مختار کا پہلا دستہ ابو عمر کی سرکردگی میں پہنچ گیا۔ اور انہوں نے جناب محمد کے خیمہ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

ابن زبیر انہیں دیکھ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ ایک ہزار ہیں ان پر قابو پانا آسان ہے۔

ادھر جناب مختار کا لشکر جس وقفہ سے کوفہ سے چلتے تھے اسی وقفہ سے مکہ پہنچنے لگے۔

جب بارہواں سالار بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ وارد مکہ ہوا تو اب عبداللہ ابن زبیر اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

جناب مختار کی فوج نے وہ تمام ایندھن جو محمد حنیفہ کو جلانے کی خاطر اکٹھا کیا گیا تھا دور ہٹایا۔ جناب محمد کا سلام کیا۔ مختار کی طرف سے لاکھوں آداب و

تسلیمات پیش کیں۔

اور اجازت جنگ مانگی۔

لیکن جناب محمد نے حرم خدا کے تقدس کے پیش نظر انہیں جنگ سے روک دیا۔

اور فرمایا۔

جو دین ہمارا جدا مجد لے کے آیا ہے اور جس دین پر ذریت رسول قربان ہو رہی ہے اسی دین کا حکم یہ ہے کہ بیت اللہ کی عزت و عظمت کو پامال نہ کیا جائے۔

امرائے لشکر نے جناب مختار کی طرف سے زر و دینار بھی پیش کیے اور جناب محمد نے وہ سب مال قبول فرما کر تمام کا تمام اسی لشکر میں تقسیم کر دیا۔ اور انہیں دعائے خیر دی۔ اور تمام لشکر کو واپس جانے کا حکم دیا۔

جب لشکر کوفہ واپس چلا گیا۔ تو مصعب کو ساتھیوں نے کوفہ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔

مصعب نے کہا۔ جب تک اہواز سے مجھے کمک نہیں پہنچ جاتی اس وقت تک میں کوفہ پر حملہ نہیں کروں گا۔

کچھ دنوں بعد مہلب ابن ابی صفرہ اہواز سے لشکر لے کر مصعب کے پاس پہنچ گیا۔ مصعب نے حجازی۔ بصری اور اہوازی لشکر جمع کر کے مرتب کیا اور کوفہ پر حملہ کی خاطر روانگی کا حکم دیا۔

جب مختار کو بصری لشکر کی اطلاع ملی تو آپ نے ابن شمیط کو تیس ہزار کا لشکر دے کر مصعب کے مقابلہ میں بھیجا۔ ابن شمیط نے راستہ میں مصعب سے

جنگ کی۔

لیکن مصعب کے پاس لشکر بے شمار تھا اس لیے ابن شمیط کامیاب نہ ہو سکا۔

ابن شمیط قتل ہو گیا۔ لشکر بھی کافی سے زیادہ کام آگیا۔

جناب مختار کو جب ابن شمیط کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے خود مصعب کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اپنا تمام لشکر جمع کیا اور مصعب کے مقابلہ کی خاطر چل پڑا۔ مصعب کا حوصلہ ابن شمیط کے قتل کے بعد بڑھ چکا تھا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے طبل جنگ بج گئے۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔ صبح سے رات گئے تک جنگ جاری رہی۔

چونکہ مصعب کے پاس لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس لیے جناب مختار کی پیش نہ گئی۔ مصعبی لشکر نے ہر طرف سے جناب مختار کو گھیر لیا۔ آپ کا کافی سے زیادہ لشکر کام آگیا۔ جناب مختار چھ ہزار کے بچے ہوئے لشکر کے ساتھ محصور ہو گئے۔

چالیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ جب پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ تو جناب مختار نے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

اکثریت نے مشورہ دیا کہ ہمیں۔ مصعب سے امان مانگ لینا چاہیے

جناب مختار نے فرمایا۔ اس وقت تمہیں دو اہم اسباب کی وجہ سے امان نہیں ملے گی۔

ا۔ تم لوگوں نے کوفہ میں قاتلان حسین کو چن چن کر قتل کیا ہے۔ اور تمہیں

معلوم ہے کہ قاتلان ذریت رسول کے ورثہ تمام کے تمام مصعب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

اگر مصعب تمہیں امان دے گا بھی تو صرف تمہارے ہتھیار ڈالنے تک تمہیں امان دے گا۔ جب تم ہتھیار ڈال دوگے پھر تمہیں ایک ایک کرکے ذبح کردے گا۔

۲۔ اس وقت تم محصور ہو۔ اور چالیس دن کی محصوری کے بعد امان کی پیش کش بھی تمہاری طرف سے ہوگی ایسی امان قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ مصعب کو معلوم ہے کہ اب تم صرف زندگی بچانا چاہتے ہو۔ اس لیے وہ تم سے وعدہ تو کرے گا۔ لیکن جب تم اس کے قبضہ میں آجاؤگے تمہیں قتل کردے گا۔

اگر تم لوگ مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔ تو بھی چونکہ تمہاری تعداد کم ہے۔ موت تمہارے سامنے ہے۔ گویا موت دونوں صورتوں میں تمہارے سامنے ہے۔ خواہ امان کی درخواست کرو۔ یا جنگ کرو۔ صرف اتنا فرق ہے کہ امان کی درخواست کے بعد جو موت آئے گی وہ ذلت کی موت ہوگی۔ اور میدان جنگ کی موت عزت کی موت ہوگی۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ذلت کی موت پر عزت کی موت کو ترجیح دوں گا۔

یہ کہہ کر جناب مختارؒ ہتھیار لگائے اور فرمایا۔ جسے میرے ساتھ آنا ہو وہ آجائے۔

اکثریت اپنی جگہ بیٹھی رہی چند افراد جناب مختار کے ساتھ تیار ہوئے۔ سب

نے اپنا اپنا اسلحہ اٹھایا۔ اور میدان کربلا میں آکر جنگ شروع کر دی۔ صبح سے عشاء تک یہ افراد برابر لڑتے رہے۔ جب تاریکی شب چھا گئی اس وقت جنگ ختم ہو گئی۔ دوسری صبح ایک شخص جناب مختار کا سر مصعب کے پاس لایا۔

مصعب نے دیگر محصورین پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ تو چونکہ آمادہ جنگ ہی نہیں تھے اس لیے انتہائی کم وقت میں ان کا صفایا کر دیا گیا۔ مصعب نے فتح کا خط اور جناب مختار کا سر مکہ عبداللہ ابن زبیر کے پاس بھیج دیا۔

جب قاصد خط اور سر لایا اور آکر بڑی لمبی لمبی مبارکبادیاں پیش کیں تو عبداللہ نے پوچھا۔

اتنی طویل مبارکبادیوں سے تیرا مقصد کیا ہے۔

قاصد نے کہا۔

حضور! میں انعام کی خواہش رکھتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ یہی سر جو تو میرے پاس لایا ہے۔ جا تجھے مبارک ہو تیرا انعام ہے۔

مورخین کے بقول عبداللہ ابن زبیر حد درجہ بخیل تھا اور اسی بخل ہی کی وجہ سے حاصل کردہ اقتدار کھو بیٹھا تھا۔

جب جناب مختار شہید ہو گئے اور حجاز کے ساتھ عراق بھی ابن زبیر کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ تو عبداللہ نے ایک مرتبہ جناب محمد کو بیعت کے لیے تنگ کر شروع کر دیا۔

بالآخر ابن زبیر نے جناب محمد سے کہا۔

یا بیعت کر لو۔ اور یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ سنکر جناب محمد نے اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیا۔ کہ چونکہ میں جنگ نہیں کروں گا اس لیے آپ تمام لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ ایک تو آپ لوگوں کی جان بچ جائے گی اور دوسرا ابن زبیر کے دل سے بھی میری طرف سے خطرہ ٹل جائے گا۔

ممکن ہے تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد ابن زبیر بیعت کا اصرار چھوڑ دے۔

جب آپ کے تمام ساتھی چلے گئے۔ اس کے بعد آپ کو عبد الملک ابن مروان کی طرف سے شام آنے کی دعوت ملی۔ اس دعوت میں عبد الملک نے اپنی طرف سے ہر ممکن تعاون کی پیش کش کی تھی۔ جناب محمد عبد الملک کی دعوت پر سوئے دمشق روانہ ہو گئے۔ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ عبد الملک نے عمر و ابن سعید اشدق کو بھی بلایا تھا۔ اور پھر دھوکے سے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہ سنکر جناب محمد نے عبد الملک کے پاس جانے کا ارادہ ترک دیا۔ اور نواحی شام ہی میں ٹھہر گئے۔

فرزند امیر المومنین ہونے کی وجہ سے لوگوں کی آمدورفت بڑھ گئی۔ جب عبد الملک کو اطلاع ملی تو اس نے پھر خط بھیجا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو پھر آپ کے لیے میری حدود مملکت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں ہو گا۔ اور میں کسی قسم کی ضمانت نہیں دے سکتا۔

یہ خط پڑھ کر جناب محمد نے وہاں سے کوچ کیا۔ واپس مکہ آ گئے۔ اور شعب ابی طالب میں سکونت اختیار کر لی۔ جب ابن زبیر کو اطلاع ملی تو اس نے خط بھیجا کہ۔ مکہ میں میری حکومت ہے اور جو شخص میری بیعت نہیں کرتا۔ وہ میری حدود مملکت

میں نہیں رہ سکتا یا آپ میری بیعت کریں اور یا میری حکومت کے حدود سے نکل جائیں۔

جب شیعیان آل محمد کو ابن زبیر کے اس خط کا علم ہوا تو تمام جناب محمد کے پاس جمع ہو گئے اور ان سے ابن زبیر کے ساتھ جنگ کی اجازت مانگی۔

جناب محمد نے فرمایا۔

اگر ہمیں دین کا تحفظ مقصود نہ ہوتا تو ہم یقیناً تمہاری اس خواہش کو پورا کرتے۔ لیکن ہماری نگاہ میں دین ہماری ذات سے زیادہ اہم ہے، ہم آل محمد کی طرف سے کبھی دین کے تقدس کو پامال کرنے کی ایک بات بھی نہ ہوگی۔ بیت اللہ کا تقدس بہر صورت اہم ہے آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں پھر۔

پھر آپ نے تجدید وضو کیا۔ بیت اللہ میں آئے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی۔

اور بارگاہ خالق میں یوں عرض پیرا ہوئے

اللھم البس	اے اللہ۔ عبداللہ ابن زبیر
عبد اللہ ابن	اور اس کے جملہ معاونین
الزبیر و اعوانہ	کو خوف اور ذلت کا لباس
لباس الذل والخوف	پہنا۔ اور ان پر ایسے شخص
وسلط علیہم من یتصف	کو مسلط فرما جو جنگجوئی
بشدۃ الباس وقسوۃ	اور سنگ دلی میں معروف
القلب۔	ہو۔

وہاں سے اُٹھے۔ شعب ابی طالب میں آئے۔ سامان سفر لیا اور طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔

حجاج ابن یوسف کے عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کرنے تک طائف ہی میں رہے۔

اور وہیں انتقال فرمایا۔

مجلس

جناب رباب

جب جناب سجاد روضہ رسولؐ کے سلام سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لائے تو ویرانی کا عجب منظر تھا۔

ثانیہ زہراؑ نے جب اپنے بھائی کا اجڑا ہوا گھر اور ویران صحن دیکھا تو بند دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ مرثیہ کہا۔

این الذین حین ارضعوا ناغاہ فی المھد جبرائیل	وہ کہاں گیا جسے وقت شیر خوارگی جبریل لوری سناتا تھا؟
این الذی حسین غمدوہ قبلہ احمد الرسول۔	وہ کہاں ہے جب پہلے کپڑے میں لپیٹا گیا تو احمد نبیؐ نے اس کے بوسے لئے۔؟
این الذی جدہ النبی وامہ فاطمۃ البتول۔	وہ کہاں ہے جس کا نانا نبیؐ تھا۔ اور جس کی ماں فاطمہ بتولؑ تھیں

جب بنت زہرا نے بنی ہاشم کے گھر کی طرف نظر کی تو وہاں جناب ام البنین اور جناب عباس کے ایک کمسن فرزند کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ ایک مرتبہ پھر زخم ہرے ہو گئے۔ اور وہیں روتے روتے زمین پر بیٹھ گئیں۔

جناب عقیل کی اولاد کے گھر کا تو یہ عالم تھا کہ اموی حکمرانوں نے اسے زمین بوس کر دیا تھا۔

جناب رباب جب اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو دائیں بائیں دیکھا اور فرش زمین پر بیٹھ کر ماتم شبیر کرنا شروع کر دیا۔

جناب صادق آل محمدؑ سے مروی ہے کہ مادر اصغر جناب رباب اتنا روئیں اور اتنا ماتم کیا کہ آپ کی آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا۔ صبح سے لے کر شام تک خواتین مدینہ آتیں اور باری باری ایک ایک بی بی کو جا کر پرسہ دیتیں سب سے آخر میں جناب رباب کے گھر آئیں جناب رباب کے دردناک بین سن سن کر تمام مستورات اور کنیزیں گریہ کر کر کے غش کھا جائیں۔ کبھی جناب رباب علی اصغر کی کمسنی کا مرثیہ پڑھتیں کبھی کمسن سکینہ کی شام میں وفات اور تنہا قبر پر مرثیہ پڑھتیں اور کبھی مظلومیت امام حسین کا مرثیہ کہتیں۔

ایک دن اس مخدرہ نے دیکھا کہ ایک کنیز کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

بی بی نے اس سے پوچھا۔

تو بھی رہتی تو ہمارے ساتھ ہے اور جس طرح ہم نے کبھی کچھ نہیں کھایا تو تو نے بھی کبھی نہیں کھایا۔

پھر تیری آنکھ سے آنسو کیسے بہہ رہے ہیں۔

کنیز نے عرض کیا۔
کہ آج صبح بھوک نے اتنا زیادہ مجبور کیا کہ میں نے دو گھونٹ ستو کے پی لیے ہیں۔
جنابِ رباب نے اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ اور میرے لیے بھی ستو بنا کے لے آ۔
کنیز جلدی سے گئی اور ستو بنا کے لائی۔
جنابِ رباب نے ستو کا پیالہ ہاتھ میں لیا۔ کربلا کی طرف رخ کیا اور امام حسینؑ کو مخاطب کر کے کہا۔

انما ارید بذالك	اے فرزندِ زہراؑ گواہ رہنا ستو
ان اتقویٰ علی	صرف اس لیے پی رہی ہوں کہ
البکاء علیك یا ابا	تیرے غم میں زیادہ سے زیادہ
عبد اللہ۔	آنسو بہا سکوں۔

منقول مہمر کے مطابق جنابِ ام رباب شام سے واپس آنے کے بعد ایک برس تک زندہ رہیں۔ اشرافِ عرب نے بی بی سے خواستگاری کی۔ لیکن بی بی نے ہر ایک کو ایک ہی جواب دیا۔

ما کنت لا تخذ حموا بعد	نبی کو میں کے سسر ہونے کے بعد
ما کان حموی رسول اللہ	اور کسی کو سسر بنانے پر میں تیار
فان ذالك من الجفاء لامن	نہیں کیونکہ یہ وفا نہیں ظلم ہے
لوازم الوفاء ولست باھل	اور میں اگرچہ کما حقہ وفادار نہ سہی
جفا ان لم اکن صاحبة وفاء۔	لیکن ظالموں سے تو بہر طور نہیں ہوں

جناب رباب کے اس عزاداری سے دیگر بنات حیدر کرار کی عزاداری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جناب صادق آل محمدؑ فرماتے تھے۔ ہماری کسی بھی مستور نے نہ کبھی خضاب کیا، نہ سر میں تیل ڈالا۔ نہ آنکھ میں سرمہ لگایا اور نہ بالوں میں کنگھی کی۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک ابن زیاد کا سر نہ آیا۔ لیکن ابن زیاد کے سر کے بعد بھی ہمارا غم کم نہ ہو سکا۔

مجلس

امام سجادؑ

بحار کے مطابق جناب صادق آل محمدؑ سے مروی ہے کہ تاریخ عالم میں رونے والے پانچ ہیں۔

۱۔ حضرت آدم۔

فراق جنت میں اتنا روئے کہ آپ کے رخساروں پر آنسوؤں سے نالیاں بن گئیں۔

۲۔ حضرت یعقوب۔

فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ کمر خمیدہ ہو گئی اور آنکھوں کی بصارت زائل ہو گئی۔

۳۔ حضرت یوسف

اپنے والد کے فراق میں اس قدر روئے کہ اہل زندان بھی تنگ آ گئے۔ اور انہوں نے رات اور دن میں رونے کا کوئی وقت چن لینے کو کہا۔

۴۔ جناب زہراؑ
رسول کونین کے فراق میں اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ نے رونے کے لیے دن یارات میں سے کوئی ایک وقت مقرر کرنے کی درخواست کی۔
۵۔ جناب سجادؑ۔
۳۵ برس شہداء کربلا پر روتے اور اس طرح روتے کہ جب بھی آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو کربلا کی طرف رخ کر کے فرماتے۔

اہ یا ابا عبد اللہ قتلت جائعًا	اے فرزند رسول آپ بھوکے شہید ہوئے۔

اس کے بعد روتے روتے ہچکی بندھ جاتی اور کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔ جب پانی سامنے لایا جاتا پانی کو دیکھتے ہی بے ساختہ دھاڑیں مار کر کہتے۔

اہ یا ابا عبد اللہ قتلت عطشانا۔	ہائے بابا آپ پیاسے شہید ہوئے۔ پھر روتے روتے غش کھا جاتے اور پانی نہ پیتے۔

ایک دن غلام نے عرض کیا۔ آقا! آپ کھانے اور پانی کو دیکھ کر روتے جاتے ہیں نہ کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں۔ اس طرح تو آپ کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔
آپ نے فرمایا۔
تجھے معلوم ہے کہ یعقوب کے بارہ بیٹوں میں سے صرف ایک بیٹا گم ہوا تھا یعقوب کو معلوم تھا کہ یوسف زندہ ہے لیکن فراق یوسف میں روتے روتے آپ کا

سر سفید ہو گیا۔ کمر جھک گئی۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ جب کہ میں نے اپنے بابا اپنے بھائی اور سترہ دوسرے ایسے نوجوانوں کو تین دن کا بھوکا اور پیاسا خاک و خون میں غلطاں بے گور و کفن دیکھا ہے بھلا میں کس طرح کھانا کھا سکتا ہوں۔ یا پانی پی سکتا ہوں۔ یا میرا غم کس طرح کم ہو سکتا ہے؟

وا اباہ ااکل و قتل ابو عبد اللہ جائعاً۔	ہائے بابا میں کیسے کھا سکتا ہوں جب کہ آپ بھوکے شہید ہوئے۔
وا اباہ ء اشرب وقتل ابو عبد اللہ عطشاناً۔	ہائے بابا میں کیسے پانی پی سکتا ہوں جب کہ آپ پیاسے شہید ہوئے۔

عبادت امام سجاد:

گریہ کے علاوہ جناب سجاد اپنے زمانہ میں روئے ارض کے عبادت گزاروں میں زیادہ عابد و زاہد تھے۔

مناقب شہر آشوب کے مطابق جناب فاطمہ بنت علی جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری کے پاس تشریف لائیں۔

اور فرمایا۔

اے صحابی رسول کریم! آپ کو معلوم ہے کہ ہم اہل بیت کا آپ پر حق ہے۔

جابر نے عرض کیا۔ میری جان! آپ اہل بیت پر قربان ہو جائے۔ میں اچھی

طرح جانتا ہوں، آپ حکم فرمائیں۔

بی بی نے فرمایا۔

جابر میری خواہش ہے کہ آپ امام سجاد کو کثرت عبادت سے روکیں۔ باپ اور بھائی کے غم میں گریہ نے بدن سجاد میں کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ نہ کچھ کھاتا ہے۔ نہ پیتا ہے کھانے اور پانی کو دیکھتے ہی رو دیتا ہے اور بعض اوقات تو روتے روتے غش بھی کھا جاتا ہے۔

جناب جابر امام سجاد کے پاس آئے تو آپ مصلائے عبادت پر مصروف نوافل تھے۔

جابر نے سلام کیا اور پہلو میں بیٹھ گیا۔

امام سجاد نے جواب سلام کے بعد فرمایا۔ اے محترم اصحابی رسول کیسے تشریف آوری ہوئی۔

جناب جابر نے عرض کیا۔

قبلہ! میں تو صرف یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ۔ آپ معصوم ہیں۔ آپ کی محبت باعث جنت اور آپ کی عداوت موجب جہنم ہے۔ آپ کافی کمزور ہیں۔ سفر عراق و شام نے آپ کے جسم پر گوشت نہیں چھوڑا۔ تاحال آپ کے ان زخموں سے خون رس رہا ہے۔ مدینہ واپسی کے بعد آپ مسلسل مصروف عزاداری رہتے ہیں اگر عبادت کو کچھ کم کر دیں تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔

آپ نے ایک طویل سرد آہ بھری اور فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے جس ہستی کے صدقہ میں معصوم ہوں وہ کس قدر عبادت کیا کرتے تھے۔ میرے نانا کی عبادت کے مقابلہ میں میری عبادت تو کچھ بھی نہیں۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں مجھے اپنے

جد امجد امیر المومنین اور جد بزرگوار سلطان انبیاء کے نقش قدم پر چلنے دیں۔ اگر میں ان سے بڑھ کر عبادت خالق نہ کرسکوں تو کم از کم ان جتنی تو کروں۔

مناقب شہر آشوب میں امام صادق سے مروی ہے کہ۔ جب امام سجاد سجدہ میں سر رکھتے تھے تو اس وقت تک سر نہیں اٹھاتے تھے جب تک جبین مبین عرق آلود نہیں ہو جاتی تھی۔

امام محمد باقر سے مروی ہے کہ۔

فرزند حسینؑ میرے والد بزرگوار روزانہ ایک ہزار رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا ایک باغ تھا جس میں پانچ سو کھجور کا درخت تھا آپ ہر کھجور کے پاس کھڑے ہو کر دو رکعت نوافل پڑھتے تھے۔ جب آپ تکبیرۃ الاحرام کہتے تھے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اور جسم شاخ بید کی مانند لرزنے لگتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کا ایک بچہ کنوئیں میں گر گیا۔ آپ مصروف عبادت تھے۔ تمام گھر والے گریہ اور شور وغل میں مصروف ہو گئے۔

آپ اطمینان سے مصروف عبادت رہے جب فارغ ہوتے تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ انتہائی اطمینان سے کنوئیں کے قریب آئے اور پانی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

مجھے میری امانت واپس کر دے۔ کنوئیں کا پانی بلند ہوا۔ آپ نے اپنے بچے کو سطح آب سے اٹھا لیا۔

☆

آپ کی یتیم پروری :-

حلیۃ میں محمد ابن اسحاق سے مروی ہے کہ آپ بے سہارا بیواؤں اور یتیم بچوں کے لیے رات کی تاریکی میں ضروریات زندگی لے جاتے اور نام بتائے بغیر ان کے حوالہ کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ پشت مبارک پر کچھ اٹھائے کہاں جاتے ہیں۔ آپ کے پیچھے ہو لیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے بے سہارا بیواؤں اور یتیم بچوں کو دروازوں پر آپ کے انتظار میں کھڑا پایا۔ جب بچوں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو خوشی سے پھول گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

دیکھو وہ گٹھڑی والا آگیا ہے۔

امام محمد باقر سے مروی ہے کہ مدینہ کی بیواؤں اور یتیموں کو آپ کی شہادت کے بعد پتہ چلا کہ رات کی تاریکی میں منہ لپیٹ کر ہماری خبر گیری کرتے والا اسیر شام ہی تھا۔

آپ پشت مبارک پر گٹھڑی اٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں آتے دروازہ کھٹکھٹاتے جب اندر سے کوئی دروازہ پر آتا تو خاموشی سے اس کی ضرورت کا کھانا اسے دیکر آگے بڑھ جاتے۔

سفیان ابن عیینہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات آپ کو کچھ آٹا اور دیگر کھانے کا سامان اٹھاتے دیکھا تو پوچھا۔

قبلہ رات کے اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ خیال ہے ایک دور دراز کے سفر کا۔ اسی کے لیے سامان تیار کر رہا ہوں۔

کچھ دن بعد میں نے آپ کو دیکھا آپ مدینہ ہی میں تھے۔ میں نے عرض کیا قبلہ آپ تو کسی لمبے سفر کا فرما رہے تھے۔

آپ نے فرمایا۔

ہاں سفیان! سفر کا کہا تھا۔

لیکن جس سفر کا تو نے سمجھا ہے میں اس سفر کی بات نہیں کر رہا تھا میں نے سفر آخرت کے سلسلہ میں تجھے بتایا تھا۔

امام باقر سے مروی ہے کہ مدینہ میں سو گھر ایسا تھا جس میں آپ روزانہ کھانا پہنچاتے تھے۔ اور وہ آپ کو نہیں جانتے تھے کہ کون ہیں۔ آپ کی شہادت کے بعد ان سو گھروں کو پتہ چلا کہ ہمیں کھلانے والا فرزند حسین ہی تھا۔

امام صادق سے مروی ہے کہ امام سجاد کو انگور بہت پسند تھے ایک مرتبہ آپ کا ایک عقیدت مند آپ کے لیے انگور خرید کر لایا وہ بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے تناول فرمانے کی خاطر ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔

آپ نے وہ تمام انگور اٹھائے اور عقیدت مند سے کہا۔ اسے دے دو۔ اس نے عرض کیا۔ قبلہ چند دانے اسے دے دیتے ہیں۔ بقیہ آپ تناول فرمالیں۔

آپ نے فرمایا۔

نہیں یہ سب اٹھا کے اسی کو دے دو۔

دوسرے دن وہی عقیدت مند پھر انگور لے کر آیا۔ جب آپ کھانے بیٹھے پھر سائل آگیا۔

آپ نے پھر تمام انگور اٹھا کر سائل کو دینے کا حکم دیا۔

تیسرے دن پھر وہی عقیدت مند انگور لے کے آیا۔ جب آپ کے سامنے رکھے تو آپ نے کچھ دیر انتظار فرمایا۔ پھر انگور تناول فرماتے۔ اور عقیدت مند سے فرمایا۔

آج ہمارا ہی حصہ تھے۔

امام سجاد کا حج اور روزہ:۔

آپ نے پوری زندگی دن کے روزوں میں گزار دی۔ آپ نے بیس حج ناقہ پر سوار ہو کر کیے اور مدینہ سے مکہ تک کے پورے سفر میں کبھی آپ نے ناقہ کو ایک چابک تک نہیں مارا۔

عبداللہ ابن مبارک سے مروی ہے کہ ایک سال میں حج پر جا رہا تھا۔ کہ میں نے راستہ میں ایک بچہ کو دیکھا جو سات یا آٹھ برس کے لگ بھگ ہو گا۔ اور اس کے پاس کوئی زاد راہ نہ تھا۔

میں نے پوچھا۔

بچے! یہ صحرا تو نے کس کے ساتھ طے کیا ہے؟

اس نے جواب دیا۔ ایک اور نیک ذات کے ساتھ۔

یہ جواب سنکر اس کی عظمت میرے دل میں بڑھ گئی۔

میں نے پوچھا۔ تیری سواری اور زاد راہ کہاں ہے۔

اس نے جواب دیا۔ میرا زادِ راہ تقویٰ ہے۔ سواری میری ٹانگیں ہیں اور میرا مقصود میرا آقا ہے۔

میں نے کہا آپ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس نے کہا۔ بنی عبدالمطلب سے ہوں۔

میں نے کہا۔ بنی عبدالمطلب میں سے کس خاندان سے ہے؟

اس نے کہا۔ بنی ہاشم سے۔

میں نے کہا۔ بنی ہاشم میں سے کس خاندان سے ہے؟

اس نے کہا۔ بنی علیؑ سے۔

میں نے کہا۔ بنی علی میں سے فاطمی ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں فاطمی ہوں۔

میں نے پوچھا۔ کیا کبھی شعر بھی کہے ہیں؟

اس نے کہا۔ کبھی کبھی کہہ لیتا ہوں۔

میں نے کہا۔

اگر مہربانی فرماسکیں تو چند اشعار مجھے بھی سنادیں۔

اس نے کہا۔

نحن علی الحوض ذوادہ نذود ونسقی ورادہ

ہم حوض کوثر کے نگران ہوں گے۔ ہم ہی حوض کوثر پر آنے والوں کو سیراب بھی کریں گے۔ اور کچھ کو دور بھی بھگائیں گے۔

وما فاز من فاز الا بنا   وما خاب من حبنا زاده

جو بھی کامیاب ہوگا وہ ہماری بدولت کامیاب ہوگا اور جس کا زاد آخرت ہماری محبت ہوگی وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔

ومن سرنا نال منا السرور   ومن سائنا ساء میلاده

جس نے ہمیں خوش کیا وہ ہم سے بھی خوشی ہی حاصل کرے گا ہمیں وہی اذیت دے گا جس کی ولادت بری ہوگی۔

ومن کان غاصباً حقنا   فیوم القیامة میعاده

جو شخص ہمارے حق کا غاصب ہوگا، قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆

یزید بنام عبداللہ ابن عباس

شہادت فرزند رسول کے بعد اہل مدینہ نے یزید سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اور یزید کی طرف سے آنے والے احکام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے البتہ یزید کی مخالفت بھی نہیں کرتے تھے۔

یزید صرف اسی خاموشی پر راضی نہ تھا۔ یزید کی یہ خواہش تھی کہ جس طرح اہل شام میرے متعلق عقیدت رکھتے ہیں اور جس طرح میری اطاعت کرتے ہیں۔ اہل مدینہ بھی انہی کی طرح میری عقیدت کا دم بھریں اور میری اطاعت کو فخر سمجھیں۔

علامہ مجلسی نے بحار میں نقل کیا ہے کہ شہادت نواسہ رسول کے بعد جب ابن زبیر نے دعوٰئ خلافت کیا اور عبداللہ ابن عباس کو دعوت بیعت دی تو جناب ابن عباس نے بیعت ابن زبیر سے انکار کر دیا۔ جب یزید کو اس انکار کی اطلاع ملی تو یزید یہ سمجھا کہ ابن عباس کا ابن زبیر کی بیعت سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ میری بیعت پسند کرتا ہے۔ چنانچہ یزید نے جناب ابن عباس کو

حسب ذیل خط لکھا

امابعد۔ فقد بلغنی ان الملحد ابن زبیر دعاك الی بیعته والدخول فی طاعته لتکون له علی الباطل ظهیراً وفی الماثم شریکا وانك اعتصمت بیعتنا وفاء منك لنا وطاعة الله لما عرفك من حقنا۔ فجزاك الله عن ذی رحم مایجزی الواصلین بارحامهم الموفین بعهودهم فما انسی من الاشیاء وتعجیل صلتك بالذی انت لا هل من القرابة

مجھے اطلاع ملی ہے کہ کافر ابن زبیر نے تجھے اپنی بیعت کی دعوت دی ہے اور تجھے اپنے حلقہ اطاعت میں جانے کو کہا ہے۔ تاکہ تو باطل میں اس کا معاون اور اس کے گناہوں میں اس کا شریک ہو جائے۔ مگر تو ہماری بیعت پر برقرار رہا۔ یہ آپ کی ہم سے وفا ہے اور اللہ نے آپ کو ہمارے حق کی جو معرفت دی ہے اس سے وفا ہے اللہ آپ کو وہی جزائے خیر دے۔ جو صلہ رحمی کرنے والے ایسے افراد کو دیتا ہے جو اپنے عہد پر قائم رہتا ہے۔ مجھے یہ بات کبھی نہ بھولے گی۔ اور نہ میں بھی آپ کے حقوق کی ادائیگی اور اس صلہ رحمی میں کوتاہی نہیں

من الرسول فاقطر	کروں گا۔ جو آپ کو قرابت رسول
من طلع عليك من	کے سبب سے حاصل ہے۔
الافاق ممن سحرهم	اطراف و نواح سے ایسے افراد
ابن الزبير بلسانه	جنہیں ابن زبیر اپنے جادو اور
وزخرف قوله	ملمع کردہ باتوں سے گمراہ کر رہا
فاعلمهم برايك	ہے ان پر آپ نظر رکھیں انہیں
فانهم منك	حقیقت حال سے آگاہ رکھیں
اسمع ولك	کیونکہ اس دشمن دین کی نسبت
الخوع من	لوگ آپ کی بات سننے اور
المارق۔	ماننے میں زیادہ توجہ دیتے
	ہیں۔

جناب ابن عباس نے جواب میں یزید کو حسب ذیل خط لکھا۔

اما بعد فقد جائنی	تیرا خط موصول ہوا ہے جس
کتابك تذكر دعاء	میں تو نے ابن زبیر کی مجھے دعوت
ابن الزبير اياى	دینے اور اس کے حلقہ اطاعت
الى بيعته والدخول	میں داخل ہونے کا ذکر کیا ہے
فى طاعته فان يكن	اگر ایسا ہوا تو تو یقین رکھ۔
ذلك كذلك فانى والله	بخدا! یہ اس لیے نہیں ہوگا
ما ارجوبذلك برك	میں تیری خوشنودی اور تیری
وتعجيل صلتك فانى	طرف سے آنے والے وظائف

حابس عنك ودی	کے حصول کی خاطر ہوگا۔ مجھے
فلعمری ما تؤتینا	تجھ سے کوئی محبت نہیں ہے
مما لنا قبلك من	بخدا! تجھے اچھی طرح معلوم ہے
حقنا الا الیسیر و	کہ ہمارے جو حقوق ہیں تو نے
انك لتحبس عنا	کبھی پورے ادا نہیں کیے بلکہ
منه العریض	ہمارے حقوق کا زیادہ اور بڑا
الطویل وسألت	حصہ تو نے روک رکھا ہے۔ تو
ان احث الناس	نے درخواست کی ہے کہ میں
الیك و ان	لوگوں کو ابن زبیر سے متنفر کروں
اخذ لهم من	اور تیری طرف مائل کروں۔ نہ تو
ابن الزبیر	یہ محبت ہوگی۔ نہ میری خوشی ہے
من ولاد ولا	اور ایسا کہتے ہوئے تجھے حیا
سروراً ولا حیاء	بھی نہیں آئی۔ تو مجھ سے مدد
ان تستنما لوتك	مانگتا ہے۔ مجھے اپنی محبت پر
وتحثنی علی ودك	مائل کرتا ہے۔ حالانکہ تو نے
وقد قتلت حسینا	فرزند رسول اور ایسے ہاشمی
وفتیان عبدالمطلب	جوانوں کو قتل کیا ہے۔ جو
مصابیح الهدی و	ہدایت کے چراغ اور ستاروں
نجوم الاعلام غادرتهم	کی درخشندگی تھے۔
خیولك بامرك فی	تیرے حکم سے تیرے گھوڑوں

صعید واحد مرملین
بالدماء سلوبین
بالعراء لامکفنین
ولا موسدین
تسفی علیهم الریاح
حتی اتاح الله
بقوم لم یشرکوا
فی دمائهم کفنوهم
وجلست مجلسك
الذی جلست
فی انسی من
الاشیاء ۔ اطرادك
حسینا من حرم
رسول الله الی حرم
الله وتسییرك الیه
الرجال لتقتله فی
الحرام فما زلت
بذلك وعلی ذلك حتی
اشخصته من مکة
الی العراق فخرج

انہیں مٹی میں ملا دیا۔ جو اپنے خون میں غلطاں تھے۔ ان کے جسم پر سے کپڑے اتار لیے گئے انہیں کفن نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی دفن کیا گیا۔ ریگ صحرا ان کے جسموں کو چھپاتی رہی۔ پھر اللہ نے ایسی قوم کو ان کے دفن پر آمادہ کیا جو ان کے خون میں شریک نہ تھے۔ پھر تو اپنے دربار میں مزے سے بیٹھ گیا۔ میں بھی تیری ایک ایک چیز کو نہیں بھول سکوں گا۔ تو نے فرزند رسول کو حرم رسول چھوڑ کر حرم خدا میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ پھر وہاں تو نے اپنے آدمی بھیجے تاکہ اسے حرم خدا میں شہید کر ڈالیں۔ تو مسلسل اسی فکر میں رہا حتی کہ تو نے اسے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ وہاں سے خوفزدہ ہو کر جانب عراق روانہ ہوا۔

خائفا يترقب نزلزلت
به خيلك عداوة
منك لله ولرسوله
ولاهل بيته الذين
اذهب الله عنهم
الرجس وطهرهم
تطهيرًا اولئك
لا كآبائك الجلاف
الجفاة اكبا والحمير
فطلب اليكم الموادعة
وسئلكم الرجعة
فاغتنمتم قلة
انصاره واستيصال
اهل بيته كلا يتى
اعجب عندى
طلبتك ودى وقد
قتلت ولد الى
وسيفك يقطر من
دمى وانت احد تارى
فانشاء الله لا يطل

تیری اللہ، رسول اور آل رسول
سے عداوت کے نتیجہ میں تیرے لشکر
وہاں پہنچ گئے۔ حالانکہ یہ وہ
اہل بیت تھے جن سے اللہ
نے رجس دور کیا اور انہیں اس
طرح پاک رکھا جس طرح پاک
رکھنے کا حق ہے۔ وہ تیرے
گندے۔ ظالم۔ اور گناہوں سے
جگر کے حامل اباء کی مانند نہیں
تھے۔ پھر اس نے تم سے صلح
کرنا چاہی۔ واپس مدینہ آنے کی
اجازت مانگی۔ لیکن تم نے دیکھا کہ
اس کے ساتھی کم ہیں۔ اس لیے
تم فرزند رسول اور اس کے اہلبیت
کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تل
گئے۔ مجھے تعجب ہے کہ تو
مجھ سے محبت کی درخواست کرتا
ہے۔ حالانکہ تو میرے باپ کے
بیٹوں کا قاتل ہے تیری تلوار
سے میرا خون ٹپک رہا ہے

لديك دمي ولا تسبقني	تو میرا انتقام ہے۔ انشاء اللہ
بثاري وان سبقتني	میرا خون تجھے ہضم نہیں ہوگا۔ اور
في الدين فقبل ذلك	میرا ہاتھ تجھ تک پہنچ جائے
ماقتل النبيون	گا۔ اگر تیری موت پہلے آ بھی
وآل النبيين	جاتے تو کوئی فرق نہیں پڑے
فيطلب الله بدمائهم	گا۔ کیونکہ قبل ازیں بھی انبیاء
فكفى بالله للمظلومين	اور اولاد انبیاء کو شہید کیا گیا
ناصرا ومن الظالمين	ہے۔ جن کا انتقام خود اللہ
منتقما فلا يعجبك	نے لیا ہے۔ مظلومین کی نصرت
ان ظفرت بنا اليوم	اور ظالمین سے انتقام کے لیے
منتظفرن بك يومًا	اللہ ہی کافی ہے۔
و ذكرت وفائي	تو اس بات پر خوش نہ ہو کہ
وما ذكرني	تو آج فاتح ہے۔ ایک دن
من حقك	آئے گا جب ہمارا ہاتھ تیرے
فان يك ذلك	گریبان میں ہوگا۔ جہاں تک
كذ موك فهو يتي	تیری اس بات کا تعلق ہے کہ
لا اريد ذكره	میں تیرا وفادار رہا ہوں اور
وما عسى ان	میں نے تیری بیعت کرلی تھی
اعجب حملك	تو یہ ایسی بات ہے جسے میں
نبات عبد المطلب	یہاں ذکر کرنا نہیں چاہتا میں

و اطفا لاصغارا	کب تیرا یہ کام بھول سکتا ہوں
من ولده	کہ تو نے عبد المطلب زادیوں
اليك بالشام	اور کم سن بچوں کو پابند رسن
كالسبي اعجلو	کر کے مجرم قیدیوں کی طرح
بين و ترى	شام میں بلایا۔
الناس انك	تو لوگوں کو یہ دکھا تا رہا کہ تو
قهرتنا و انت	فاتح ہے۔
تمن علينا وبنا	تو احسان جتلا تا رہا ہے حالانکہ
من الله عليك	اللہ نے ہماری وجہ سے تجھ پر
والله ما انا بالسين	احسان کیا ہے۔
من بعد قتلك	بخدا! تیرے فرزند رسول کو قتل
ولد رسول الله	کرنے کے بعد میں اللہ سے
ان ياخذ لك	قطعاً مایوس نہیں ہوں کہ وہ
اخذا ايما و	تجھے انتہائی دردناک انداز میں
يخرجك من	گرفت میں لے گا اور تجھے ذلیل
الدنيا مذموماً	کر کے دنیا سے خارج کرے گا
مدحوراً فعش	جتنی طاقت ہے زندہ رہ لے
لا ابالك ما استطعت	بخدا! تیری زندگی کا ہر سانس
فقد والله ازددت	تیرے بوجھ میں اضافہ کرے
عند الله اضعافاً اقترفت	گا۔ اور تیرا ہر لمحہ گناہ آلود

ماتماً۔ ہوگا۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ جو بھی تابع ہدایت ہو اس پر سلام۔

واقعہ حرہ:۔

یا۔

تاراجی مدینہ:۔

شہادت مظلوم کربلا کے بعد عرب کے اطراف نواح سے یزید کے پاس وفد آنے لگے جو اسے قتل فرزند رسول پر ملامت کرتے تھے ان وفود میں مدینہ کا وفد بھی تھا۔ اس وفد کا قائد غسیل ملائکہ جناب حنظلہ کا بیٹا عبداللہ تھا۔

جو بھی دربار یزید میں جاتا تھا وہ وہاں اسلام کی حالت دیکھتا تھا۔ خلیفہ امت کھلے عام شراب پی رہا ہے، شطرنج کھیل رہا ہے، رقص و سرود کی محفل موسیقی گرم ہے، ہر وفد یہ دیکھ کر واپس آکر اپنے اہل وطن کو ان حالات سے مطلع کرتا تھا۔

یزید نے لوگوں کے ضمیر خریدنے کی کافی کوشش کی۔ عبداللہ ابن جناب حنظلہ کو اس نے ایک لاکھ درہم دیا۔ اور دیگر شرکائے وفد میں سے بھی ہر ایک کو کافی دیا۔ جب یہ وفد واپس مدینہ آیا تو عبداللہ نے اہل مدینہ سے یہ کہا۔

اگر میرا ساتھ دو تو میں یزید کے خلاف جہاد کرتا ہوں۔

جب اہل مدینہ نے عبداللہ کی یہ ہمت دیکھی تو تمام نے عبداللہ کی بیعت کرلی۔

مدینہ اور مکہ کے یزیدی گورنروں کو ابن زبیر پہلے ہی نکال چکا تھا۔ یا بعض مورخین کے مطابق یزید ہی کی طرف سے عثمان ابن محمد ابن ابوسفیان گورنر مدینہ تھا۔ عبداللہ ابن حنظلہ نے تمام بنی امیہ کو مروان ابن حکم کے گھر نظر بند کردیا۔ اور ان پر پہرہ بٹھادیا۔ ان لوگوں نے یزید کو خط کے ذریعہ تمام حالات سے مطلع کیا۔

یزید نے پہلے تو عبیداللہ ابن زیاد سے کہا۔ اہل مدینہ اور ابن زبیر کو جہاد کا مزہ چکھا۔ لیکن ابن زیاد نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میرے لیے فرزند رسول کا قتل کافی ہے۔ اب مجھے حرم رسول مدینہ اور حرم خدا کی توہین اور اہالیان حرم کے قتل وغارت سے معاف رکھو۔

پھر یزید نے عمرو ابن سعید سے کہا۔ اس نے بھی معذرت کرلی۔ آخر میں یزید نے مسلم ابن عقبہ مری کو ایک عظیم لشکر دیا اور اسے کہا کہ جتنا جلد ممکن ہو سکے مدینہ پہنچ۔

اہل مدینہ کو تین مرتبہ میری اطاعت کی دعوت دینا اگر قبول کرلیں تو بہتر۔ اگر وہ انکار کردیں تو پھر ان پر حملہ کرنا۔ غلبہ پالینے کے بعد تین دن تک مسلسل قتل وغارت برپا رکھنا۔ ایسی غارت گری اور قتل عام ہو کہ اہل مدینہ پھر کبھی اٹھانے کی جرات نہ کریں۔

اگر کسی وجہ سے تو زخمی یا مریض ہو جائے اور امور جنگ سرانجام نہ دے سکے تو پھر حصین ابن نمیر کو امیر لشکر بنا دینا۔ مدینہ فتح کرنے کے بعد مکہ آنا۔ وہاں

ابن زبیر کو باندھ کر شام بھیج دینا اور اہل مکہ کو بھی اہل مدینہ کی طرح اچھی طرح سبق دینا۔

البتہ بنی ہاشم سے بالعموم اور علیؑ ابن حسینؑ سے بالخصوص حسن سلوک کرنا۔ کیونکہ اب ان کے پاس کوئی ایسا نہیں بچا جو ہمارا مقابلہ کر سکے جہاں تک علیؑ ابن حسین کا تعلق ہے وہ دردرسیدہ ہونے کے علاوہ اتنا بیمار ہے کہ اس کے لیے زندگی کے دن گزارنا مشکل ہیں۔

یہ محرم ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ یکم محرم ۶۳ھ کو اہل مدینہ نے یزیدی گورنر کو مدینہ بدر کیا۔

اہل مدینہ نے باہمی مشورہ سے تمام بنی امیہ سے قسم لی کہ اس شرط پر تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ تم۔

اولاً:۔

یزیدی لشکر کی بذات خود حمایت نہیں کرو گے۔

ثانیاً:۔

انہیں کسی قسم کی ہماری کمزوری سے مطلع نہیں کرو گے۔

ثالثاً:۔

یزیدی لشکر کو کسی قسم کا اسلحہ وغیرہ نہیں دو گے۔

تمام امویوں نے قسم کھا کر ان شرائط کو قبول کر لیا۔ اہل مدینہ نے انہیں بیرون مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ عبدالملک ابن مروان اور خود مروان اس قسم میں نہیں آئے۔ اہل مدینہ نے ان کی چنداں پرواہ بھی نہ کی۔ جب یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو ان سب نے مشورہ کیا کہ ہمیں شام چلے جانا چاہیے

چنانچہ ان لوگوں نے شام کی راہ لی۔ راستہ میں مسلم ابن عقبہ ملا جو مدینہ سے ابھی تین منزل دور تھا۔ اس نے ان امویوں کو بلایا اور ان سے حالات پوچھے۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ۔

ہم چونکہ قسم کھا چکے ہیں اس لیے ہم سے تجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ البتہ عبدالملک تا حال مدینہ میں ہے اسے مدینہ والوں نے قسم کا پابند بھی نہیں کیا۔ اسے بلالے اور جو پوچھنا ہے اس سے پوچھ لے۔

مسلم نے کہا۔

وہ ابھی نوجوان ہے اسے جنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ وہ جنگی مشورے کیا دے گا۔

امویوں میں سے ایک نے کہا۔

اس میں شک نہیں کہ عبدالملک جوان ہے لیکن حسن تدبر اور زیرکی میں بے مثال ہے۔

مسلم نے عبدالملک کے پاس قاصد بھیجا۔ عبدالملک قاصد کے ساتھ آگیا۔ مسلم نے عبدالملک سے خلوت میں گفتگو کی۔

عبدالملک نے مسلم کو حسب ذیل ہدایات دیں۔

ا۔ مدینہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر کھجوروں کے کسی باغ میں قیام کرنا۔

ب۔ تھکے ہوئے اونٹ گھوڑے اور سپاہی ستا لیں گے۔

ج۔ رات کے پچھلے حصہ میں کوچ کرنا تاکہ طلوع آفتاب کے وقت پہنچ جاؤ۔

د۔ جنگ کی ابتدا مشرقی دروازہ سے کرنا۔ ایسا کرنے سے سورج اہل مدینہ کے

سامنے اور تمہارے پشت پیچھے ہوگا۔

جب مسلم نے عبدالملک کی یہ ہدایات سنیں تو بڑا خوش ہوا۔

اہل مدینہ نے اپنے پروگرام کے مطابق جنگی میدان مغربی دروازہ کے سامنے بنا رکھا تھا۔ انہوں نے مغربی دروازہ کے سامنے ایک بہت بڑی اور چوڑی خندق کھود لی تھی۔

عبداللہ ابن حنظلہ نے ہراول دستے کا سالار فضل ابن عباس ابن ربیع کو مقرر کیا۔

مسلم سے پہلے یزید نے نعمان ابن بشیر کو اہل مدینہ کے پاس بھیجا تھا نعمان نے آکر اہل مدینہ کو اپنی طرف سے کافی ڈرایا اور دھمکایا۔ عبداللہ مطیع عدوی نے نعمان سے کہا۔

دیکھ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

اللہ نے اہل مدینہ کو اصلاح امت کے لیے اکٹھا کر دیا ہے اب تو اس میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش نہ کر اور یہاں سے چلا جا۔

نعمان نے کہا۔ میں تو چلا جاؤں گا۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یزید کے عزائم کیا ہیں۔

مسلم ابن عقبہ نے حکم یزید کے مطابق تین مرتبہ اطاعت یزید کی دعوت دی جسے اہل مدینہ نے ٹھکرا دیا۔ نتیجہ میں جنگ شروع ہو گئی۔ مسلم نے عبدالملک کے مشورہ کے مطابق آغاز جنگ مشرقی دروازہ سے کیا۔ اس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ اہل مدینہ کی تمام کی گئی تدابیرات بے اثر ثابت ہو گئیں۔

جنگ شروع ہو گئی۔ اہل مدینہ نے جان کی بازی لگا دی اور یزیدی لشکر

کو پیچھے دھکیل دیا۔

یزیدیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلم کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اپنے خیمہ میں لیٹ رہا۔ اپنے ایک رومی غلام سے کہا۔ کہ میرا علم لے کے تو خیمہ کے سامنے کھڑا ہو جا۔

فضل ابن عباس نے جب مسلم کے خیمہ کے سامنے علم بدست ایک شخص کو دیکھا تو وہ یہ سمجھا کہ مسلم ابن عقبہ ہے۔ فضل نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ غلام مر گیا۔ فضل نے خوش ہو کر اعلان کر دیا۔

اے شامیو! ہتھیار پھینک دو مسلم قتل ہو گیا ہے۔ جب مسلم نے یہ منادی سنی تو فوراً اٹھا۔ زرہ پہنی۔ ہتھیار لگائے۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور باآواز بلند کہا۔

مسلم میں ہوں۔ اور میں موجود ہوں۔ میں نہیں مرا۔ میں اپنی موت کے منادی کو قتل کر کے رہوں گا۔

پھر مسلم نے شامیوں سے کہا:

کیا تم یونہی لڑو گے۔ اہل مدینہ کی تعداد ہی کیا ہے۔ ایک مٹھی بھر تعداد سے تم شکست کھا گئے ہو۔ اگر لڑنا نہیں چاہتے تو جاؤ اپنے اپنے خیمہ میں بیٹھ جاؤ۔ جب تک میں لڑ سکوں گا لڑوں گا جب میں قتل ہو گیا تو واپس چلے جانا۔ ہاں یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے جو بھی شکست کھا گیا۔ وہ زندہ نہیں بچے گا اگر اہل مدینہ سے بچ کے گیا تو یزید کی تلوار سے نہیں بچے گا۔ آگے بھی موت ہے پیچھے بھی موت۔ میدان جنگ کی موت عزت کی موت ہے اور یزید کی تلوار میں ذلت کی موت ہے۔

مسلم کی یہ تقریر سنکر شامی فوج میں ولولہ بڑھ گیا۔ اور انہوں نے نئے جذبے سے حملہ کیا۔

مسلم نے فضل پر حملہ کیا۔ اس کی کمر میں نیزہ مارا فضل گھوڑے پر نہ سنبھل سکا۔ گر گیا۔

مسلم پیچھے پلٹ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے نے مسلم پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسلم ہوشیار تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے پر جوابی حملہ کیا۔ اور اس کو قتل کر دیا۔ فضل اور پسر عبدالرحمٰن کے قتل سے اہل مدینہ کے حوصلے پست ہو گئے۔ اب عبداللہ ابن حنظلہ خود سامنے آیا۔ اپنے تمام ساتھیوں سے کہا۔

اب سواریوں سے نیچے اتر آؤ۔ تمام لڑنے والے اہل مدینہ پیدل ہو گئے۔

ادھر مسلم نے شامیوں کو حکم دیا کہ تم بھی گھوڑوں سے اتر آؤ۔ دوبدو جنگ شروع ہو گئی۔ عبداللہ ابن حنظلہ کے تین بیٹے اس کے دیکھتے دیکھتے شہید ہو گئے۔ ہر طرف سے مارو مارو کا شور بلند ہو گیا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی عبداللہ نے جب اپنے بیٹوں کو خاک اور خون میں تڑپتا دیکھا تو یہ کہہ کر فوج یزید پر حملہ کر دیا۔

تمہارے بعد خاک جینا ہے عبداللہ کے ساتھ اس کا مادری بھائی محمد ابن ثابت ابن قیس انصاری بھی میدان میں کود گیا۔ دونوں بھائی بے جگری سے لڑے۔ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں بھائیوں کو ایک ہی وقت میں پیشانیوں پر زہریلے تیر لگے۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ عبداللہ کے ہاتھ سے علم گر گیا

جونہی اہل مدینہ کا علم سرنگوں ہوا وہ پس پا ہونا شروع ہو گئے۔ شامی لشکر نے تعاقب جاری رکھا۔ اہل مدینہ داخل شہر ہو گئے۔ یزیدی لشکر بھی ان کے تعاقب میں داخل شہر ہو گئے۔

جب یزیدی لشکر داخل مدینہ ہو گیا تو مسلم ابن عقبہ نے تمام یزیدیوں کو مخاطب کر کے حسب ذیل حکم سنایا۔

جو چاہو لوٹو۔ اور جسے چاہو قتل کرو۔ امیر المومنین یزید نے اہل مدینہ کے مال کی طرح انکی جان بھی ہم شامیوں پر حلال کی ہے جو چاہو کرو۔ کسے کسی قسم کا ڈر اور خوف نہیں ہونا چاہیے۔

یزیدیوں کو اور کیا چاہیے تھا۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں بلا امتیاز مرد و عورت۔ بچہ و جوان، مریض و تندرست تلوار چلنے لگی۔ اور اہل مدینہ وامحمداہ، وامحمداہ کی فریاد کرنے لگے۔ مگر اب کون تھا جو ان کی سنتا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

ایک گلی میں بہنے والا خون دوسری کے خون سے ملنے لگا۔ سیلاب کے پانی کی طرح خون کی سطح بلند ہونا شروع ہو گئی حتیٰ کہ خون مسجد نبوی میں پہنچ گیا۔

تین دن یہ سلسلہ جاری رہا۔ دن کو قتل و غارت اور رات کو فسق و فجور شروع ہو گیا۔ مورخین کے مطابق چھ ہزار لاش مل سکتی تھی۔ زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ یزیدیوں کے رات کے کرتوتوں کے نتیجہ میں واقعہ حرہ کے بعد سات سو کنواری لڑکی نے بچے جنے تھے۔ کافی سے زیادہ لوگ مدینہ سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔

چوتھے دن مسلم نے قتل و غارت کے بند کرنے کا حکم دیا۔ اور اعلان امن کرایا۔ اور حکم دیا کہ۔

جو یزید کی بیعت کرے اسے امان ہے۔

سب سے پہلے جو شخص منادی سنکر آیا۔ وہ ام المومنین ام سلمہ کا بیٹا عبداللہ ابن ربیعہ تھا۔ جب مسلم سے ملا۔ تو مسلم نے کہا۔

یزید کی بیعت کر۔

عبداللہ نے کہا۔

میں کتاب خدا اور سنت رسول پر بیعت کروں گا۔

مسلم نے کہا۔ میں کسی سے مشروط بیعت نہیں لوں گا۔ جسے بیعت کرنا ہو وہ اس طرح بیعت کرے کہ۔

میرے مال۔ میری جان۔ میری اولاد۔ میری ناموس سب کچھ یزید کے لیے ہے جو چاہے فیصلہ کرے۔

عبداللہ نے ایسی بیعت میں پس و پیش کی۔

مسلم نے جلاد سے کہا۔ اسے قتل کر کے اس کی لاش باہر پھینک دے۔

عبداللہ کو قتل کر کے لاش باہر پھینک دی گئی۔

عبداللہ کے بعد ابوالجہم ابن حذیفہ عدوی آیا۔

مسلم نے کہا۔ کیا تو وہی شخص ہے جو لوگوں کو بتاتا تھا کہ امیرالمومنین یزید شراب پیتا ہے۔ موسیقی سے شغل کرتا ہے۔ اسلامی دربار میں بیٹھ کر محفل رقص و سرود برپا کرتا ہے۔ اگر یزید ایسا کرتا ہے تو تجھے پروپیگنڈہ کا کیا حق تھا۔

یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا۔ جلاد نے ابو الجہم کا سر قلم کر کے اس کا لاشہ بھی باہر پھینک دیا۔

تیسرے نمبر پر خلیفہ سوم کا بیٹا عمرو ابن عثمان آیا۔ اسے امید تھی کہ مجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

مسلم نے جونہی اسے دیکھا۔ تو گالی دے کر کہا۔ کیا تو وہی منافق ہے جو شامیوں سے ملتا تھا تو کہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور وہاں سے رقم بٹورتا تھا اور مدینہ والوں سے کہتا تھا کہ میں تمہاری طرح شامیوں کا دشمن ہوں۔

پھر جلاد سے کہا۔ اسے بھی قتل کر دے۔ جلاد نے اسے بھی قتل کیا اور لاش کو باہر پھینک دیا۔

پھر معقل ابن سنان اشجعی کے قتل کا حکم دیا۔

اس کے بعد کسی میں کچھ کہنے کی ہمت نہ رہی۔ جو بھی آتا تھا مسلم کے حکم کے مطابق یزید کی بیعت کرتا اور واپس چلا جاتا۔ فتح مدینہ کے بعد مسلم ایک سال تک مدینہ کا حکمران رہا۔

سنہ ۶۴ھ میں اسے یزید کی طرف سے حکم ملا کہ اب مدینہ کے حالات درست ہو گئے ہیں اب ضرورت ہے مکہ جانے کی ابن زبیر نے فتنہ پھیلا رکھا ہے۔ مکہ کو ابن زبیر سے بہر صورت پاک کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کرنا پڑے تجھے کھلی اجازت ہے۔

مسلم نے اپنے تمام لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور مکہ پر حملہ کی غرض سے روانہ ہو گیا۔

ابھی مکہ سے تین منزل دور تھا کہ مسلم بیمار ہوگیا۔ جب اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا تو اس نے حصین ابن نمیر کو بلایا۔ اور حسب ذیل ہدایات دیں۔

ا۔ میں تجھے امیرالمومنین یزید کے حکم کے مطابق اپنا نائب بنا رہا ہوں۔
ب۔ اپنے دل کو مارنے اور ذبح کرنے کے لیے ابھی سے تیار کرلے۔
ج۔ تیرے ارادہ میں کسی چیز کو خلل نہیں ڈالنا چاہیے۔
د۔ اگر تجھے کہا جائے کہ بیت اللہ جائے امن ہے تو اس قسم کے خرافات پر دھیان مت دینا۔
ہ۔ امیرالمومنین یزید کے حکم کا تقدس کعبہ، حرم، اور مسجد سب سے زیادہ ہے۔
ز۔ مکہ پہنچنے کے بعد پہلے ابن زبیر کو اطاعت یزید کا کہنا۔
ح۔ جب وہ انکار کرے تو مکہ کا ہر طرف سے محاصرہ کرلینا۔
ط۔ ہر چہار جانب سے مناسب بلند مقام پر توپیں نصب کرا دینا۔
ی۔ آگ اور پتھروں کی بارش کر دینا۔
ک۔ کسی چھوٹے بڑے۔ اور بیمار دستور پر ترس مت کھانا
ل۔ اگر مکہ کو چٹیل میدان بھی بنانا پڑے تو بنا دینا ہر گھر کو مسمار کر دینا یا جلا دینا۔

یہ ہدایات دینے کے بعد مسلم واصل جہنم ہوگیا۔
حصین نے مکہ پہنچ کر مسلم کی ہدایات پر عمل کیا۔
کوہ ابو قیس پر توپیں نصب کرکے آتش بازی اور سنگ باری شروع

کردی۔ مکہ کے مکانات گرنا شروع ہو گئے۔ ابن زبیر کا بھائی منذر ابن زبیر لڑنے کو نکلا مارا گیا۔

ابھی مکہ کا محاصرہ اور آتش باری جاری تھی کہ مرگ یزید کی اطلاع ملی چنانچہ حصین نے محاصرہ اٹھالیا اور لشکر کو واپس شام چلنے کا حکم دیا۔

یزید نے اپنے تین سالہ دور حکومت میں تین کام کیے ہیں۔

۱۔ ۶۱ھ میں قتل ذریت رسول اور قید بنات زہراؑ۔

۲۔ ۶۳ھ واقعہ حرہ یعنی مدینہ میں قتل و غارت اور فسق و فجور۔

۳۔ ۶۴ھ مکہ پر حملہ۔ بیت اللہ پر آتش باری حرم خدا کی توہین اور اہل مکہ کا قتل۔

جناب مختار اور آل محمدؑ۔

۱۔ امام سجادؑ:۔

رحم الله المختار انه اقر عيوننا۔	اللہ مختار پر رحم فرمائے اس نے ہمارے دل ٹھنڈے کیے ہیں۔

۲۔ امام باقرؑ:۔

حکم ابن مختار آپ کو ملنے آیا اور اس نے عرض کیا قبلہ لوگ میرے والد کے متعلق بہت سی باتیں کرتے ہیں۔

آپ کیا فرماتے ہیں۔

آپ نے پوچھا۔ لوگ کیا کہتے ہیں۔

حکم نے عرض کیا۔

قبلہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جھوٹا اور مکار تھا۔

آپ نے فرمایا۔ لوگ غلط کہتے ہیں۔ مختار نے ہم اہل بیت کو سکھ دیا ہے۔

۴۔ امام صادق:۔

لا تسبوا المختار	مختار کو سب نہ کیا کرو۔ اس
فانه قد قتل	نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا
قتلتنا وطلب	ہے۔ ہمارا بدلہ لیا ہے۔ اور
بثارنا و زوج	ہماری بے واؤں کی شادیاں
اراملنا۔	کرائی ہیں۔

زید ابن علیؑ ابن حسینؑ:۔

زیدیہ مسلک انہی کی طرف منسوب ہے۔ جس طرح جناب محمد حنیفہ نے کبھی دعوائے امامت نہیں کیا تھا اور امام حسینؑ کے بعد امام سجاد کو امام مانتے تھے اسی طرح جناب زید نے کبھی بھی دعوائے امامت نہیں کیا تھا۔ اور امام سجاد کے بعد امام باقر کو امام مانتے تھے۔

شارح صحیفہ سجادیہ محقق علی خان نے لکھا ہے۔

ابو الحسن زید ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب تمام فضائل و مناقب کا جامع تھا۔ کثرت تلاوت قرآن کی وجہ سے ان کا لقب حلیف القرآن معروف ہو گیا تھا۔

ابو نصر بخاری نے ابن جارود سے نقل کیا ہے کہ میں مدینہ میں آیا میں نے جس سے بھی زید ابن علی کے متعلق پوچھا تھا وہ یہی کہتا تھا کہ کیا تو حلیف قرآن اور حلیف ستون کی بات کرتا ہے۔ حلیف قرآن کثرت تلاوت اور حلیف ستون کثرت نماز سے کنایہ تھا۔

شیخ مفید نے ارشاد میں لکھا ہے کہ زید ابن علیؑ اپنے بھائی محمد باقر کے بعد اپنے تمام بھائیوں کی نسبت زیادہ پرہیزگار۔ عابد۔ زاہد۔ فقیہ۔ سخی اور بہادر تھے۔ انہوں نے تلوار کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ وہ خوشنودی آل محمد کی دعوت دیتا تھا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ خود اقتدار کا خواہش مند ہے۔ حالانکہ وہ خود امام باقر کی امامت کا قائل تھا۔ اور ہر چیز اس کی اس وصیت میں صراحتہً مذکور ہے جو امام صادقؑ کے نام ہے۔

عمران متوکل ابن ہارون بلخی نے اپنے باپ متوکل ابن ہارون سے روایت کی ہے۔

متوکل کہتا ہے کہ میری ملاقات یحیٰ ابن زید سے اس وقت ہوئی جب جناب زید شہید ہو چکے تھے۔ اور میں خراسان جا رہا تھا۔

میں نے پوچھا۔

اے فرزند رسولؐ آپ کے والد کا کیا ہوا؟

جناب یحیٰ نے جواب دیا۔

وہ شہید ہو گئے ہیں۔ اور انہیں شہادت کے بعد کوفہ کے دار کناسہ میں سولی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ انہیں غش آ گیا۔ جب غش سے افاقہ

میں نے عرض کیا۔

اے فرزند رسول! بھلا انہوں نے یہ اقدام کیوں کیا؟ جب کہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا مقابل دشمن آل محمد ہے اور ان کے دوست اس کے مقابلہ میں کم ہیں۔

جناب یحییٰ نے کہا۔

خود میں نے یہی سوال ان سے کیا تھا انہوں نے مجھے جو جواب دیا تھا وہ یہ ہے۔

میں نے اپنے والد کے ذریعہ امام حسینؑ سے سنا ہے کہ ایک دن سرور انبیاء نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

اے حسین تیری ذریت سے ایک بچہ ہوگا۔ جسے زید کہا جاتے گا۔ وہ شہید ہوگا۔ لیکن قیامت کے دن وہ اور اس کے ساتھی دربار خالق میں آئیں گے اور بلا حساب داخل جنت ہوں گے۔

بیٹے میں چاہتا ہوں کہ جس طرح سرور انبیاء نے فرمایا ہے میں اسی طرح ہو جاؤں۔

پھر فرمایا۔

اللہ میرے باپ پر رحمت فرمائے۔ وہ قائم اللیل۔ صائم النہار اور مجاہد راہ خدا تھے۔

میں نے عرض کیا۔ اے فرزند رسول! کیا امام انہی اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔ میرا باپ ہرگز امام نہ تھا اور نہ ہی مدعی امامت تھا

سادات کرام سے تھا۔ زاہد اور متقی تھا۔ راہ خدا کا مجاہد تھا۔

میں نے کہا۔ اے فرزند رسول! کیا آپ کے باپ نے دعوائے امامت نہیں کیا تھا؟

جناب یحییٰ نے فرمایا۔

تجھے یقین رکھنا چاہیے کہ میرا والد دعوائے امامت کرنے سے ہمیشہ دور رہا اور وہ سمجھتا تھا کہ جو چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کا غلط دعوٰے کیوں کروں۔

اس نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ میں خوشنودی آل محمدؐ کی دعوت دیتا ہوں اس سے ان کی مراد میرا چچازاد امام جعفرؑ ہوتا تھا۔

میں نے عرض کیا۔

کیا اس وقت صاحب الامر امام جعفرؑ ہی ہیں۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔ بے شک وہی ہیں۔ وہی افقہ بنی ہاشم اور منصوص من اللہ ہیں۔

پھر فرمایا۔

اگر تو چاہے تو میں تجھے ملخصاً اپنے والد کی عبادت کا حال بتا دوں کہ شب و روز میں ان کی عبادت کے اوقات کار کیا تھے۔

میں نے عرض کیا

آپ ضرور مجھے آگاہ فرمائیں۔

انہوں نے بتایا۔ کہ وہ دن نمازیں گزارتے تھے۔ جب رات آجاتی تھی تو تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے تھے۔ پھر کھڑے ہو جاتے اور نوافل پڑھتے نوافل کے

بعد زیر آسمان کھڑے ہو کر دعا مانگتے تھے اور یہ سلسلہ طلوع صبح تک رہتا تھا طلوع فجر کے بعد نماز صبح پڑھتے اور پھر تعقیبات میں بیٹھ جاتے تھے جب دن کافی چڑھ آتا تھا تو تعقیبات سے اٹھتے کچھ دیر کے لیے معاشی امور سرانجام دیتے۔

جب زوال کا وقت ہوتا مصلیٰ پر بیٹھ جاتے تسبیح و تمجید خدا کرتے بعد از زوال فریضہ ظہر پڑھتے پھر مصروف تعقیبات ہو جاتے پھر فریضہ پڑھتے پھر غروب آفتاب تک مصروف تعقیبات رہتے۔

میں نے پوچھا کیا ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔

نہیں ہمیشہ روزہ نہیں رکھتے تھے سال میں تین ماہ۔ اور مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔

میں نے پوچھا۔

کیا وہ فتویٰ بھی دیتے تھے۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے انھوں نے کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا۔

ولادت جناب زید۔

ابوحمزہ ثمالی نے امام سجادؑ سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں امام سجادؑ کی خدمت میں آیا تو آپ کی گود میں ایک بچہ تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بچہ اٹھ کر گھر جانے لگا۔ دیہرے پاؤں اٹکا تو گر گیا۔ آپ جلدی سے اٹھے اور بچہ کو اٹھایا

چوٹ کی وجہ سے پیشانی سے خون بہنے لگا تھا۔ خون صاف کیا اور فرمانے لگے۔

بیٹے تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

یہ فرما کر، رونے لگے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ خیریت تو ہے؟

آپ نے فرمایا۔

ابو حمزہ میرا یہ بیٹا مضافات کوفہ میں قتل کیا جائے گا۔ قتل کے بعد اسے دفن کیا جائے گا۔

پھر قبر سے اس کی لاش نکالی جائے گی۔ لاش کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔

پھر جلا کر راکھ کو صحرا میں بکھیر دیا جائے گا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ بچے کا نام کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

اس کا نام زید ہے۔

پھر فرمایا۔ اگر میں تجھے اس کی ولادت کا حال سناؤں تو حیران رہ جائے گا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر ایسی بات ہے تو ضرور سنائیں۔

آپ نے فرمایا۔

ایک رات میں سو رہا تھا۔ عالم خواب میں میں نے اپنے نانا سرور انبیاء۔ دادا علی مرتضیٰ۔ چچا حسن مجتبیٰ۔ بابا شہید کربلا اور دادی فاطمہ زہراؑ کو جنت میں

دیکھا۔ انہوں نے ایک حور جنت سے میری شادی کرائی۔ اس سے ایک بچہ ہوا۔ آنحضورؐ نے اس کا نام زید رکھا۔

میں نیند سے بیدار ہوا تو دق الباب ہوا۔ میں دروازہ پر آیا تو ایک شخص کھڑا تھا اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔

میں نے پوچھا۔ کسے ملنا ہے۔

اس نے کہا۔ مجھے علیؑ ابن حسینؑ سے ملنا ہے۔

میں نے کہا۔

میں علیؑ ابن حسینؑ ہوں کیا کہنا ہے۔

اس نے کہا۔ میں ایک قاصد ہوں مختار کا۔ ایک خط بھی لایا ہوں اور یہ کنیز بھی مختار نے ہدیۃً بھیجی ہے۔ علاوہ ازیں کچھ تحائف بھی ہیں۔ میں اس کنیز کو اندر لایا۔

اس سے نام پوچھا۔

اس نے عرض کیا میرا نام حور ہے۔

مجھے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی تھی۔ میں نے اس سے عقد کیا۔ اس سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ چونکہ میرے خواب کی تعبیر تھا اس لیے میں نے اس کا نام بھی زید رکھا ہے۔ جو کچھ میں نے تجھے بتایا ہے وہ تو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھے گا۔ جیسا کہ امام سجادؑ نے فرمایا تھا میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔

خروج جناب زید:۔

سنہ ۱۲۱ھ میں آپ نے کوفہ میں ہشام ابن عبدالملک اموی کے خلاف قیام کیا۔

یوں تو اسباب خروج بہت سے بتلائے گئے ہیں جن میں اکثر اموی مورخین کی خانہ ساز باتیں ہیں۔ علمائے محققین نے جس سبب کو صحیح قرار دیا ہے ہم وہی پیش کیے دیتے ہیں۔

جناب زید، جناب داؤد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس اور محمد ابن عمر و ابن علی عراق میں ہشام کے گورنر خالد ابن عبداللہ قسیری کے پاس گئے۔ اس نے ان کا کافی احترام کیا۔ اور جب یہ واپس آنے لگے۔ تو اس نے انہیں تحائف بھی دیئے۔

جب یہ اطلاع ہشام کو ملی کہ آل محمد کے کچھ افراد گورنر کوفہ کے پاس آئے تھے جنہیں عزت و احترام سے رکھا ہشام نے خالد کو معزول کر کے یوسف ابن عمر ثقفی کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

ہشام نے جناب زید اور اس کے دونوں ساتھیوں کو شام بلایا ان سے حقیقت حال دریافت کی جب دونوں نے تمام بات صاف صاف بتادی ہشام ظاہراً تو خاموش ہو گیا اور ان سے کہا کہ آپ کوفہ واپس جائیں اور یوسف کو بھی مطمئن کر دیں۔

ذہنی طور پر ہشام مطمئن نہیں تھا اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ لوگ کوئی سازش نہ کر رہے ہوں۔

ہشام کا یہ حکم سنکر کہ تم سب ایک مرتبہ پھر کوفہ جاؤ اور یوسف کو مطمئن کرو۔ جناب زید پریشان ہوئے۔

بادل ناخواستہ کوفہ آئے۔ یوسف کو مطمئن کیا اور واپس مدینہ کی طرف پلٹے ابھی راستہ میں تھے کہ پیچھے سے کوفیوں کا ایک وفد آ کر ملا۔ اور انہوں نے اہالیان کوفہ کی طرف سے درخواست کی کہ اگر آپ ہماری سرپرستی فرمائیں تو ہم بنی امیہ کی حکومت کے خلاف آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔

جناب زید نے اپنے دونوں ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ ان دونوں نے کوفہ کی درخواست کو مسترد کر دیا۔

جناب زید نے ان کی حامی بھر لی اور واپس کوفہ پلٹ گئے۔ جب آپ کوفہ پہنچے تو کوفہ کے تمام امیر و غریب اور زن و مرد آپ پر ٹوٹ پڑے آپ نے سب سے خوشنودی آل محمد پر بیعت لی۔

ہشام نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کر کے اکثریت کو جناب زید کے گرد جمع ہونے سے روک لیا کہ اس وقت واجب الاطاعت امام جعفر موجود ہے۔ اور واجب الاطاعت کی موجودگی میں اور کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ کم و بیش پانچ سو آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں آ گئے۔ مشورہ یہ ہوا کہ جس دن خروج کرنا ہوگا اسی رات کو چھتوں پر آگ روشن کر دی جائے گی تاکہ تمام ساتھی جمع ہو جائیں۔

یکم صفر ۱۲۱ھ کی رات کو چھتوں پر آگ روشن ہو گئی۔ آنے والے سب جمع ہو گئے۔

اتنے میں صبح بھی طلوع ہوگئی۔ یوسف ابن عمر دارالامارہ سے باہر آیا اپنے لشکر کو جمع کیا۔

بیرون کوفہ جناب زید کی مختصر سی فوج تھی اموی فوج نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ جنگ شروع ہوگئی۔ طرفین سے لاشیں گرنے لگی۔ ابھی جناب زید کے سپاہیوں سے زید ابن خزلیہ، معاویہ ابن ابی اسحاق زیاد ابن عبدالرحمن اور ستر دوسرے جانبار شہید ہوتے تھے کہ ایک تیر جناب زید کی بائیں کن پٹی پر آکر لگا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گرے آپ کے ایک غلام نے آپ کو اٹھایا اور ایک ارادت مند کے گھر لے گیا۔ وہاں علاج کی کوشش کی گئی۔ لیکن آپ جابر نہ ہوسکے۔ رات ہی میں وفات پائی۔ چند شیعوں نے غسل وکفن دیا اور ایک بہتی ہوئی نہر کا پانی روک کر اس میں قبر بنائی اس میں دفن کیا۔

دوسری طرف جناب زید کی شہادت سے آپ کی فوج کے حوصلے پست ہوگئے۔

اور یوں جنگ ختم ہوگئی۔

یوسف نے جناب زید کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر ہشام کو بھیج دیئے جناب زید کے متعلق اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ شہید ہوگئے ہیں یا روپوش۔

ہشام کی طرف سے ایک عتاب آلودہ خط آیا کہ۔ مجھے شاخوں کو نہیں تنے کی ضرورت تھی جب تک زید کا سراغ نہ ملے اس وقت تک مجھے اطمینان نہ ہوگا۔

یوسف نے دوبارہ تفتیش شروع کر دی۔ بالآخر اسے دونوں کا سراغ مل گئے۔

ایک تو یہ بھی اسے یقین ہو گیا کہ جناب زید شہید ہو چکے ہیں۔ اور دوسرے مدفن کا بھی پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس نے قبر کھدوائی جناب زید کا دفن شدہ صحیح و سالم لاشہ نکالا۔ سر قلم کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اور جسم کو دار کناسہ پر سولی چڑھا دیا۔

چار برس تک جناب زید کا جسم سولی چڑھا رہا۔

جریر ابن ابو حازم سے مروی ہے کہ انہی دنوں میں نے خواب میں نبی کریم کو دیکھا آپ جناب کے سولی کردہ لاشہ کے قریب کھڑے ہو کر آنسو بہاتے ہوئے فرما رہے تھے۔

آہ! ھکذا تفعلون بأولادی۔ — افسوس! کیا میری ذریت سے یہی سلوک کرو گے۔

جب ہشام اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ اور اس کی جگہ ولید ابن یزید حکمران ہوا تو اس نے سب سے پہلا خط یوسف ابن عمر ثقفی کو لکھا کہ۔ اہل عراق کے بت (لاشہ جناب زید) کو سولی سے اتار جلا دے اور راکھ کو ہوا میں بکھیر دے۔

یوسف نے تعمیل حکم کی۔ حکم ابن عباس کلبی نے جناب زید ہی کے متعلق یہ بکواس کی تھی۔

صلبنا لکم زیدا — ہم نے تمہارے زید کو کھجور
علی جذع نخلۃ — کے تنے پر پھانسی چڑھایا

ولم ار مهدیا علی	میں نے نہیں دیکھا کہ مہدی بھی
الجزع یصلب ۔	سولی پڑھایا جاتا ہے ۔

جب یہ شعر امام صادق نے سنا تو آپ نے کانپتے ہاتھوں سے دست دعا بلند کر کے عرض کیا :

اللهم ان کان	اے اللہ! اگر تیرے اس
عبدك كاذبا فسلط	بندے نے جھوٹ بولا ہے
علیه کلبك ۔	تو اس پر اپنا کتا مسلط فرما

اموی حکمران نے حکم کو کسی کام کے لیے بھیجا جب یہ بیرون کوفہ گیا تو ایک شیر نے اس پر حملہ کیا اور اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔

جب امام صادق کو اطلاع ملی تو آپ نے سجدہ شکر کیا۔

اور عرض کیا۔

الحمد لله الذی	اس اللہ کی حمد ہے جس نے
انجزنا ما	ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے
وعدنا ۔	پورا کیا ہے ۔

امام صادق اور جناب زید ؒ

ابن بابویہ نے اپنے سلسلہ سند سے عبداللہ ابن سبابہ سے روایت کی ہے کہ ہم سات آدمی کوفہ سے مدینہ آئے۔ امام صادق کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے پوچھا۔ کیا آپ کے پاس میرے چچا زید کا بھی کوئی حال ہے؟

ہم نے عرض کیا۔

یا تو وہ خروج کر چکے ہوں گے یا کرنے والے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔

تم لوگ باہر چلتے پھرتے ہو جب کبھی میرے چچا کی اطلاع ملے تو مجھے اطلاع کر دینا۔

ہم نے وعدہ کیا اور وہاں سے چلے آئے۔ کچھ دن کا قیام تھا۔ اسی قیام کے دوران شام سے اطلاع موصول ہوئی کہ۔ زید ابن علیؑ نے خروج کیا تھا وہ خود اور اس کے ساتھیوں میں فلاں اور فلاں قتل ہو گئے ہیں یہ اطلاع سنکر ہم امام صادق کے پاس آئے اور انہیں مطلع کیا۔

آپ روئے اور فرمایا۔ بہترین چچا تھا۔ دنیا اور آخرت میں ہمارا خیر خواہ تھا۔ بخدا میرا چچا انہی شہداء میں محشور ہو گا۔ جو انحضورؐ۔ حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔

ابن بابویہ ہی نے فضیل ابن لیسار سے روایت کی ہے کہ میں بھی جناب زید کے ساتھیوں سے تھا۔ جب جناب زید شہید ہو گئے۔ تو دوسرے بچ جانے والے چند افراد میں سے میں بھی تھا۔ میں وہاں سے مدینہ آیا۔ دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ امام صادقؑ کے سامنے جناب زید کا نام نہیں لوں گا کہیں میرے تذکرہ کی وجہ سے وہ غمزدہ ہو جائیں۔

جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پہلا سوال یہی کیا۔

میرے چچا کا کیا بنا۔

میری آواز رندھ گئی اور میں جواب نہ دے سکا۔
پھر انہوں نے خود ہی فرمایا۔
کیا وہ قتل ہو گئے۔
میں نے رندھی ہوئی آواز سے عرض کیا۔
قبلہ وہ قتل ہو گئے۔
آپ نے پھر پوچھا۔ کیا ان کا لاشہ سولی پر بھی چڑھایا گیا ہے؟
میں نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ عرض کیا۔ قبلہ آپ سچ فرما رہے ہیں۔
آپ نے پوچھا۔ کیا تو بھی میرے چچا کے ساتھ شریک جنگ تھا؟
میں نے عرض کیا۔
قبلہ یہ سعادت مجھے بھی حاصل رہی ہے۔
آپ نے فرمایا۔ تو نے کتنے اموی مارے تھے۔
میں نے عرض کیا۔ چھ۔
آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے ان سے جنگ اور ان کی موت پر کوئی شک ہے۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر مجھے کوئی شک ہوتا تو میں ہرگز جناب زید کا ساتھ نہ دیتا۔
آپ نے فرمایا۔ اللہ مجھے بھی ان شہداء کیساتھ محشور کرے جو جناب زید کے ساتھ محشور ہوں گے۔ بخدا میرا چچا زید اس طرح شہید ہوا ہے جس طرح حضرت علیؑ کے ساتھی شہید ہوئے تھے۔

ابو خالد واسطی سے منقول ہے کہ امام صادق نے مجھے کچھ پیسے دیئے اور فرمایا انہیں میرے چچا زید کے ساتھ شہید ہو جانے والوں کے اہل و عیال میں تقسیم کر دینا۔

چنانچہ میرے بھائی عبداللہ کے حصہ میں بھی چار دینار آئے۔

ابن بابویہ نے سلیمان ابن خالد سے روایت کی ہے کہ امام صادق نے مجھ سے سوال کیا۔

میرے چچا سے تم نے کیا سلوک کیا تھا۔

میں نے عرض کیا۔

تبلد دشمن کی نگرانی بہت سخت تھی جب وہ لوگ سو گئے تو ہم نے انہیں دفن کر دیا تھا۔ صبح کو ان لوگوں نے کوفہ کا چپہ چپہ چھان مارا اور بالآخر انہیں آپ کا لاشہ مل گیا۔ انہوں نے لاشہ کو سولی پر چڑھایا۔ پھر جلا دیا۔

آپ نے فرمایا۔

کاش تم لوگ ان کے لاشہ کو لوہے یا پتھر سے وزنی کر کے دریائے فرات کے سپرد کر دیتے۔

اللہ اس کے قاتل پر لعنت کرے۔

ابو ولاد کاہلی سے مروی ہے کہ مجھ سے امام صادق نے پوچھا کیا تو نے میرے چچا کو دیکھا تھا؟

میں نے عرض کیا۔ ہاں سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ دوسرے لوگوں کا کیا حال تھا۔

میں نے عرض کیا۔ کچھ خوش ہو رہے تھے اور کچھ دل گرفتہ اور رد رہے تھے۔

آپ نے فرمایا۔

جو غمزدہ تھے وہ جنت میں میرے چچا کے ساتھ ہوں گے اور جو خوش تھے وہ میرے چچا کے شریک قتل محشور ہوں گے۔

جناب یحیٰی ابن زید :-

عمر ابن متوکل ابن ہارون ثقفی بلخی کہتا ہے کہ میری ملاقات یحیٰی ابن زید سے اس وقت ہوئی جب وہ عازم خراسان تھا۔

اس نے مجھ سے تمام خاندان کے افراد کا نام بنام حال پوچھا۔ جب میں نے اسے خیر و عافیت سے مطلع کیا۔ تو اس نے پوچھا۔ کیا چچازاد۔ جعفر ابن محمدؑ سے بھی ملا تھا؟

میں نے کہا۔ ان سے بھی ملا تھا۔

یحیٰی نے پوچھا۔ کیا انہوں نے میرے متعلق کچھ پوچھا تھا؟

میں نے عرض کیا۔

اے فرزند رسول جو کچھ انہوں نے آپ کے متعلق فرمایا ہے میری زبان آپ کو بتانے سے قاصر ہے۔

یحیٰی نے کہا۔

کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ جو کچھ انہوں نے بتایا ہے۔ مجھے سنا دے۔

میں نے عرض کیا۔

وہ انتہائی افسوس کے ساتھ فرمارہے تھے کہ یحییٰ بھی اپنے باپ کی طرح شہید ہوگا پھر سولی چڑھایا جائے گا۔

جناب یحییٰ نے کہا۔ اے متوکل تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے ہم اہل بیت کو علم اور شجاعت سے ازمایا ہے۔ ہمارے چچازادوں کو بالخصوص علم سے بہرہ ور فرمایا ہے۔

میں نے عرض کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ کی نسبت آپ کے چچازاد امام جعفر کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔

چونکہ وہ لوگوں کو زندگی کا درس دیتے ہیں اور ہم موت کا سبق پڑھاتے ہیں۔

میں نے سوال کیا۔ کیا آپ زیادہ عالم ہیں یا آپ کے چچازاد۔

انہوں نے فرمایا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اسے جانتے ہیں لیکن جو کچھ وہ جانتے ہیں، ہم اسے نہیں جانتے۔

جناب یحییٰ نے پوچھا۔

کیا امام جعفر سے کچھ روایت کی ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں۔

جناب یحییٰ نے کہا۔ مجھے دکھائیے گا۔

میں نے ایک صحیفہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اس میں ایک دعا تھی۔ جو امام صادقؑ نے بالخصوص مرحمت فرمائی تھی اور بتایا تھا کہ یہ دعا مجھے میرے بابا

کے ذریعہ آنحضورؐ سے اور آنحضور کو جبریل کے ذریعہ اللہ سے عنایت ہوتی تھی۔

جناب یحیٰ نے اس کو دعا کو دیکھا، اور پوچھا کیا مجھے اجازت دیتا ہے کہ اسے لکھ لوں۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جو چیز آپ سے ہمیں ملی ہے آپ اس کی اجازت مجھ سے مانگتے ہیں۔

جناب یحیٰ نے اپنے غلام سے کہا۔ یہ لے اور اسے خوبصورتی سے لکھ لے پھر مجھے دینا میں اسے حفظ کروں گا۔

پھر مجھے فرمایا۔

میرے پاس میرے والد کی طرف سے نقل کردہ میرے جدامجد علی ابن حسینؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ وہ میں تیرے حوالہ کرتا ہوں۔ اگر امام صادق نے میری موت کی پیشن گوئی نہ کردی ہوتی تو میں اسے ہرگز اپنے سے جدا نہ کرتا۔

لیکن چونکہ وہ عالم ہیں اور انہوں نے فرمادیا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے حرف بحرف درست ہوگا۔

پھر اٹھے اپنے سامان سے ایک چھوٹا سا مقفل صندوقچہ نکالا اس کی مہر کو دیکھا اس کا بوسہ لیا۔ اپنے چہرہ سے مس کیا۔ اور مجھے فرمایا۔ مجھے یہ اس طرح میرے بابا سے وراثت میں ملا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس میں وہ تمام دعائیں موجود ہیں جو ہمارے جدامجد پڑھا کرتے تھے۔ اسے اپنے

پاس رکھ لے۔ میرے حالات سے باخبر رہنا جب میں شہید ہو جاؤں، تو مدینہ میں جاکر محمد اور ابراہیم ابن عبداللہ ابن حسین ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب دونوں بھائیوں کے سپرد کر دینا۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے بعد انہیں اس کی ضرورت ہو گی۔ یہ تیرے پاس امانت رہے گی

میں نے وہ لے لیا۔ مہر کو دیکھا میں نے بھی اس کا بوسہ لیا۔ اپنے چہرہ پر مس کیا۔ اور اپنے پاس رکھ لیا۔

جب مجھے جناب یحییٰ کی شہادت کی اطلاع ملی تو میں وہ صحیفہ لے کر مدینہ آیا۔ امام صادقؑ سے ملا۔ انہیں تمام وہ واقعہ سنایا۔

آپ رو دیئے اور فرمایا۔ اللہ یحییٰ پر رحم فرمائے اور انہیں اپنے آباء سے ملحق فرمائے۔

جناب یحییٰ کی وجہ شہادت:۔

جناب یحییٰ کی والدہ کا اسم گرامی جناب ربط تھا۔ یہ بی بی عبداللہ ابن محمد حنیفہ کی بیٹی تھی۔ جناب زید کی شہادت کے بعد بنی امیہ نے جناب یحییٰ کی تلاش شروع کر دی۔ جناب یحییٰ کمسن تھے۔ مدائن میں قیام تھا یوسف ثقفی نے ان کی گرفتاری کے لیے مدائن آدمی بھیجے آپ کو پتہ چل گیا آپ وہاں سے طہران آگئے۔ طہران سے نیشاپور گئے۔ نیشاپور سے سرخس گئے۔ سرخس میں یزید ابن عمر تیمی کے گھر چھ ماہ قیام کیا۔

اس دوران ہشام واصل جہنم ہوا۔ ہشام کے بعد ولید ابن یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے نصر ابن سیار شی کو جناب یحییٰ کی تلاش کا حکم دیا۔ نصر

نے آپ کو بلخ میں حریش ابن ابوالحرش کے گھر سے گرفتار کر لیا۔ پابند سلاسل کر کے زندان میں ڈال دیا۔ اور ولید ابن یزید کو مطلع کیا۔ ولید نے اسے جواب میں لکھا کہ یحیٰ کو حکومت مخالفت سرگرمیوں سے باز رہنے کی تنبیہ کر کے چھوڑ دے۔ نصر نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ وہاں سے جرجان آ گئے۔ جرجان میں جرجان اور طالقان سے شیعیان آل محمد نے آپ کو خروج پر آمادہ کیا۔ یہ لوگ تعداد میں پانچسو تھے۔ جب نصر کو پتہ چلا تو اس نے سالم ابن احوز کو لشکر دے کر ان کے مقابلہ میں بھیجا۔ تین دن مسلسل جنگ رہی حتیٰ کہ جناب یحیٰ کے ساتھیوں میں سے ایک بھی نہ بچا سب شہید ہو گئے۔ جناب یحیٰ تنہا رہ گئے۔ آپ جمعہ کے دن ارغونامی بستی سے باہر وقت عصر شہید کر دیئے گئے۔ سورا ابن محمد نے آپ کا سر قلم کیا۔ اور عیری نے آپ کا لباس اتارا۔ آپ کی شہادت ۱۲۵ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

بعد میں یہ دونوں ابومسلم مروزی کے ہاتھ آ گئے اس نے ان دونوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا۔ نصر نے آپ کا سر ولید ابن یزید کو بھیجا ولید نے آپ کا سر مدینہ میں آپ کی والدہ کے پاس بھیج دیا۔ جب جناب ربطہ نے اپنے اٹھارہ سال کے نوعمر لڑکے کا سر اپنی جھولی میں رکھا۔ اور بنی امیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

شردتموہ عنی	عرصہ دراز تک تم لوگوں نے
طویلا و ابدیتموہ	اسے مجھ سے دور پوشیدہ رہنے
الی قتیلا	پر مجبور کیے رکھا۔ اور اب
	اس کا کٹا ہوا سر مجھے بھیجا ہے

صلوات اللہ علیہ	اس پر اور اس کے آباء پر
وعلی آبائه بکرة	صبح وشام اللہ کی رحمتیں نازل
واصیلا ۔	ہوں ۔

آپ کا مزار جرجان میں ہے۔

شہادت محمد وابراہیم :۔

یہ وہ محمد وابراہیم ہیں جنہیں صحیفہ سجادیہ دینے کی وصیت جناب یحیٰ نے کی تھی۔

یہ دونوں عبداللہ ابن حسن مثنیٰ ابن حسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب کے فرزند تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بنی عباس بنی امیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور انقلاب کامیاب ہو چکا تھا۔ ابو جعفر سفاح کی پوری مدت حکومت میں یہ روپوش رہے۔ جب منصور تخت آرا ہوا تو اسے پتہ چلا کہ یہ بھائی خروج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ منصور نے انہیں کافی تلاش کیا جب انہیں تلاش نہ کر سکا تو اس نے ان کے والد صاحب عبداللہ کو زندان میں ڈال دیا۔ یہ دونوں ایک مرتبہ چھپ کر اپنے والد کو زندان میں ملنے آئے تو اس نے ان سے کہا اگر منصور تمہیں شرافت سے زندہ نہیں رہنے دیتا تو تمہیں شرافت کی موت سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔

دونوں بھائیوں نے منصور کے خلاف خروج کا ارادہ کیا۔ محمد نے مدینہ اور ابراہیم نے بصرہ پر بیک وقت قبضہ طے کیا۔ سوئے اتفاق سے ابراہیم بیمار ہو گئے

اور طے شدہ پروگرام کے مطابق بصرہ پر قبضہ نہ کر سکے۔ محمد نے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ منصور نے عیسیٰ ابن موسیٰ ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس کو لشکر دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا۔

جب عیسیٰ کا لشکر مدینہ میں آیا تو محمد گھر کے اندر گیا اپنی بہن کو بلایا تمام وہ کاغذات جن پران کے مددگاروں کے نام لکھے تھے۔ اپنی بہن کے سپرد کیے۔ بہن سے کہا۔

آج جنگ ہو گی۔ دوران جنگ اگر وقت زوال بارش آجائے تو سمجھ لینا کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ اور اگر بارش نہ آئے آندھی آجائے تو سمجھ لینا میری فتح ہو گی۔

اگر میں قتل ہو جاؤں اور میری لاش آپ کو مل جائے تو اسے فلاں مقام پر دفن کر دینا۔

اور یہ تمام کاغذات تندور میں جلا دینا تاکہ ان لوگوں کے نام منصور کے ہاتھ نہ آئیں۔ جنھوں نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

وقت زوال بارش کے آثار شروع ہو گئے۔ آپ کی بہن کو اپنے بھائی کی شہادت کا یقین ہو گیا۔ انھوں نے تندور روشن کرایا۔ اور فہرستیں اس میں ڈال دیں۔ جب آپ شہید ہو گئے اور دفن کے لیے اس جگہ کو کھودا گیا۔ جہاں کی آپ نے نشاندہی کرائی تھی وہاں سے ایک پتھر کی تختی برآمد ہوئی جس پر لکھا ہوا تھا۔

ھذا قبر حسنؑ ابن علیؑ	یہ حسنؑ ابن علیؑ کا مزار
ابن ابیطالبؑ۔	ہے۔

دوسری طرف جناب ابراہیم نے یکم رمضان ۱۴۵ھ کی رات بصرہ میں خروج کیا۔

آپ کے ساتھ اشراف بصرہ میں سے بشیر نبال اعمش، سلیمان ابن مروان، عباد ابن منصور قاضی۔ مفضل ابن محمد۔ اور حافظ سعید نے آپ کا ساتھ دیا۔

بعض مورخین ابو حنیفہ امام اعظم کو بھی جناب ابراہیم کے ساتھیوں سے شمار کرتے ہیں۔

امام اعظم کا ایک فتویٰ بھی کتب تاریخ میں ملتا ہے کہ جناب ابراہیم کا ساتھ دینا دین واسلام کا ساتھ دینا ہے۔ منصور نے امام اعظم پر جو سختیاں کی تھیں ان کی وجہ بھی یہی فتویٰ بتائی جاتی ہے۔

جناب ابراہیم کی حکومت پر تمام اہل بصرہ خوش تھے۔ منصور نے جناب ابراہیم سے جنگ کے لیے عیسٰی ابن موسیٰ کو بھیجا جب جناب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ دوانیقی لشکر بصرہ کی طرف آرہا ہے تو بصرہ سے لشکر لے کر باہر نکلے راستہ میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ جناب ابراہیم کا لشکر بڑی بے جگری سے لڑا دوانیقی لشکر کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھاگنے لگے۔ بصری لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔

جناب ابراہیم نے حکم دیا کہ کسی بھاگنے والے کو کچھ نہ کہا جائے۔ یہ حکم سنکر جب بصری لشکر پیچھے ہٹا تو دوانیقی لشکر یہ سمجھا کہ شاید بصری لشکر شکست کھا گیا ہے۔

انھوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں جناب ابراہیم کی پیشانی میں ایک تیر لگا۔ جو دماغ تک چلا گیا۔

حضرت ابراہیم نے فرمایا۔

سبحان اللہ! وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے مجھے اتار دو آپ کو گھوڑے سے اتارا گیا۔ وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔ منصور کوفہ میں تھا۔ دوانیقی لشکر جب جناب ابراہیم کا سر لے کر منصور کے پاس پہنچا تو اس نے سر کو طشت میں رکھا اور کہنے لگا۔

تو میرا سر چاہتا تھا لیکن تجھے معلوم نہیں تھا کہ تیرا سر میرے لیے آسان تھا۔

جناب ابراہیم کی عمر اس وقت اڑتالیس برس تھی۔

ہارون رشید اور اولاد زہراؑ۔

عیون الرضا میں عبداللہ نیشاپوری سے مروی ہے کہ میرے اور حمید ابن قحطبہ طائی کے درمیان باہمی معاملہ تھا۔

ماہ رمضان تھا۔ دن کے وقت میں گیا۔ حمید نے مجھے اندر بلا لیا۔ دستر خوان پر بیٹھا تھا۔ مجھے کھانے کو کہا۔

میں نے کہا۔ حضور! الحمد اللہ نہ تو میں سفر سے ہوں۔ نہ بیمار ہوں نہ ہی کوئی شرعی عذر ہے۔ میں روزہ سے ہوں۔ ممکن ہے آپ کسی وجہ سے معذور ہوں، آپ تناول فرمائیں۔

وہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔ جب فارغ ہوا اور میں نے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

میں نے پوچھا۔ خیریت تو ہے اس وقت رونے کا سبب کیا ہے؟

حمید نے کہا۔

اے عبداللہ! روزے اور نمازیں وغیرہ احکام اسلام پر عمل صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ آخرت میں نجات ہو اور جنت ملے۔ جس شخص کو یقین ہو کہ وہ کچھ بھی کرتا رہے جنت میں نہیں جائے گا اس کے لیے احکام دین پر عمل کرنا تکلف سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ میں اپنے اعمال کو دیکھ رہا ہوں کہ میں جنت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

میں نے پوچھا۔ آخر اتنے کون سے گناہ ہیں جن کی وجہ سے آپ اتنے مایوس ہو چکے ہیں۔

حمید نے کہا۔

تو میرے ان احباب سے ہے جنہیں میں ہر راز بتا سکتا ہوں۔ آج تک یہ راز میرے دل پر پہاڑ کی طرح بوجھ ہے تجھے سناتے دیتا ہوں اور کچھ نہیں تو کم از کم دنیا میں تو یہ بوجھ قدرے ہلکا ہو جائے گا۔

ایک رات میں اپنے گھر سو رہا تھا۔ کافی دیر ہو چکی تھی کہ ہارون کا خادم خاص آیا اور کہا کہ تجھے ہارون بلا رہا ہے۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ جب آکر دیکھا تنہا ہارون بیٹھا تھا۔ ایک غلام قریب کھڑا ہوا تھا۔ ایک شمع جل رہی تھی اور ہارون کے سامنے برہنہ تلوار رکھی تھی۔

میں نے سلام کیا۔ ہارون نے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ تیرے دل میں میرا کتنا دقار ہے۔

میں نے کہا۔ میں آپ پر اپنی جان اور مال قربان کر سکتا ہوں۔

ہارون مسکرا دیا اور مجھے واپس جانے کو کہا۔ میں واپس گھر آیا۔ ابھی بستر

پر سویا ہی تھا۔ کہ پھر دق الباب ہوا میں دروازہ پر آیا تو وہی غلام کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ آپ کو ہارون بلا رہا ہے۔

میں پھر آیا ہارون اسی جگہ اسی طرح بیٹھا ہوا اور تلوار بھی اسی طرح برہنہ تھی۔ سلام دیا اور کھڑا ہو گیا۔

ہارون نے جواب سلام دے کر وہی سوال دہرایا کہ تو مجھے کیسے سمجھتا ہے۔

میں نے کہا۔

میں آپ پر اپنی جان اپنا مال اور اپنا ناموس قربان کر سکتا ہوں۔

ہارون مسکرایا اور مجھے واپس گھر جانے کو کہا۔ میں واپس آگیا۔ ابھی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دق الباب ہوا۔ دروازہ پر آیا۔ دیکھا ہارون کا وہی نوکر کھڑا ہوا تھا۔

اس نے کہا۔ آپ کو ہارون بلا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ چلا آیا۔ ہارون وہیں بیٹھا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ ہارون نے جواب سلام دیا اور پھر وہی سوال دہرایا۔

میں نے کہا۔ میں آپ پر جان، عزت، مال، اولاد اور دین سب کچھ قربان کر سکتا ہوں۔

اس مرتبہ پہلے سے زیادہ مسکرا دیا۔ اور کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر مجھے ثبوت چاہیے یہ تلوار لے کر اس غلام کے ساتھ چلا جا جو کہے اس پر عمل کر۔

میں نے تلوار اٹھائی اور غلام کے ساتھ ہو لیا۔ غلام ایک کوچہ میں آیا ایک

مقفل دروازہ کھولا۔ اندر گیا۔ مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اندر جا کر دیکھا تو اس گھر میں تین کمرے تھے۔ تینوں مقفل تھے۔ درمیان میں ایک کنواں تھا۔

غلام نے ایک کمرہ کا قفل کھولا اور مجھے کہا ایک ایک کو بلاتا جا ان کے سر دروازہ پر رکھتا جا اور جسم کنوئیں میں پھینکتا جا۔ میں نے ایک ایک کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس کمرہ میں بیس آدمی موجود تھے جو تمام قتل ہو گئے۔ غلام نے پھر دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس میں بھی بیس آدمی تھے جنہیں میں نے قتل کیا۔ غلام نے تیسرے کمرہ کا قفل کھولا۔ اس میں سے بھی غلام ایک ایک کو پکڑ کر میرے ہاتھ میں دیتا رہا۔ اور میں ایک ایک کو قتل کرتا چلا گیا جب انیس قتل کر چکا اور آخری بیسواں آدمی بچ گیا۔

اس نے جب دروازہ پر سروں کا ڈھیر دیکھا تو بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وا محمداہ کہہ کر دھاڑیں مارنے لگا۔

میں نے کہا۔ بندہ خدا تو تو بہت بوڑھا ہے۔ تیرے ابرو آنکھوں پر گر چکے ہیں۔ میں نے کمسن بچوں کو بھی مارا ہے جوانوں کو بھی قتل کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی موت سے اسی طرح نہیں ڈرا جس طرح تو بوڑھا ڈر رہا ہے۔

اس نے کہا۔ تجھے کیا معلوم کہ میں موت سے ڈر کر رو رہا ہوں۔

میں نے کہا۔ پھر کیا وجہ ہے کیوں رو رہا ہے۔

اس نے کہا۔ ظالم! میں پہلے تو اپنی مظلومیت کو رو رہا ہوں کہ ہم اولاد علی و بتول اتنے مظلوم ہیں کہ آج لوگوں کو ہمیں قتل کرتے ہوئے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ دوسرا اس لیے رو رہا ہوں کہ جو انسٹھ بچے اور جوان تو نے قتل کیے یہ سب

میرے بیٹے پوتے اور نواسے تھے۔ کاش تو پہلے مجھے قتل کرتا میں اپنی آنکھوں سے ان کے خون آلود سر اور تڑپتے جسم تو نہ دیکھتا۔

یہ سنکر میرا جسم لرزنے لگا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔

غلام نے کہا۔ ہارون کا حکم ہے جلدی کر۔

میں نے کسی توجہ کے بغیر دل کڑا کیا اور اس بوڑھے کا سر بھی قلم کرلیا۔

اب بھلا تو بتا جس شخص نے ساٹھ قتل اولاد علیؑ و زہراؑ سے بلا جرم و خطا کیے ہوں۔ اسے نماز یا روزہ کوئی فائدہ دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔

شہادت سعید ابن جبیر

اولاد علیؑ و زہراؑ کی طرح ان کے ماننے والوں کو بھی ہر دور میں صرف اس جرم میں تہ تیغ کیا جاتا رہا کہ وہ محبان علیؑ و زہراؑ ہیں۔ ان شہداء میں سے معروف ترین شہید ایک سعید ابن جبیر بھی ہے۔

علامہ دمیری نے حیواۃ الحیوان میں ابو شداد عیدی سے روایت کی ہے کہ جب حجاج ابن یوسف کے سامنے محبان علی میں سعید ابن جبیر کا تذکرہ کیا گیا تو حجاج نے متلمس ابن احوص نامی شامی کو بیس افراد دے کر جناب سعید کی تلاش اور گرفتاری کے لیے بھیجا۔

یہ لوگ آپ کو تلاش کر رہے تھے کہ ان کی ملاقات ایک گرجا میں ایک راہب سے ہو گئی۔

ان لوگوں نے راہب سے سعید کے متعلق پوچھا۔

راہب نے کہا۔ اگر اس کا حلیہ اور چال چلن بتا دو تو ممکن ہے میں تمہاری راہنمائی کر سکوں۔

ان لوگوں نے راہب کو جناب سعید کا حلیہ بتایا ۔ راہب نے انہیں اس مکان کی نشاندہی کر دی جہاں سے انہیں آپ مل سکتے تھے۔ یہ لوگ جب وہاں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ صحرا میں جناب سعید نے مصلائے عبادت بچھایا ہوا ہے اور باآواز بلند مصروف مناجات ہیں ۔

ان لوگوں نے سلام کیا ۔ آپ نے مناجات کو ختم کر کے جواب سلام دیا ۔

ان لوگوں نے کہا ۔ آپ کو حجاج نے بلایا ہے ہم آپ کو لینے آئے ہیں ۔ تشریف لے چلیں ۔

جناب سعید نے پوچھا ۔ کیا لازماً جانا ہے ۔

انہوں نے کہا ۔ لازماً جانا ہے ۔

آپ اٹھے ۔ حمد خدا بجا لائے ۔ محمد و آل محمد پر درود بھیجا ۔ جائے نماز کو لپیٹا اور ان کے ساتھ چل پڑے ۔

راستہ میں اسی گرجا کے قریب آئے غروب ہو رہا تھا ۔ آگے آبادی دور تھا ۔ باہمی مشورہ سے رات اسی گرجا میں گزارنے کا فیصلہ کیا ۔ گرجا کا دق الباب کیا ۔

راہب نے اوپر سے جھانک کے پوچھا ۔ تمہارا مطلوب تمہیں مل گیا ہے ۔

انہوں نے کہا ہاں ۔ مطلوب تو مل گیا ہے لیکن ہم رات یہیں گزارنا چاہتے ہیں ۔

راہب نے کہا ۔ اگر رات یہیں گزارنا ہے تو جلدی سے اندر آجاؤ ۔

اور چھت پر چڑھ جاؤ۔ اس صحرا میں ایک آدم خور شیرنی اور ایک شیر رہتے ہیں جو انسانوں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔ رات کی سیاہی پھیلنے سے بھی پہلے شکار کو نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ لوگ جب اندر جانے لگے۔ تو جناب سعید نے اندر جانے سے انکار کر دیا۔

یہ لوگ سمجھے شاید جناب سعید بھاگنے کی راہ تلاش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا، ہم تجھے ایسے بھاگنے توڑ دیں گے۔

جناب سعید نے فرمایا۔ میں بھاگنا بھی نہیں چاہتا۔ لیکن ایک مشرک کے مکان میں بھی نہیں آؤں گا۔ آپ لوگ مجھے یہیں باہر رہنے کی اجازت ہی دے دیں۔

انہوں نے کہا۔ کیا تو نہیں سن رہا کہ یہاں آدم خور شیر اور شیرنی انسانوں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔

جناب سعید فرماتے ہیں۔

تم مجھے اس کے حوالے کر دو۔ وہ جانیں اور میں جانوں۔ کیا ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کو اپنا شکار سمجھتے ہوں۔ ممکن ہے وہ مجھے شکار کرنے کی بجائے میری رکھوالی کریں۔ اور تم لوگوں کی نسبت اچھی حفاظت کریں۔

یہ کہنے لگے۔

کیا تو کوئی نبی ہے۔

جناب سعید نے کہا۔ میں نے کب کہا ہے کہ میں نبی ہوں میں صرف اللہ کا بندہ اور اس کے نبی کا ادنیٰ سا ماننے والا ہوں۔

انہوں نے کہا۔ اگر آپ ہمیں قسم دے دیں کہ میں نہ بھاگوں گا تو ہم آپ پر اعتبار کیسے لیتے ہیں۔

جناب سعید نے انہیں قسم دی وہ اندر چلے گئے۔ اور آپ مصلائے عبادت بچھا کر مصروف عبادت ہو گئے۔

جب یہ لوگ اندر گئے تو پادری نے انہیں کہا۔ دیکھو تمہارا ساتھی مجھے کٹر مذہبی لگتا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہیں وہ آدم خوروں کا شکار نہ ہو جائے۔ اور تمہارا سفر رائیگاں جائے ایسا کرو۔ کمانیں سنبھال لو اور باری باری اس کی حفاظت کرو۔

یہ لوگ کمانیں سنبھال کر بیٹھ گئے۔ جب اندھیرا چھا گیا۔ تو شیر اور شیرنی بھی آ گئے

جب انہوں نے جناب سعید کو دیکھا تو پہلے شیرنی آگے بڑھی اس نے اپنا منہ جناب سعید کے قدموں میں رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس پلٹی۔ پھر شیر آگے بڑھا اس نے بھی اپنا منہ جناب سعید کے قدموں پر رکھا اور کچھ دیر بعد وہ بھی واپس ہو گیا۔

اور کچھ فاصلہ پر جا کر دونوں ایک جناب سعید کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھ گئے۔

راہب اور حجاج کے سپاہیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو مارے حیرت کے ان کی جان نکل گئی۔

جب صبح نمودار ہوئی تو انہوں نے دیکھا اور دونوں آدم خور ایک مرتبہ پھر آگے بڑھے۔ باری باری انہوں نے اپنا منہ جناب سعید کے قدموں پر رکھا اور

صحرا میں چلے گئے۔

یہ لوگ نیچے اترے سب کے سب جناب سعید کے قدموں پر گر پڑے راہب آگے بڑھا اور اس نے جناب سعید سے دین کے بارے میں پوچھا آپ نے اسے کلمہ پڑھایا وہ مسلمان ہوگیا۔

جناب سعید سے دیگر احکام دین سیکھے۔ حجاج کے سپاہی جناب سعید کے قدموں کی مٹی تبرکاً اٹھانے لگے۔

وہاں سے روانہ ہوتے جب واسط میں پہنچے تو جناب سعید نے ان سے فرمایا۔

دیکھو مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ ایسا کرو آج رات یہیں گزار لو۔ مجھے ایک رات کی مہلت دے دو۔ تاکہ میں اپنے کو سفر آخرت کے لیے تیار کروں۔ آج کی رات تم مجھے تنہا چھوڑ دو صبح جہاں جاؤ گے میں خود تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

بعض سپاہیوں نے کہا۔ دیکھو یہ تمہیں جل دے جائے گا اب اتنا زیادہ سفر نہیں ہے گھنٹہ بھر کا سفر ہے انعام ہمارے انتظار میں ہے۔ اسے چھوڑنے کی حماقت نہ کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

ایک سپاہی نے کہا۔ دیکھو اس جیسا شریف آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا اعتبار کر لو۔ اگر بھاگ بھی گیا تو جو انعام کھو گے میں تمہیں دے دوں گا اسے مہلت دے دو۔

بالآخر انہوں نے جناب سعید کو اجازت دے دی۔ آپ نے تنہا صحرا میں بیرون شہر تمام رات عبادت میں گزاری۔ صبح ابھی وہ لوگ اٹھے نہیں تھے کہ

جناب سعید نے آکر دق الباب کیا۔ جب ان کی نظر آپ پر پڑی تو سب قدموں میں گر گئے اور کہنے لگے۔

اے عبد خدا! اللہ کے نام پر ہمیں معاف کر دینا۔ کاش ہم آپ کی تلاش میں نہ آتے۔ پھر یہ لوگ جناب سعید کو حجاج کے پاس لاتے، متلمس نے آگے بڑھ کر حجاج کو مبارک باد دی۔

حجاج نے جناب سعید سے کہا۔ کیا تو شقی ابن کسیر ہے؟

جناب سعید نے فرمایا۔ میری ماں میرے نام سے تیری نسبت زیادہ واقف تھی۔

حجاج نے کہا۔ تو خود بھی سیاہ بخت ہے اور تیری ماں تجھے جنم دے کر تیرہ بخت بن گئی۔

جناب سعید نے فرمایا۔ علم غیب تیرے علاوہ دوسرے جانتے ہیں۔

حجاج نے کہا۔ اب دنیا کے عوض میں تجھے دہکتی آگ میں بھیجوں گا۔

جناب سعید نے فرمایا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ کام تیرے ہاتھ میں ہے تو میں تجھے معبود مان لیتا۔

حجاج نے کہا۔ محمد کے متعلق کیا نظریہ ہے۔

جناب سعید نے فرمایا۔ وہ نبی رحمت تھے۔

حجاج نے کہا۔ علی کے متعلق کیا کہتا ہے جنت میں ہو گا یا جہنم میں؟

جناب سعید نے فرمایا۔ کاش کہ میں نے جنت اور جہنم میں داخل ہو کر انہیں تلاش کیا ہوتا۔

حجاج نے کہا۔ خلفا کے متعلق تیرا کیا نظریہ ہے؟

جناب سعید نے فرمایا۔ میں ان کا نگران نہیں رہا۔

حجاج نے کہا۔ ان میں سے تجھے کون زیادہ پسند ہے۔

جناب سعید نے فرمایا۔ مجھے وہی زیادہ پسند ہے جو خوشنودی خدا کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔

حجاج نے کہا۔ ان میں سے کسے خوشنودی خدا کا زیادہ خیال رہتا تھا؟

جناب سعید نے فرمایا۔ اس کا علم اللہ کو ہے جو ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

حجاج نے کہا۔ تو مسکراتا کیوں نہیں؟

جناب سعید نے فرمایا۔ میں کیسے مسکرا سکتا ہوں جب کہ مٹی سے بنا ہوا اور آگ مٹی کو جلا ڈالتی ہے۔

حجاج نے کہا۔ ہم کیوں مسکراتے ہیں۔

جناب سعید نے فرمایا۔ تمام دل اللہ نے ایک جیسے نہیں بنائے۔

حجاج نے حکم دیا۔ کہ ہیرے اور جواہرات کا سعید کے سامنے ڈھیر لگا اور جب ڈھیر لگا دیا گیا۔

تو جناب سعید نے فرمایا۔ اگر یہ سب کچھ تو نے اس لیے جمع کیا ہے کہ ان سے تو اپنی آخرت سنوارے گا۔

تو بڑے سود مند ہیں۔ اور اگر ان کے جمع کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے تو پھر اس دن کے دھماکے کو یاد کر جس دن ماں بچے کو بھی پھینک دے گی۔ دولت دینا میں سے وہی بہتر ہے۔ جو پاکیزہ اور مندگی ہو!

پھر حجاج نے آلات لہو و لعب اور بزم رقص و سرور کا حکم دیا۔

جناب سعید کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔

حجاج نے کہا۔

سعید کیسی موت پسند کرو گے۔

جناب سعید نے فرمایا۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جیسی موت تجھے پسند ہو۔ تو جس طرح مجھے مارے گا قیامت میں اسی طرح اللہ تجھے مارے گا۔

حجاج نے کہا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں؟

جناب سعید نے فرمایا۔ تیری معافی کی کیا قیمت ہے اگر معافی مانگنا ہو گی تو اللہ سے مانگوں گا۔

حجاج نے کہا۔

اسے باہر لے جاؤ اور قتل کر دو۔

جب جلاد لے جانے لگے تو جناب سعید مسکرا دیتے۔ جلاد نے حجاج کو بتایا۔

حجاج نے پوچھا۔
اب کس لیے مسکرایا ہے؟
جناب سعید نے فرمایا۔ تیری اللہ پر جرات پر ہنسی آگئی۔
حجاج نے کہا۔ اسے یہیں میرے سامنے قتل کرو۔ کھال
بچھائی گئی جناب سعید کو اس پر لٹایا گیا۔
جناب سعید قبلہ رخ تھے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔
وجہت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین
حجاج نے کہا۔ اس کا قبلہ سے منہ ہٹادو۔ جب جنابِ سعید کو قبلہ رخ
سے پھیر دیا گیا۔ تو آپ نے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔
اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔
حجاج نے کہا۔ اسے اوندھے منہ لٹاؤ۔ جب اوندھے منہ لٹایا گیا۔ تو
جناب سعید نے یہ آیت تلاوت کی۔
منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔
حجاج نے کہا۔ یہ شیعہ علی ہے۔ یونہی کچھ نہ کچھ پڑھتا رہے
گا اب دیر نہ کرو فوراً ذبح کردو جلاد نے تلوار علم کی اور جناب سعید نے پڑھا
اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ
پھر یہ دعا مانگی۔ اے میرے اللہ! میرے قتل کے بعد اسے کسی اور شیعہ
علیؑ کے قتل پر موفق نہ کرنا۔ بعد از شہادت جناب سعید کا کٹا ہوا سر کافی
دیر کلمہ توحید پڑھتا رہا۔ شہادت جناب سعید کے بعد حجاج صرف پندرہ دن
زندہ رہا پھر واصل جہنم ہوگیا۔

شہادت جناب قنبرؒ:-

ارشاد شیخ مفیدؒ کے مطابق ایک دن حجاج کو کوئی شیعہ علیؑ قتل کے لیے نہ مل سکا۔ یہ بڑا پریشان ہوا۔ اور کہنے لگا۔

کیا شیعہ ختم ہو گئے ہیں یا روپوش ہو گئے ہیں۔ اب تو قتل کرنے کو ایک بھی شیعہ نہیں ملتا۔

درباریوں میں سے ایک بدنصیب نے کہا۔ اگر کوئی تلاش کرنے والا ہو تو ایک ایسا شیعہ علیؑ موجود ہے جس کے مقابلہ میں آج کا ہر شیعہ ہیچ ہے۔

حجاج نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟

اس ظالم نے کہا۔ حضرت علیؑ کا غلام قنبر۔

حجاج نے کہا۔ تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہ کہاں سے ملے گا اس نے نشاندہی کی۔ حجاج نے اسی وقت چند سپاہی بھیجے وہ جناب قنبر کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس لے آئے۔

حجاج نے پوچھا۔ کیا تو قنبر ہے؟

جناب قنبر نے فرمایا۔ میں ہی قنبر ہوں۔

حجاج نے کہا۔ کیا تو بنی ہمدان سے ہے؟

جناب قنبر نے فرمایا۔ ہاں میں بنی ہمدان سے ہوں۔

حجاج نے کہا۔ کیا تو علی ابن ابی طالب کا غلام تھا۔

جناب قنبر نے فرمایا۔ میرا مولیٰ تو اللہ ہے البتہ علی ابن ابی طالب میرے ولی نعمت تھے اور ہیں۔

حجاج نے کہا۔ علیؑ کے مسلک سے اعلان برات کر

جناب قنبر نے فرمایا۔ یہ معمولی بات ہے بشرطیکہ تو مجھے مسلک علیؑ سے کسی اچھے مسلک کی راہنمائی کا وعدہ کرے۔

حجاج نے کہا۔ میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں بتا کیسی موت پسند کرے گا؟

جناب قنبر نے فرمایا۔ یہ بات مجھ سے نہ پوچھ اپنے سے پوچھ لے جیسی موت تجھے خود پسند ہو کیونکہ قیامت کے دن تجھے ویسے قتل کروں گا جیسے تو آج مجھے قتل کرے گا۔ ویسے مجھے میرا آقا پہلے بتا چکا ہے تو مجھے اپنی طرف سے انتہائی اذیت ناک طرح سے ذبح کرے گا۔

حجاج نے جناب قنبر کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

جناب کمیل ابن زیاد نخعی کی شہادت

جناب کمیل ایک معروف شیعہ علی تھے۔ حجاج کو جب پتہ چلا کہ کمیل بھی شیعیان علی سے ہے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کے احکام بھیجے۔ ارشاد شیخ مفید کے مطابق جب جناب کمیل کو علم ہوا کہ میری گرفتاری کے احکام صادر ہو چکے ہیں تو اپنی قوم بنی نخع نے انہیں روپوش کر دیا۔

جب حجاج تلاش میں ناکام ہوا تو اس نے بنی نخع کے وہ تمام وظائف بند کر دیئے جو انہیں حکومت کی طرف سے ملتے تھے۔ جناب کمیل کو جب علم ہوا کہ میری وجہ سے حجاج نے بنی نخع کی تمام مراعات ختم کر دی ہیں تو انہوں نے اپنی قوم کے معزز افراد سے مشورہ کیا۔ اور انہیں کہا۔

دیکھو میں اس وقت زندگی کی آخری حدود پر ہوں۔ میرا آخرت کی طرف قدم کسی وقت بھی اٹھ سکتا ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اشرالناس کے ہاتھوں محبت علی میں شہید ہو جاؤں۔ آپ لوگ نہ میرے لیے پریشان ہوں اور نہ میری وجہ سے آزمائشوں اور مصائب میں مبتلا ہوں۔ میں اپنے کو حجاج کے

پیش کیے دیتا ہوں۔

معززین قوم نے ایسا نہ کرنے کی کافی منت وسماجت کی۔ لیکن جناب کمیل نے فرمایا۔ اگر منت ہی کرنا ہے تو پھر میں آپ لوگوں کی منت کرتا ہوں کہ آپ مجھے مقام شہادت سے محروم نہ کریں۔ اس پر تمام افراد خاموش ہو گئے۔

جناب کمیل نے اپنے آپ کو حجاج کے پیش کر دیا۔ جب حجاج نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ کافی عرصہ سے اس کوشش میں تھا کہ میرا ہاتھ تجھ تک پہنچ جاتے۔

جناب کمیل نے فرمایا۔ زیادہ دانت نکالنے یا کچھ غلط کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بہت زندگی گزار لی ہے۔ اب مجھے ویسے بھی زیادہ دن زندہ نہیں رہنا۔ میں اسی چیز کے لیے تیار ہو کے آیا ہوں جس کیلئے تجھے میری تلاش تھی۔ جو فیصلہ کرنا ہے بے فکر ہو کر کر لے۔ ہمارا آخری میدان تو میدان حشر ہے اور میرے قتل کے بعد حساب تجھے ہی دینا ہو گا۔ میں پہلے اس سے مطلع تھا۔

حجاج نے پوچھا۔ تو کس چیز سے مطلع تھا؟

جناب کمیل نے فرمایا۔ اپنی موت سے۔

حجاج نے کہا۔ تجھے کیسے معلوم ہے۔

جناب کمیل نے فرمایا۔ مجھے میرے آقا امیر المومنین علیؑ بتا کے گئے تھے کہ مجھے تیرے ہاتھوں موت آئے گی۔

حجاج نے کہا۔ پھر تو اگر میں تجھے قتل کر دوں تو میں اس کا مجرم نہیں ہوں گا۔

جناب کمیل نے فرمایا۔ یہ اس صورت میں ممکن تھا جب قضا و قدر

کا مالک تو ہوتا۔

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس شیعہ علیؑ کا سر قلم کر لے۔ جلاد نے تلوار علم اور جناب کمیل پر وار کیا جس سے آپ کا سر جدا ہو گیا۔

اولادِ زہراؑ دیواروں میں :۔

تاریخ کا یہ پہلو کتنا دردناک ہے یہ ہر انسان اپنے ضمیر سے پوچھ سکتا ہے۔ منتخب کے مطابق جب منصور نے بغداد کی تعمیر شروع کی تو وہ اولاد علیؑ و زہراؑ کی تلاش میں رہتا تھا تاکہ ان سادات کو دیواروں میں چن دیا جائے۔ اس قسم کے واقعات سے تاریخ لبریز ہے۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو جعفر سفاح کے زمانہ سے جو تشدد شروع ہوا عباسی حکومت کے پورے زمانہ میں جو سات صدیوں سے اوپر تک محیط ہے۔ اس دور میں سید مرد کا تلاش کرنا نہ صرف مشکل تھا بلکہ ناممکن تھا۔ سادات مردوں اور بچوں کو یا شہید کیا گیا اور یا دیواروں میں چن دیا گیا۔ ہر گھر میں صرف دختران علیؑ و زہراؑ رہ گئیں۔ بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔

عیون اخبار رضا کے مطابق ایک دن منصور کو اولاد امام حسنؑ سے ایک سات آٹھ سال کا بچہ مل گیا۔ اس بچے نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے منصور نے معمار کو بلا کر یہ کمسن سید زادہ اس کے سپرد کیا اور اسے کہا کہ اسے اس دیوار میں چن دینا جو آج بنانا ہے۔ ساتھ ہی نگران بھی مقرر کر دیا تاکہ معمار کہیں حکم عدولی نہ کرے۔

معمار کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ جب شہزادہ کو دیوار میں کھڑا کیا اس کے

گرد اینٹیں چننے لگا۔ دیوار بلند ہوئی گئی۔ اور یہ کمسن شہزادہ خاموشی سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ جب دیوار سر سے بلند ہوتی اور معمار اسے بند کرنے لگا۔ تو معمار کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے اور کہنے لگا شہزادہ گھبرانا مت میں رات کو کسی وقت آکر تجھے نکال لوں گا۔

یہ زہرا ؑ زادہ خاموش ہو کے کھڑا رہا معمار نے دیوار سے ایک چھوٹا سا سوراخ چھوڑ دیا تاکہ ہوا گذرتی رہے۔ جب رات چھا گئی۔ اور معمار اٹھا۔ چھپتا چھپاتا اس دیوار کے قریب آیا۔ شہزادہ کو دیوار سے نکال کر کہا۔

شہزادے! ایک تو میرے ساتھ اپنے نانا سے میری شفاعت کا وعدہ کرو اور دوسرے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بغداد سے کہیں باہر چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ منصور کو پتہ چل جائے اور وہ مجھے قتل کرا دے۔

شہزادے نے کہا۔ معمار تو دونوں باتوں سے بے فکر رہ۔ میں نانا سے تیری شفاعت بھی کروں گا اور بغداد بھی چھوڑ دوں گا۔ پھر شہزادے نے معمار سے کہا۔ ایسا کر میرے سر کے بال کاٹ لے۔

معمار نے کہا۔ وہ کس لیے شہزادے نے کہا! میری ماں ابھی تک میرے انتظار میں ہو گی اور آج مجھے گھر جانے میں اتنی دیر ہو گئی ہے کہ اب تک اسے یقین ہو چکا ہو گا کہ میں نانا کی امت کے ہاتھوں قتل کیا جا چکا ہوں اسی لیے وہ مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ آج پتہ نہیں اس نے مجھے کیوں اجازت دے دی۔

میرے یہ بال لے جا کر میری ماں کو دے دینا اور میری طرف سے سلام عرض کر کے اسے میری خیریت سے آگاہ کر دینا۔